

افضلیت سیدنا صدیق اکبرؓ کے اجماعی عقیدہ کو مشکوک بنانے والوں کے دلائل میزان انصاف میں

نہایۃ الدلیل

فی الذلّٰلِ صَوْنِجِب

غایۃ التبحیل

مسئلہ فضلیت اکابر اُمت

ایک تحقیقی ایک تجزیہ

فہرست
فیصل خان رضوی

تقدیم

مفتی سید ذوالفقار حسین علیہ الرحمہ

والضحیٰ پبلیکیشنز



فہرست

11	تقدیم	❁
12	تصویر کا دوسرا رخ	❁
27	سبب تالیف	❁
30	مقدمہ	❁
31	تفضیلیہ کی جلد رازیاں	❁
36	مسئلہ افضلیت کو سمجھنے کے اہم اصول	❁
41	بدعتی کی روایات کا حکم	❁
44	سادات کرامؓ اور مسئلہ تفضیل	❁
45	علامہ نبھائیؒ کا فیصلہ	❁
47	مسئلہ تفضیل اور صوفیاء کرام کا مذہب	❁
49	تفسیر آلوسی میں تفضیل کے مسئلہ پر بحث	❁
49	باطنی خلافت اور مسئلہ تفضیل	❁
	سخن اولین کا جواب	❁
53	کچھ باتیں علامہ سید زابد حسین شاہ صاحب سے	
58	ملا علی قاری اور شرم العوارض میں ظہیریت کے قول کی تحقیق	❁
60	(i) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے موقف کا تحقیقی جائزہ	❁
62	حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو درازؒ کا مسلک	❁

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نہایۃ الدلیل فی رد صویحب غایۃ التبجیل
فیصل خان رضوی

کتاب
مصنف

مفتی ابوتراب سید ذوالفقار حسین گیلانی رضوی حفظہ اللہ

تقدیم

محمد مدین الحسنات ڈوگر؛ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

لیگل ایڈوائزر

محمد رضا الحسن قادری، دارالاسلام، لاہور

تصحیح

20 جون 2013ء

تاریخ اشاعت

1100

تعداد

360 روپے

قیمت

ملنے کے پتے

مکتبہ فضائل مدینہ؛ مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد 0312-6561574.0346-6021452

مکتبہ نور یہ رضویہ پبلی کیشنز؛ فیصل آباد، لاہور

مکتبہ بہار شریعت؛ دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ غوثیہ ہول، کراچی

مکتبہ ملک بک کارپوریشن، راول پنڈی

مکتبہ قادریہ؛ لاہور، گجرات، کراچی، گوجران والا

مکتبہ امام احمد رضا، لاہور، راول پنڈی

مکتبہ قرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

مکتبہ فضل حق پبلی کیشنز، لاہور

مکتبہ احمد بک کارپوریشن، راول پنڈی

63	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا مسئلہ افضلیت پر فتویٰ کی تحقیق
67	اعلیٰ حضرت بریلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا فتویٰ اور مسئلہ تفصیل
68	گولڑہ شریف کے فتویٰ کی تحقیق
70	شیخ محمود سعید ممدوح کی تعریف کے پل
	پہلے باب کا جواب
72	مسئلہ افضلیت پر ظنی اقوال کا تحقیقی جائزہ
73	۱- امام باقلائی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
75	۲- امام الحرمین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
76	۳- امام المازری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
76	۴- محقق شریف جرجانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
77	۵- ابو العباس قرطبی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
78	۶- امام سیف الدین آمدی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
79	۷- محقق علامہ سعد الدین نقاش زانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
79	۸- شیخ سہروردی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
80	۹- فقیر ابن حجر مکی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کی تحقیق
80	۱۰- علامہ سید ابوبکر بن شہاب حضری کے قول کی تحقیق
82	سعید ممدوح کا اصولیین پر اعتراض
84	مسئلہ افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> میں ظنی اور قطعی کی بحث آخر کیوں؟
	دوسرے باب کا جواب
93	مسئلہ تفصیل میں توقف کے اقوال کا تحقیقی جائزہ

100	تیسرے باب کا جواب خلافت و افضلیت کے مابین تلازم کا تحقیقی جائزہ
105	حضرت سعد بن عبادہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا بیعت کرنے کی تحقیق
114	شیخ ممدوح کا خلافت اور افضلیت کے مستلزم کے حوالہ نقل کرنا
	چوتھے باب کا جواب
118	حیات نبوی میں افضل الصحابہ کی تحقیق
121	پانچویں باب کا جواب افضل کا تعین کرنے والوں کے مذہب کا تحقیقی جائزہ
143	شاہ اقوال پیش کرنے کے بارے میں علماء کرام کا فیصلہ
	چھٹے باب کا جواب
159	افضلیت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> میں مذاہب پر تحقیق جائزہ
161	افضلیت مولا علی <small>رضی اللہ عنہ</small> میں مذاہب پر گفتگو
162	الجواب بتوفیق الوہاب
162	اہل بیت کرام سے مروی کتب کا تحقیقی جائزہ
163	حدیث الطیر سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کا تحقیقی جائزہ
167	حدیث طیر پر شیخ محقق <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا تبصرہ
168	حدیث طیر پر ملا علی قاری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا تبصرہ
168	حدیث طیر پر امام عبدالوہاب شعرائی کا تبصرہ
168	حدیث طیر پر امام فخر الدین رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا تبصرہ
169	حدیث طیر پر علامہ عضد الدین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا تبصرہ
170	حدیث طیر پر علامہ ذہبی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا تبصرہ

173	حدیث طبر پر علامہ مکیؒ کا تبصرہ
174	حدیث طبر پر محدث سندھ ہاشم ٹھٹھویؒ کا تبصرہ
177	شیخ محمود سعید ممدوح کا امام حسن بن علی المرتضیٰؑ کی روایت سے "اعلیٰ" پر
177	استدلال افضلیت
179	اعلیٰ سے افضلیت پر استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں
183	من کنت مولاً فعلی مولاً کا تحقیقی جائزہ
183	امام المفسرین امام فخر الدین رازیؒ کا تبصرہ
184	أنت منی بمنزلة هارون کا تحقیقی جائزہ
184	امام المفسرین فخر الدین رازیؒ کا تبصرہ
186	شیخ ممدوح اور شیخ عبد اللہ الغماری کی جہالت
187	عموم الفاظ کی بحث
188	استثناء نبوت کی بحث
189	استثناء کادلیل عموم ہونا پر بحث
190	حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال کرنا
194	حضرت عامر بن واثلہؓ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال
196	حضرت ابو حمیضہؓ کے قول سے استدلال کی تحقیقی جائزہ
198	حضرت ابن ابی بکرؓ اور حضرت عدی الطائیؓ کی روایات سے استدلال
199	حشام بن محمد الکلبی
199	ابن ابی مخنف
200	نصر بن مزاحم (مصنف کتاب صفین)
201	عمر بن سعد بن ابی الصید الاسدی

203	ادھر دیکھو تیرا دھیان کدھر ہے؟
203	حضرت علی المرتضیٰؑ کے فضائل و مناقب سے استدلال کا تحقیقی جائزہ
204	ابن حزم کے استدلال کا تحقیقی جائزہ
206	حضرت عمار بن یاسرؓ اور امام حسنؑ کے قول کی تحقیق
207	حضرت عمار بن یاسرؓ کا عقیدہ افضلیت
207	حضرت امام حسن بن علیؑ کا عقیدہ افضلیت
208	امام باقرؑ کے قول کی تحقیق
211	علامہ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الاسکانی کے قول کی تحقیق
212	قاضی عبد الجبار آمد آبادی کے قول کی تحقیق
212	ابن ابی الحدید کے قول کی تحقیق
214	حافظ عبید اللہ بن عبد اللہ المعروف بالحکامی کے قول کی تحقیق
216	حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ کا قول
216	مقدسی کے حوالہ کی تحقیق
217	جلیل اللہ صحابی ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاص کے قول کی تحقیق
218	صحابی رسولؐ کا قول کی تحقیق
219	حضرت عبد اللہ بن انیسؓ کے قول کی تحقیق
220	حضرت سلیمان بن مرد الخزامیؓ کے قول کی تحقیق
220	حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کے قول کی تحقیق
222	ابو الاسود دؤلی کے موقف کی تحقیق
223	حضرت آمنہ بنت نعیمہ مذحجیہ کے قول کی تحقیق
224	حضرت سودہ بنت عمارہ کے قول کا تحقیقی جائزہ

225	حضرت زحر بن قیس کے قول کا تحقیقی جائزہ
226	حضرت کعب بن زہیر کے قول کا تحقیقی جائزہ
226	معمر بن راشد کے قول کی تحقیق
229	یہی بن آدم کے قول کی تحقیق
230	عبید اللہ بن موسیٰ ہبیسہ کے قول کی تحقیق
232	یہی بن یعر کا مذہب
233	محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کا تراجم یاد حوکہ
235	امام شافعیؒ کے قول کی تحقیق
237	فصل بن ابیہب کا مذہب
238	بکر بن حماد القاسری کا مذہب
239	رمضان آفندی کا مذہب
240	شیخ محمد معین ٹھٹھوی سندھی کا مذہب
261	تیسری حدیث پاک کا جواب
264	بشر بن معمر کا مذہب
264	مورخ المسعودی کا عقیدہ
265	صاحب بن عباد کا عقیدہ
266	علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی کا عقیدہ تفصیل کا جائزہ
268	شیخ عبد العزیز بن صدیق الغماری کے عقیدہ کا جائزہ
268	علامہ ذہبیؒ پر الزام کی جسارت
270	آل باعلوی کے عقیدہ کی تحقیق
271	سید احمد بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق

272	سید عبد اللہ بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق
273	ساتویں باب کا جواب
277	اہل بیت اطہار علیہم السلام کا مذہب تفصیل علی ہی ہے کا تحقیقی جائزہ
286	آٹھویں باب کا جواب
290	اجماع کے دعووں کا جائزہ کا تحقیقی جائزہ
293	نویں باب کا جواب
294	”ناپسندیدہ اقوال کا جائزہ“ کی تحقیق
299	لفظ شیعہ کا پس منظر اور اسکی حقیقت
293	ابان بن تغلب کا عقیدہ
294	حافظ ابن حجر کے اقوال پر ایک نظر کا تحقیقی جائزہ
298	امام غلالؒ کی کتاب السنۃ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ
301	علامہ نبھانیؒ کا منکرین انصاریت عثمان بن عفانؓ پر رد
302	امام احمدؒ سے منقول بعض اقوال پر اعتراضات کا تحقیقی پس منظر
307	امام دارقطنیؒ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ
312	محمود سعید ممدوح کے چند باطل احتمالات
313	امام سفیان ثوری کا عقیدہ تفصیل شیخینؒ
313	امام سفیان بن عیینہؒ کا عقیدہ تفصیل شیخینؒ
313	جوز جانی کی غلط بیانی
314	جوز جانی کے بارے میں محدثین کی رائے
315	منصور بن المعتمر کا عقیدہ
316	ابو غسان مالک بن اسماعیل نہدیؒ عبید اللہ بن موسیٰ العنسی اور ابوعبیدہ کا مذہب

تقدیم

مفتی ابوتراب سید ذوالفقار حسین گیلانی رضوی حفظہ اللہ

ہم نے پردے میں تجھے پردہ نشین دیکھ لیا

رسول اکرم ﷺ شفیع معظم، شہنشاہ کل علم ﷺ کو دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ۱۴ صدیوں سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے آپ ﷺ کے اس دنیا میں جلوہ افروز رہتے ہوئے بھی اور وفات ظاہری کے بعد آج تک اہل سنت و جماعت مسئلہ تفضیل میں کسی تردد کا شکار نہ ہوئے اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی لاریب کتاب قرآن مجید اور آپ ﷺ کے فرامین کے مطابق افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں اور فرماتے رہیں گے۔ اس مسئلہ میں کبھی بھی اہل سنت و جماعت نے اس کے خلاف قول نہ کیا اور نہ کریں گے۔ اگر کسی نے اس کے برعکس قول کیا تو کم از کم اس کا تعلق اہل سنت و جماعت سے نہیں تھا اور نہ ہوگا یعنی ابتداء سے ہی اہل سنت و جماعت افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔ اور اہل تشیع حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مانتے ہیں یعنی تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کرنے والوں کا تعلق تشیع سے ہوتا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ ۱۴۰۰ سال کے درمیان جو کام نہ ہوا وہ اب ہونے لگا یعنی تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کرنے کے لئے اہل سنت کا پلیٹ فارم استعمال کیا جانے لگا۔ یاد رکھیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے افضلیت مطلقہ کا دعویٰ کرنا اہل سنت کے عقائد سے ہرگز تعلق نہیں رکھتا۔ قارئین یقیناً انگشت بدنداں ہوں گے کہ کیا اہل سنت بھی یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں؟ تو میرے مسلمان بھائیو دراصل آج جو لوگ تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں یہ لوگ ابتداء سے ہی ایسے نہ تھے۔ شروع سے یہ لوگ بھی تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے قائل نہ تھے اور اہل سنت میں یہ کہہ کر داخل رہے کہ ہم مسئلہ تفضیل میں اہل سنت کے ساتھ ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ سوچی سمجھی سازش کے

316	عبید اللہ بن موسیٰ العباسی کا عقیدہ	
317	حسن بن صالح بن جی ہمدانی کا مذہب	
318	زیدی فرقہ کے عقائد	
319	محدث عبدالرزاق کا عقیدہ	
320	امام وکیع رحمہ اللہ اور معمر بن راشد کے کا مذہب تفضیل پر ایک تحقیق	
322	شیخ محمود سعید ممدوح کا شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصیبت کا الزام اور اس کی حقیقت	
324	سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مذہب تفضیل اور اس کا تحقیقی جائزہ	
325	محمد بن ابی سری رحمہ اللہ پر محدثین کرام کی جرح	
326	امام معمر سے مروی سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عقیدے کی تحقیق	
	دسویں باب کا جواب	
328	حدیث و اثر میں غور و خوض کا تحقیقی جائزہ	
333	قول ابن عمر رضی اللہ عنہما پر یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے اشکال کا تحقیقی جائزہ	
335	امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تحقیق	
339	علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ کی تحقیق ابن قتیبہ	
350	عبد اللہ بن عمر العمری اور محدثین کرام	
353	تفضیل میں قول علی رضی اللہ عنہ پر کلام کا تحقیقی جائزہ	
353	(مقام اول سبب)	
359	حکیم بن عبیدہ الکوفی اور محدثین کرام کی جرح	
362	عبد اللہ بن بکر الغنوی اور محدثین کرام کی جرح	
366	اثر مرقیہ پر امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی تقریر کا تحقیقی جائزہ	

سے اردو ترجمہ کرانے میں بھی تفضیلیہ ہی محرک رہے جن میں سید زاہد حسین شاہ، سید عظمت حسین شاہ، حمیدانی اور شاہ حسین گردیزی اور علی محمد حسینی اور انکے دیگر حواریین سرفہرت ہیں۔ زاہد حسین شاہ بخاری مال مقیم انگلینڈ (جو کہ خیر سے اپنے آپ کو محدث اعظم کا شاگرد بھی گردانتے ہیں) تو امام التفضیلیہ کا درجہ رکھتے ہیں اور صاحب و تلامذہین کی شان میں بھوکے کرنے میں یدِ طولی رکھتے ہیں۔ زاہد حسین شاہ کے گستاخانہ رویے کے بارے میں پڑھ کر ہو سکتا ہے کہ کسی کہ ذہن میں آئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پہلے پہل تو ہمیں بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا تھا اگر کسی کو حق الیقین حاصل کرنا ہو تو

YouTube پر Historical Agenda and Ahle bait کے عنوان کے تحت سن لیں۔

اس تقریر میں زاہد حسین شاہ نے اولیاءِ کاملین اور دیگر جید شخصیات پر کچھ اچھالا ہے۔ امام التفضیلیہ زاہد حسین شاہ کی تقریر کا ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ اس سے قبل انکے گروہ کے کچھ لوگ مسئلہ تفضیل میں غلیٹ کے قائل نظر آتے تھے اور شیخین کی افضلیت کو ظنی کہتے تھے اس تقریر میں واضح طور پر تفضیل علی کا عقیدہ بیان کر دیا۔ دراصل غلیٹ کی بحث چھپرنے کی وجہ یہ تھی کہ مناسب وقت پر تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ظاہر کر دیا جائے۔

مناسب ہے کہ زاہد حسین شاہ کی تقریر کا جواب ان صفحات پر ہی دے دیا جائے اور انکے وارد شدہ اعتراضات کا تحقیقی جواب دیا جائے۔

اعتراض: امام حن بصری کی مراہیل کیوں قابلِ حجت نہیں؟ دراصل انکا تعلق فائدانِ نبوت سے تھا انہوں نے اہل بیت کی خدمت کی ہے اس لئے ایک فاضل ایجنڈے کے تحت امام حن بصری کی مراہیل کو محدثین کرام حجت نہیں مانتے جو کہ بغضِ اہل بیت کا واضح ثبوت ہے۔ (العیاذ باللہ)

جواب: کاش کہ زاہد حسین شاہ اگر صاحبِ مطالعہ ہوتے تو انہیں اس اعتراض کے کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ دراصل مراہیل کے معاملہ میں علماءِ حدیث کے مختلف طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو کہ مراہیل کو بالکل قبول نہیں کرتا اور نہ ہی مراہیل کو حجت مانتا ہے جبکہ ایک طبقہ اسکے برعکس ہے اور ایک تیسرا طبقہ وہ ہے جو مراہیل کو حجت مانتا ہے مگر شرائط کے ساتھ۔

تو جس طبقہ کے نزدیک مراہیل قابلِ قبول نہیں وہ امام حن بصری اور دیگر تابعین کی مراہیل کو قبول نہیں کرتا اس میں صرف امام حن بصری کی تخصیص نہیں۔ اگر تفضیلیہ کو تخصیص کی اطلاع ہے تو ہمیں بھی مطلع کریں۔ اور جس طبقہ کے نزدیک شرائط کی قید ہے وہ مراہیل کو شرائط

تحت ان لوگوں نے مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کی کوشش کی جس سے عوام تو عوام خواص بھی انکے دامِ فریب میں مبتلا ہو گئے۔ جبکہ علماءِ اہل سنت مسلسل اپنی اس سازش سے آگاہ کرتے رہے ایک مخصوص مدت کے گزرنے کے بعد اس گروہ کے لوگوں نے تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کر دیا۔

تصویر کا دوسرا رخ

گذشتہ چند سالوں سے پاکستان اور برطانیہ میں تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے عقیدے کا بڑا شد و مد سے پرچار کیا جا رہا ہے۔ دراصل یہ ایک مخصوص ٹولہ ہے جو پہلے پہل اس بات کا مدعی ہوا کہ ”مسئلہ تفضیل میں کوئی بھی حرف آخر موجود نہیں۔ مسئلہ تفضیل میں تعارض ہے لہذا یہ مسئلہ ظنی ہے“ حالانکہ اہل سنت قطعیت کے قائل ہیں۔ علماءِ اہل سنت اس بات پر حیران تھے کہ اہل سنت کے معتقدات میں سے یہ مسئلہ قطعی ہے تو پھر اس مسئلہ پر غلیٹ کا قول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ دور اندیش اور صاحبِ نظر علماء کرام اسی وقت قول کو آگاہ کر چکے تھے کہ یہ سب سلسلہ شیعہ کو تقویت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔

کتب عقائد میں سے عبارات کو جوڑ توڑ کر اور قطع و برید کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دامِ فریب میں لانا اس ٹولے کا اہم ترین مشغلہ ہے جبکہ علماءِ اہل سنت کا سامنا کرنے کی بالکل ہمت نہیں رکھتے۔ بہر حال علماءِ اہل سنت کی غفلت کے پردے اس وقت اٹھ گئے جب یہ پتہ چلا کہ مسئلہ تفضیل میں دہل و فریب سے دہل اندازی امام الطائفہ شیخ التفضیل محمود سعید ممدوح کی کتاب غایۃ التبجیل کے سے جاری ہے۔

محمود سعید ممدوح شیعہ کی کتاب کی طباعت سے پہلے مسئلہ تفضیل میں اہل سنت و جماعت کے پلیٹ فارم کو استعمال کر کے تفضیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دعویٰ کبھی نہیں کیا گیا مگر افسوس صد افسوس کہ محمود سعید ممدوح کی چلی گئی چال میں کچھ سنی علماء بھی پھنس گئے اور بڑی شد و مد سے اس کے حواری بن گئے اور المودع مع امن احب کے مصداق ہوئے۔ دراصل جو لوگ محمود سعید ممدوح زیدی کی سازش کا شکار ہوئے یہ پہلے ہی اس انتظار میں تھے کہ اہل سنت و جماعت کے نام پر شیعیت کو فروغ دیا جائے۔ چونکہ محمود سعید شیعہ کی کتاب عربی زبان میں ہے اس کتاب کو عربی

کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

امام حسن بصری کی مراد ایل کے قول نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اس معاملہ میں مختلف ہیں کہ وہ صحابہ سے ملے یا نہیں؟ اور اگر ملے تو ان سے سماع کیا یا نہیں؟ اس معاملہ کی جانچ پڑتال یہ ہے کہ تلمیذ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ما حدثنا الحسن بن احمد من اهل بدر مشافهة.

(المعرفۃ والتاریخ ج ۲ ص ۳۵، رقم ۷۷۶، مراد ایل ابن ابی مامہ رقم: ۹۵)

یعنی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بدری صحابی سے بالمشافہ روایت نہیں کی۔

اور یوں ہی المجروحین ج ۲ ص ۱۶۲ پر ہے۔

الحسن ما رای بدویا قط خلا عثمان بن عفان یعد فی البدویین

ولم یشاہد بدویاً.

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بدری صحابی کو نہیں دیکھا سوائے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

کے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بد میں شامل نہ تھے۔

جبکہ اس موقف کے برعکس امام حسن بصری سے بدری صحابہ کرام سے ملاقات کا تذکرہ ملتا

ہے۔ ان روایات کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ کریں تاکہ حقائق واضح ہو سکیں۔

۱۔ امام علقمہ بن مرثد رحمۃ اللہ علیہ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد) سے روایت ہے۔

ان الحسن قال والله لقد ادرکت سبعین بدویاً. (علیہ الاولیاء ج ۲ ص ۱۳۳)

بے شک امام حسن بصری نے کہا کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا۔

اس روایت میں امام حسن بصری کا ستر بدری صحابہ سے روایت تو بیان ہوئی مگر کیا اس

روایت کی سند بھی قابل قبول ہے؟ تحقیق کی روشنی میں یہ روایت قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی سند

میں ایک راوی یحییٰ بن سعید العطار ضعیف بلکہ شدید ضعیف ہے۔

امام یحییٰ بن معین نے کہا منکر الحدیث المجروح والتعدیل ج ۹ ص ۱۵۲

جو زبانی نے کہا منکر الحدیث کامل ابن عدی ج ۷ ص ۱۹۳

علامہ عقیلی نے کہا منکر الحدیث الضعفاء ج ۲ ص ۴۰۳

علامہ ساجی نے کہا منکر الحدیث تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۱

اور اسی طرح اس روایت میں ایک راوی یزید بن عطاء الشکری کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے

تقریب التہذیب، رقم: ۷۷۶ پر لین الحدیث کہا ہے۔

۲۔ امام حسن بصری سے ایک روایت مروی ہے۔

صلبت خلف ثمانية وعشرين بدویاً.

(تاریخ کبیر ج ۳ ص ۱۶۵، کامل ابن عدی ج ۳ ص ۲۳)

اس روایت کی سند میں خالد بن عبد الرحمن البصری ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے

میں فرماتے ہیں۔

متهم بالوضع، كذاب، مفضوح. (لسان المیزان ج ۳ ص ۷۹)

۳۔ امام شعبی نے اپنی کتاب کشف البیان میں ایک روایت بیان کی ہے کہ

قال ادرکت ثلاث مائة من اصحاب النبی ﷺ منهم سبعین

بدویاً.

یعنی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے تین سو صحابہ کرام کو پایا جن میں ستر بدری صحابی

تھے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی کثیر بن مردوان ہے اس کے بارے میں امام یحییٰ بن

معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شدید الضعف، متهم بالكذب. (تاریخ ابن معین، رقم: ۴۹۹)

اسی طرح مذکورہ روایت کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن یزید آدم دمشقی ہے۔ امام احمد

بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (المجروح والتعدیل ج ۲ ص ۱۹۷)

۴۔ ابن ندیم نے الفہرست میں نقل کیا ہے کہ

ان الحسن سمع من سبعین بدویاً. (الفہرست لابن ندیم ص ۲۳۵)

یہ حوالہ بھی قابل حجت نہیں کیونکہ اول تو ابن ندیم اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی درمیان صدیوں

کا فاصلہ ہے ان کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔ مزید یہ کہ ابن

ندیم کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الوارق، المعتزلی، الرافضی لکھا ہے۔ (لسان المیزان ج ۵ ص ۷۷)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ بعض محدثین کرام نے مراسل کے معاملہ میں تقابل کو مدنظر رکھا۔

جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء کی مرسل، حسن بصری رحمہ اللہ کی مرسل سے زیادہ بہتر ہے۔ (کتاب الام ج ۳ ص ۱۸۸)

یوں ہی امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء کی مرسل حسن بصری کی مرسل سے زیادہ بہتر ہیں۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۲ ص ۱۱۶۰)

جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ عطاء اور حسن بصری دونوں کی مرسل حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی مرسل سے بہتر نہیں۔ (المعروف والتاریخ ج ۳ ص ۲۳۹)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی مرسلات کے عدم قبول اور اسکے سبب پر ارشاد فرماتے ہیں:

مرسلات سعید بن المسیب اصح مرسلات و مرسلات

ابراہیم النخعی لا بأس بہا، ولیس فی المرسلات شیء

اضعف من مرسلات الحسن و عطاء بن ابی رباح فانہما یاخذان

عن کل احد۔ (المعروف والتاریخ للرفعی ج ۳ ص ۲۷۳)

یعنی امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی مرسلات صحیح ترین ہیں اور مرسلات ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کوئی حرج نہیں۔ اور مرسل میں سب سے زیادہ ضعیف امام حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح کی مرسل ہے کیونکہ یہ دونوں کسی (ضعیف، مذہب، مجہول) سے روایت لیتے تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ بھی اس مسئلہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

من ضعف المرسل فأنه ضعف من قبل ان هؤلاء الأئمة حدثوا

عن الثقات و غیر الثقات فاذا روئی احدهم و ارسله لعلہ

اخذہ عن غیر ثقة قد تکلم الحسن فی معب الجھنی ثم روی

عنه۔ (شرح علی ابن رجب ص ۵۳۶)

امام حسن بصری رحمہ اللہ کی مرسلات کے عدم قبول پر ابن جریر طبری کا قول بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کی اکثر روایات مجاہیل سے ہیں۔

(تہذیب الآثار منہ فی ابن ابی طالب رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۱۳)

ایک اور مقام پر ابن جریر طبری کا قول کچھ یوں ہے کہ امام حسن بصری بہت بڑے عالم فقیہ اور قاری تھے انکے صدق میں کوئی شک نہیں لیکن ان کی مراسل اکثر مجاہیل سے ہیں۔

۴۱ سلسلہ میں امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کان الحسن لایبالی ان یروی الحدیث من سمع

(معالم السنن ج ۲ ص ۷۳ تحت رقم الحدیث: ۱۱۷۲)

یعنی امام حسن بصری رحمہ اللہ اس بات کی کوئی پروا نہ کرتے کہ وہ کس سے حدیث سن رہے ہیں۔ امام حسن بصری کے مرسلات کے عدم قبول کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آپ کے شیوخ میں سے مجاہیل بھی ہیں۔

زائد چہن شاہ اور انکے حواریوں پر افسوس صد افسوس کہ معاملہ کی تحقیق کئے بغیر محدثین کرام پر حکومتی ایجنڈے کے تحت کام کرنے اور اہل بیت کے مخالف ہونے کا الزام لگایا۔ اب بھی وقت ہے ان غلط باتوں سے چھکارا پیا کر اہل سنت کے گرد و میں داخل ہو جائیں اور اگر جواب دینا چاہیں تو راقم گیلانی منتظر ہے۔ امام حسن بصری کی مرسل کے عدم قبول پر چند سطور آپ نے ملاحظہ فرمائیں جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا مراسل کے معاملہ میں محدثین کرام کے مختلف اقوال ہیں لہذا ایسا ہرگز نہیں کہ کسی ایجنڈے کے تحت یا بغض اہل بیت کی وجہ سے امام حسن بصری کی مراسل کو مطلقاً قبول نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ زاہد حسین شاہ نے بتانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ درج ذیل محدثین کرام نے شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے مراسل امام حسن بصری کو قبول بھی کیا ہے۔

امام عطاء بن یساف نے شکل الآثار ج ۵ ص ۱۰۳ پر

امام ترمذی رحمہ اللہ نے علی صغیر ج ۵ ص ۷۵۳ پر

ابن رجب رحمہ اللہ نے شرح علی ترمذی ص ۵۳۶ پر

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ابن ابی الدنیا کی کتاب المرض والحفارات ج ۲ ص ۲۸ پر

امام شافعی رحمہ اللہ نے العکس علی ابن الصلاح رحمہ اللہ ج ۱ ص ۵۹۳

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے البدیع فی اصول الفقہ ابی یعلی ج ۳ ص ۹۲۳

امام سبکی بن معین رحمہ اللہ نے تاریخ ابن معین، رقم: ۴۲۴۸ پر

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے شرح علی المرتضیٰ ص ۵۳ پر
امام ابو زرہ الرازی رحمہ اللہ نے الکامل ابن عدی ج ۱ ص ۱۳۲ پر
امام سخاوی رحمہ اللہ نے المقاصد الحسنہ رقم: ۳۸۴ پر
امام ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے علیہ الاولیاء ج ۶ ص ۱۶۵ پر
امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے التمشید ج ۱ ص ۳۷ پر مایل امام حسن بصری رحمہ اللہ کو قبول کیا ہے۔

ذرا نظر گذشتہ صفحات پر دو زائے تو معلوم ہو گا مذکورہ ائمہ میں سے وہ بھی ہیں جو مایل امام حسن بصری رحمہ اللہ پر جرح کرتے ہیں۔ جو مایل شرائط پر پوری اترتی ہیں محدثین نے انہیں قبول کیا بصورت دیگر عدم قبول کو مد نظر رکھا۔ افسوس زاہد حسین شاہ پر جنہوں نے محدثین کرام کی ذات کو مشکوک کرنے کی کوشش کی۔

اعتراض: سید زاہد حسین شاہ نے دوران تقریر ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک روایت اس لئے بیان نہیں کرتا کہ حجاج بن یوسف سے ڈرتا ہوں۔ سر قلم ہو جائے گا۔ (اس اعتراض کے درمیان یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جو بات امام حسن بصری رحمہ اللہ نے حجاج بن یوسف کے ڈر سے بیان نہیں کی اس کا تعلق فضائل مولیٰ علی المرتضیٰ رحمہ اللہ یا فضائل اہل بیت سے تھا۔)

جواب: زاہد حسین شاہ اور ان کے حواریں پر قیامت تک یہ قرض ہے کہ (قلم ہو جائے گا کے الفاظ روایت میں دکھائیں۔ بصورت دیگر علی الاعلان تو یہ کریں۔ وہ امام حسن بصری رحمہ اللہ جو مولیٰ علی المرتضیٰ کے علوم کے فیض یافتہ ہیں، جو سلاطین طریقت کے پیروا ہیں ان کے بارے میں ایسی خرافات آپ کو ہی مبارک ہوں۔

امام حسن بصری سے مروی اس قول کی سند میں ایک راوی علیہ بن محارب ہے جس کو الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۶ پر محمول لکھا ہے۔

اس سند کا دوسرا راوی شامہ بن عبید ہے۔ اس راوی کو الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۶ پر کذاب لکھا ہے۔

اس قول کی سند میں تیسرا راوی محمد بن موسیٰ بن نصیح ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب

الاعتذار رقم: ۶۳۳۸ پر کمزور اور ضعیف راوی لکھا ہے۔

امام حسن بصری سے مروی قول کی سند میں ایک راوی محمد بن حنفیہ الواسطی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان ج ۵ ص ۵۰ پر یس بالقوی لکھا ہے۔

قارئین کرام! ایسے کمزور ضعیف اور کذاب راویوں سے روایت پیش کر کے سید زاہد حسین شاہ نے مسلمانوں کے ایمان پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

اعتراض: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو حصے حاصل کئے، اگر دوسرا حصہ بتا دوں تو میرا لگا کاٹ دیا جائے۔ دراصل وہ انجینٹ سے ڈرتے تھے۔ (یہ تاثر دینے کی کوشش کی دوسرا حصہ جو بیان نہ کیا اس میں فضائل اہل بیت تھے یا یہ کے خلاف روایات تھیں)

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ زاہد حسین شاہ کا عقیدہ صحابہ کرام کے بارے میں کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے مگر اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی بھی صحابی خوف خدا کے علاوہ کسی کا خوف نہیں رکھتے تھے۔

کاش زاہد حسین شاہ اپنے مطالعہ کو مزید وسیع کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جس علم کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں یہ علم ان واقعات سے متعلق تھا جو ۶۰ھ کے بعد رونما ہونے والے تھے اور وہ ایسے امور تھے جو عقل کے ادراک سے بلند و بالا تھے اور ان کا تعلق احکام سے نہ تھا۔ جن روایات کا تعلق احکام سے تھا وہ بیان فرما چکے تھے اور علم کا دوسرا حصہ اس لئے بھی بیان نہیں کیا کہ کہیں لوگ اسے جھٹلا نہ دیں۔ جیسا کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان عالیشان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں سے دین کی وہ باتیں کہ جو نہ سمجھیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام جھٹلا دیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳)

اسی سلسلہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ بھی مشعل ہدایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اس حال میں ملے کہ وہ دنیا میں شرک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائے گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں کو یہ فرمان عالیشان نہ بتا دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ اس پر بھروسہ نہ کریں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کب کہا کہ میں مکران سے ڈرتا ہوں یہ حال ثابت کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔

زابد حین شاہ کی تقریر سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کرام کے فضائل مکرانوں کے ذریعہ سے بیان نہیں کیے۔ کیا زابد حین شاہ صاحب کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول پر اطلاع نہیں ہے کہ جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مقام پر امام حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا کہ میں اس شخص (امام حسن رضی اللہ عنہ) سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں۔ (مسند کرام، ص ۳۹۷)

اور اس روایت کی تحقیق میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کی توثیق کی ہے۔ اسی تقریر کے دوران سید زابد حین شاہ صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت کے مکرانوں سے ڈرتے تھے اور ان کے خفیہ ایجنڈے پر عمل کرتے تھے۔ مگر سید زابد حین شاہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور دلیری کے بارے میں کیا فرماتے تھے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت دلیر تھے۔ وہ دلیری کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں پوچھتے جو ہم نہ پوچھ سکتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۲۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دلیری اور صداقت اور راست بازی کے بارے میں ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا۔ وہاں پہلے ۱۰۰۰ درہم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اس کے جواب میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مکران کے سامنے سچ کا بیان بے باکی سے کیا۔ اور کسی قسم کو خوف محسوس نہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان سے یہ معاملہ اس وقت کا ہے جب انھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معزول کیا تھا۔ (طبقات النبی ج ۳ ص ۳۳۵)

بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں بحال کیا مگر پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری کی وجہ سے اس عہدے کو قبول نہ کیا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت پر دلیل ایک دوسرا اہم واقعہ بھی ہے۔ جب حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے اجازت چاہی۔ اور خواہش کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان کا مخاطب ہو کر کے فرمایا: تم نہیں غلیفہ دوسرا ہے، تم ایسے کاموں میں دخل دیتے ہو جو تمہارے لئے مناسب نہیں ہیں۔ (الاصابح ج ۲ ص ۲۰۹، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۸)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرات اور بہادری کے باوجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے علم کا وہ حصہ بیان کیوں نہیں فرمایا؟

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے درست کہا کہ اگر وہ لوگوں کو یہ بتاتے کہ خدا کا گھروں میں ان ہو جائے گا یا اہل چائے کا تو فطرہ عقیدت سے ان باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ عینا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ما حدث احدکم قوماً بحديث لا يفهمونه الا كان فتنه عليهم۔

(احادیث السادة الزبیدی ج ۱ ص ۲۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے علم کا جو دوسرا حصہ بیان نہ فرمایا، اس کے کچھ اشارے ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ملتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً فتنے پابھوں گے جس میں بیٹھا ہو شخص کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا کوشش کرنے والے سے بہتر ہوگا جس کو بھی ایسے واقعات کا سامنا ہو تو دبانے کی کوشش کرے اور جس کو پناہ اور امن کی جگہ نظر آئے تو پناہ چکڑے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۸)

اگر اس صورت حال میں لوگ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیتے تو کیا نتیجہ ہوتا، اس کا جواب بھی انتہائی تلخ ہے اور پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ ایسے معاملات کو دبانے کی کوشش کی جائے تو ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے بیان نہ کیا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے علم کے حصہ کو بھی بیان کیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عرب، اس شہر سے آگاہ رہو جو جلد آنے والا ہے۔ کامیاب ہو جوگا جس نے اپنے ہاتھ کو باندھ کر رکھا۔ (سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۲۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھ ہوگی۔ مروان نے پوچھا لڑکوں کے ہاتھوں سے؟ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو میں انکے نام بیان کروں؟ بنو فلان بنو فلان۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۰۶۵)

یوں ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قریش کا ایک قبیلہ لوگوں کو بکارت کر دے گا۔ صحابہ نے پوچھا ایسی صورت میں ہمیں کیا حکم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش لوگ ان سے جدا رہیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۰۶۸)

بہر حال جو علم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ظاہر نہ فرمایا اس کا تعلق فتوں سے تھا نہ کہ زہد شاہ صاحب کی خوش فہمی (کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حکمرانوں سے ڈرتے یا اپنی جان کی پرواہ کرتے تھے یا حکمرانوں کے ایجنڈے پر عمل کرتے تھے) کے مطابق تھا۔ (استغفر اللہ العظیم)

اعتراض: امام بخاری رضی اللہ عنہ نے آئمہ اہل بیت سے احادیث نہیں لیں۔

جواب: سید زہد حسین شاہ صاحب اور انکے حواریین اہل تشیع کی راہ پر چلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے خالی نہیں جانے دیتے۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ زہد حسین شاہ صاحب نے صحاح ستہ کا مطالعہ بھی نہیں کیا۔ اگر کیا تو حضور محدث اعظم رضی اللہ عنہ کے فیضان سے یکسر محروم ہو چکے ہیں۔ کاش کہ آپ محدث اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ رہتے تو

یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا!

یہ معلوم نہیں کہ سید زہد حسین شاہ صاحب اہل بیت میں کن کن ہستیوں کو شامل کرتے ہیں؟ مگر میرے مطالعہ کے مطابق امام بخاری رضی اللہ عنہ نے آئمہ اہل بیت سے روایات لیں ہیں، جس کی تحقیق پیش خدمت ہے۔

امام بخاری نے حضرت علی المرتضیٰ سے روایات لی ہیں۔

امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایات لی ہیں۔

امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایات لی ہیں۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کئی روایات لی ہیں۔

صحاح ستہ میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایات موجود ہیں۔

امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ادب المفرد میں روایت لی ہے۔

امام موسیٰ بن کاظم رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی اور ابن ماجہ رضی اللہ عنہ نے روایات لی ہیں۔

امام علی بن موسیٰ الرضا رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ رضی اللہ عنہ نے روایات لی ہیں۔

آئمہ حدیث کو سزاوار ٹھہرانے سے پہلے کم از کم اتنا ضرور دیکھ لیتے کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنے استاد امام ذہبی رضی اللہ عنہ سے اپنی صحیح میں روایت نہیں لی، تو کیا امام بخاری رضی اللہ عنہ کو اپنے استاد سے بغض تھا یا اس میں بھی بقول آپ کے کوئی ایجنڈہ کارفرما تھا۔ امام مسلم رضی اللہ عنہ نے اپنے استاد امام بخاری رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت اپنی صحیح میں نہیں لی۔

امام ابو زرہ رضی اللہ عنہ کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کم از کم ایک لاکھ چودہ ہزار ہے جبکہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے کم و بیش ۱۰۰ کے لگ بھگ صحابہ سے روایات لی ہیں۔ اگر مذکورہ جواب کو آپ سوال سمجھیں تو راقم گیلانی غفرلہ منتظر جواب ہے کہ ان آئمہ حدیث نے تو اپنے اساتذہ سے بھی روایات نہیں لیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم الرضوان سے بھی صرف ۱۰۰ صحابہ سے روایات لیں۔

اعتراض: امام مالک نے موطا میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایات نہیں لیں۔

جواب: یہاں بھی سید زہد حسین شاہ صاحب نے اپنی روایت کو برقرار رکھا اور بے جا امام مالک رضی اللہ عنہ پر بزدل ہونے کا الزام دھرا اور حیرانگی اس بات کی ہے کہ خود ہی معترف بھی ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بازو بچ بات کہنے پر اکھڑا ہے، تو کیا ایسا کرنا بزدلوں کا شیوا ہوتا ہے۔ بہر حال موطا امام مالک رضی اللہ عنہ نسخہ یحییٰ لیثی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ۲۵ روایات موجود ہیں۔

اعتراض: امام نخعی رضی اللہ عنہ اور امام علقمہ حنفی مذہب کے بانی ہیں۔ یہ اپنے استاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

جواب: امام نخعی رضی اللہ عنہ مذہب حنفی کے بانی کب سے ہوئے، اگر آپ کے مطابق مذکورہ حضرات اگر مذہب حنفی کے بانی ہیں تو اس کا ثبوت فراہم کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ تلامذہ افضلیت مطلقہ کے قائل ہیں اس کا ثبوت فراہم کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ جس سے آپ کبھی بھی بکدوش نہیں ہو سکتے۔ اور اگر پیش کردہ قول آپ کے نزدیک درست ہے تو پھر خود کیوں نہیں مانتے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل کیوں نہیں ہو جاتے؟

اعتراض: حدیث گھڑی گھی ہے اسکی کوئی اصل نہیں، قیامت تک اس کا جواب کوئی

نہیں دے سکتا اس حدیث کی سند نہیں۔

جواب: حدیث مرفوعہ والی حدیث غایۃ التعمیل مترجم ص ۳۲۴ پر ہے کہ ابوالحق فزاری نے ثابت نہ کے ساتھ اور انکی سند سے خلیفہ بغدادی نے الکفایۃ میں نقل کیا ہے اور شاید آپ یہ بھول رہے ہیں کہ غایۃ التعمیل پر آپکی تحریر تائید موجود ہے۔ غایۃ التعمیل کے تعریفی پل باندھتے وقت یہ اعتراض مد نظر کیوں نہ رہا؟ اب اس بات کا تعین آپ نے کرنا ہے کہ آپ کی تائیدی تحریر صحیح ہے یا شیخ محمود سعید مدوح کی تحریر؟

اعتراض: شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ میری بصیرت یہ کہتی ہے کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم افضل ہیں لیکن مجھے مجبور کیا گیا ہے اس لیے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتا ہوں۔ وہی مجبوری کہ لوگ شیعہ کہیں گے۔

جواب: زابد شاہ صاحب کا یہ رویہ انکو اور انکے حواریین کو لے ڈوبی اگر سنیت کی آنکھ سے دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت نہ دیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ماننا بھی اسبند ہے تو

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے

امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

اعتراض: شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مولیٰ علی افضل ہیں اور ملا علی قاری کی زندگی کی آخری کتاب شمع العواض میں بھی لکھا ہے۔

جواب: شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہاں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں؟ اس کا جواب بھی قیامت تک ادھار رہے گا۔ اور شمع العواض ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی آخری کتاب ہے اس کی نشاندہی بھی آپ ہی فرمائیں گے یا اپنے جھوٹے ہونے کا اعلان کریں گے۔ کیوں کہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ شمع العواض ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔

اعتراض: بڑے بڑے لوگوں نے تفصیل علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کام کیا مثلاً سید علی ہمدانی نے تفصیل علی پر کتاب لکھی۔ پیر معروف حسین شاہ صاحب بھی تفصیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں۔

انکے جہ امجد شریف احمد شرافت نوشاہی نے کتاب فضائل قادریہ میں تفصیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ذکر کیا ہے۔

جواب: سید علی ہمدانی نے کتاب میں انصافیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کس مقام پر کیا ہے؟ افسوس کہ افسوس اس غلط بیانی پر۔ پیر معروف شاہ نوشاہی صاحب نے دو ان گفتگو بتایا کہ وہ مسلک اہل حضرت پر سختی سے کاربند ہیں اور رہیں گے۔ ان کے تمام عقائد وہی ہیں جن پر اہل حضرت نے مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے اور انہوں نے کتاب فضائل قادریہ دوبارہ نہیں چھپوائی اور نہ ہی اس کتاب میں انصافیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

اعتراض: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت کے ناموں پر کسی نے نام نہیں رکھے اور یہ بھی اسبند سے کے تحت ہوا۔

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت کے نام پر علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نام علام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاکشف رقم: ۳۸۷۱ تا رقم: ۳۹۸۰ ملاحظہ کیجئے۔ ۱۰۰ سے زائد نام ہیں۔ کیا آپ کو مطالعہ کرنے کی اتنی بھی فرصت نہیں کہ مذکورہ حوالہ میں اہل بیت اطہار کے ناموں کو اعتراض کرنے سے پہلے ملاحظہ فرما لیتے۔

جناب سید زابد حسین شاہ صاحب اپنی پوری تقریر کے دوران اسبند سے کالفاظ لاپتہ رہے مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کون سا اسبند تھا جس کی طرف اشارہ کرتے رہے اور کس کا طے کیا ہوا اسبند تھا؟ کیا کسی ایک شخص نے اس اسبند سے کو طے کیا یا بعض افراد نے یا پوری امت اس اسبند سے میں ملوث تھی؟

(نوٹ: زابد حسین شاہ صاحب کی تقریر میں کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات مکمل ہوئے) تفصیلیہ نے انتہائی چالاکئی سے اہل سنت کے سادہ لوح عوام کے اذہان میں یہ راسخ کرنے کی کوشش کی کہ مسئلہ تفصیل میں اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل مانا جائے تو اس سے کوئی بھی حرج نہیں ہوتا۔ مسلمانو یاد رکھو یہ نامولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو تمام صحابہ سے افضل ماننے والا تفصیلی ہے اور تفصیلی بالاتفاق اہل سنت سے خارج ہے۔

جوابی کتاب لکھنا ایک اہم ذمہ داری ہے اور خصوصاً یہ ذمہ داری اسوقت بہت بڑھ جاتی ہے جب کتاب میں قطع و برید اور دہس سے کام لیا گیا ہو۔ چونکہ غایۃ التعمیل میں صاحب کتاب نے انتہائی

مکاری سے اہل سنت کے علماء کے حوالہ جات قطع و برید سے پیش کئے ہیں۔ اور بعض مقامات پر ان لوگوں کو اہل سنت بنا کر پیش کرنے کو کوشش کی ہے جن کا تعلق دور سے بھی اہل سنت سے نہیں۔ اس صورت حال میں جو ابی کتاب کا لکھنا ایک ایک اہم ترین ذمہ داری ہے۔ ایک طرف مصنف کی مکاری و عیاری کی نشاندہی کرنا پڑتی ہے اور دوسری جانب قطع و برید کو واضح کرنا پڑتا ہے جو کہ ایک عظیم بارگراں ہے۔ مگر میں اس وقت انگشت ہنداں ہو گیا جب غایۃ التبجیل کا رد ایک سنی راخ العقیدہ جناب فیصل خان کے ہاتھوں سے لکھا ہوا پڑا۔ جناب فیصل خان کے قلم کی دھار کتاب کی صورت میں دیکھتا گیا اور حیرت کی وادیوں میں گم ہوتا پڑا۔ یا اور سوچتا رہا کہ یا خدا ایسا کیا مارجا ہے کہ تفضیلیہ کی کمر پر سون کا پہاڑ گر گیا ہے۔ آخر بے ساختہ پکار اٹھا۔

یہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدد کے سینے میں غار ہے
کے چارہ جوئی کا دار ہے کہ یہ وار دار سے پار ہے

اور اپنے ان خیالات کا اظہار موصوف سے بھی کیا تو موصوف بے ساختہ اثبات میں سر ہلانے لگے اور مسکرا کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کے فیضان کا ذکر کرنے لگے۔ جی ہاں یہ اکابرین اہل سنت کا ہی فیضان ہے کہ فیصل خان صاحب تفضیلیہ کے ہر دہل و فریب کا دندان شکن جواب دے رہے ہیں۔ کاش ہمارے علمائی خطباء اور عوام اہل سنت جناب فیصل خان صاحب کی کتب سے بھرپور استفادہ کریں اور دوسرے لوگوں کو اس کی ترغیب دلائیں۔

اس موضوع پر جناب فیصل خان صاحب کی دو کتابیں اس سے قبل بھی آچکی ہیں جنہیں اہلسنت کے حلقوں میں انتہائی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی کتابوں کو ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

فقط غبار راہ در بتول

ابو تراب سید ذوالفقار گیلانی رضوی



سبب تالیف

افسوسیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل سنت و جماعت کے مسئلہ عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے۔ جس پر ماسوائے روافض اور نام نہاد سنی (تفضیلی) حضرات کے کسی بھی مسئلہ شخصیت نے اعتراض کرنے کی جرأت نہ کی۔ لیکن گذشتہ چند سالوں سے مسئلہ افسوسیت شیخین جو کہ اہل سنت و جماعت کا منفقہ عقیدہ ہے پر اعتراضات کرنے کی سعی لا حاصل کی گئی جس سے عوام و خواص میں ایک تشویش کی لہر دوڑنا ایک فطری امر تھا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی شیخ محمود سعید مددوح کی کتاب غایۃ التبجیل کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ راقم کو اس کتاب کے مطالعہ کا موقع تقریباً ایک سال قبل ملا اور یہ کتاب اس وقت اردو ترجمہ کی صورت میں شائع نہ ہوئی تھی۔ چونکہ اس کتاب کو عوام کے ہاتھ میں آنا اس وقت محض ایک ناپختہ خیال تھا لہذا راقم نے اس کتاب کے حوالہ جات اور معروضات پر اپنی تحقیق کو منظر عام پر لانا مناسب نہ جانا۔ لیکن چند ماہ قبل جب راقم کے بعض مخلص دوستوں نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کے منظر عام پر آنے سے قبل اطلاع دی تو راقم نے اس سلسلہ میں اہل سنت و جماعت کے چند اہل علم شخصیات کی توجہ اس طرف مبذول کروانا مناسب جانا کہ ایسی کتب کو منظر عام لانے سے اہل سنت کا شیرازہ مزید مکھرنے کا امکان ہے۔ لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب راقم کو کچھ ایسے تانشی کلمات سے نوازا گیا کہ شیخ محمود سعید مددوح کی کتاب ایک تحقیقی کتاب ہے اس کو منظر عام پر آنا چاہیے۔ مزید برآں یہ کہ آپ کو اس مسئلہ میں کیا تکلیف ہی۔ راقم حیراں تھا کہ اگر اہل سنت و جماعت کی اہل علم شخصیات اس فکری ترجمان ہیں تو اہل سنت و جماعت کے مستقبل کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ایسے مسائل پر امت تو بالاتفاق ایک نظریہ و سوچ کی حامل ہے۔ ایسے مسائل کو جدید اور نئی تحقیق کا نام لے کر اعتراضات کرنے کی سعی کوئی قابل تحسین امر نہیں۔

مگر جب کتاب شائع ہوئی تو مزید حیرانی ہوئی کہ اس کتاب کا ترجمہ کراچی کے ایک نامور عالم جناب شاہ حسین گردیزی صاحب کے شاگرد عزیز جناب محمد علی حسینی صاحب نے کیا ہے۔ محمد علی حسینی صاحب سے جب رابطہ کیا تو انھوں نے کہا کہ اس مسئلہ پر میرا مطالعہ نہیں میں نے تو صرف کسی کی فرمائش پر اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ یہ سن کے تشویش ہوئی کہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے شخصیات کو کیا ہو گیا ہے؟ میں جب اس کتاب کو ترتیب دے رہا تھا تو معلوم ہوا کہ غایۃ التبجیل کو شائع

کروانے کی تحریک جناب سید عظمت حسین شاہ صاحب راول پنڈی کی مرہون منت ہے اور اس کے ترجمہ کرانے سے لے کر اس کتاب کو شائع کروانے تک جناب سید عظمت حسین شاہ صاحب کا اہم کردار ہے۔ غایۃ التبجیل میں سید نابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی مجہ کر عوام الناس میں اس مسئلہ کو مشکوک کیا اور مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے بعد اپنے اصل مدعا کی طرف لوگوں کو مائل کیا ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح ص ۳۳۴ مترجم اہل حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کا اقرار کرتے ہوتے لکھتا ہے:

”بے شک حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے بعد لوگوں میں افضل تھے تو واجب ہے کہ اسی طرح سیدنا علی بھی نبی کریم ﷺ کے بعد دلالت المطابقت کی رو سے سب لوگوں سے افضل ہوں۔“

شیخ محمود کی طرح پاکستان میں بھی چند لوگوں کا یہ و طیرہ ہے کہ لوگوں کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل کہے تو اسے اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔

اس کے جواب میں اتنا عرض کر دوں کہ اگر آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ موسیٰ علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور کو افضل ماننے سے اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا تو پھر آپ لوگ حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کا اقرار عوام الناس کے سامنے کرنے سے سکتا ہے کیوں میں؟ اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو بھی مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتا ہے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں وارد شدہ روایات اور احادیث کا رد اور تاویل کرتا ہے۔ جس کا بنی ثبوت شیخ محمود سعید ممدوح کی کتاب غایۃ التبجیل ہے۔ اس کتاب میں ہر جگہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت والی روایات پر ہاتھ صاف کیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو عوام الناس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا راگ الاپتے ہیں اور مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتے نظر آتے ہیں۔ مگر اپنی محفلوں میں سیدنا علی المرتضیٰ کو افضل ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اس دو غلے رویہ پر سید میر عبد الوہاب بلگرامی کے مندرجہ ذیل الفاظ بالکل صحیح منطبق ہوتے ہیں۔

آخر یہ اہل بدعت و ضلالت وہی تو فرقہ ہے جو اپنے آپ کو اسلام کے لباس میں، محض دھوکہ دہی کی خاطر ظاہر کرتا ہے اور اپنے خراب عقیدوں کو سینے میں چھپائے رکھتا ہے اور ظاہر میں مسلمانوں میں گھلامار بٹتا ہے اور خود کو حق آگاہ عالموں کی صورت میں ظاہر کرتا ہے اور جب موقع پاتا

ہے ایمانی عقیدوں کو بگاڑنے اور اسلامی ستونوں کو ڈھانے کے لیے نئی بنیاد قائم کرتا ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کے پاک دلوں کو فطری پاکئی سے پھیر دیتا ہے۔ خود کو اسلامی سپر کے پردہ میں چھپاتا اور مخلوق خدا کی نظروں سے چھپ کر لوگوں کو بدعت کی دعوت اور مگر ایہی کی جانب بلاتا ہے اور یہ اسلام کے سادہ دل مسلمان جو نیک اور بد اور سنت و بدعت کو نہیں پہنچا سکتے۔ ان کی فصاحت بھری عبارتوں اور بلاغت سے پر لکھوں پر، بھول کر دین کے دشمن اور شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں اور جب علماء دین اور بزرگان اسلام کے علم کی روشنی سے ان کی گمراہی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ تو لا محالہ یہ لوگ اہل شریعت کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں اور اللہ والے علماء جو یقیناً آسمان اسلام کے ستارے ہیں۔ لوگوں کو ان انسانی شیطانوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور ان کے نورانی سانس، شہاب ثاقب کی طرح شریعت کے ان انچوں کو چاروں طرف بانک دیتے ہیں اور ان کو پتھر آؤ اور سنگ باری سے متفرق کر دیتے ہیں۔ (سبع النابل ص ۵۹ مترجم)

اس کے بعد سید میر عبد الوہاب بلگرامی بیسیہ نے ایمان افروز بیان لکھا ہے جس پر ہر سنی کو عمل پیرا ہونا چاہیے:

”پس اسے بھائیو، خوب جان لو کہ سنت کے بھیدوں کی گہرائی کو جاننا اور بدعت کے نشانوں کی اندرونی باتوں کو معلوم کرنا ممکن ہی نہیں جب تک ایمان اور اسلام کی روشنی اور محبت و تعظیم کی رہبری میسر نہ ہو۔“ (سبع النابل ص ۵۹ مترجم)

میں مذکورہ عبارت کا نتیجہ اخذ کرنا قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ میر سید عبد الوہاب بلگرامی بیسیہ کی عبارت پر غور فکر کریں اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کریں۔

شیخ محمود سعید ممدوح کی اس کتاب کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ پیش کرنے سے قبل راقم دست بے التحا کرتا ہے کہ اس ادنیٰ سی کاوش کو اہل علم حضرات ضرور اپنی آراء سے مزید بہتر بنانے کے لیے راقم کی رہنمائی فرمائیں۔

خادم اہل سنت و جماعت

فیصل خان رضوی (راولپنڈی)

مورخہ: 24-09-2012

بروز: پیر، وقت: شام 3:00 بجے

مقدمہ

مسئلہ افضلیت شیخین کریمین چنانچہ انتہائی اہم نوعیت کا حامل ہے۔ اس ضمن میں جب تک اس مسئلہ کا جائزہ ہر جہت و زاویہ سے نہ لیا جائے تو اس مسئلہ کی بعض پیچیدگیاں پہنچنا ایک مشکل کام ہے۔ لہذا اس مسئلہ کی حساسیت اور اس کے بعض گوشوں کا انتہائی علمی مسائل سے متعلق ہونا، تفصیلی حضرات کو خاطر خواہ نتائج مہیا کرنے میں مفید رہا ہے۔

کسی بھی شخص کو گمراہ کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ ایسے شخص پر اس کا عقیدہ مشکوک کر دیں اور اسے شکوک و شبہات میں ڈال دیں۔ کیونکہ جب انسان شک میں پڑ جاتا ہے تو پھر اسے اپنی طرف راغب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مسئلہ افضلیت کے بارے میں تفصیلی حضرات طرح طرح کے سوالات اٹھا کر آپ کو سوچنے پر مجبور کر دیں گے اور پھر آپ کے لیے ان کا موقف ماننا آسان ہو جائے گا۔ لہذا ایسی صورت حال میں آپ صرف اور صرف اکابرین اور جمہور امت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں کیونکہ ہماری عقل و فراست سے کہیں زیادہ فہم ہمارے اکابرین کا تھا اور وہ اس مسئلہ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ہمارے عقیدے کے امام مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نور اللہ مرقدہ کے عقیدے پر ہی اپنا موقف مضبوط رکھیں اور کسی شک و شبہ میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جمہور امت کے عقیدے پر رہنے سے انسان خطا سے بچ جاتا ہے۔ اگر آج کل کا کوئی مولوی یا عالم یہ کہے کہ اس کے پاس کثیر کتابیں اور مطالعہ ہے لہذا اس کا موقف درست ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطالعہ کے علاوہ ایک اہم چیز ہے اور وہ ہے فہم و فراست۔ جس عالم کا فہم و فراست صحیح نہ ہو تو اس کا مطالعہ اسے کوئی نفع نہیں دیتا بلکہ وہ خود تو گمراہ ہوتا ہی ہے مگر ساتھ ساتھ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے۔ لہذا اپنے بزرگوں کے عقیدوں پر یقین کریں اور نام نہاد تحقیق میں اپنے آپ کو شک کی وادیوں میں بھٹکنے سے بچائیں۔

لہذا مسائل اعتقادیہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے عوام و خواص کے لیے یہ مسئلہ ایک اہم نوعیت کا حامل ہے۔ اس سے قبل کہ اس مسئلہ پر اپنی معروضات قلمبند کروں چند اہم اصول و ضوابط پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

تفضیلیہ کی حیلہ سازیاں

مسئلہ افضلیت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ضمن پر تفضیلیہ کے چند سوالات مندرجہ ذیل میں:

۱- تفضیلیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ تفضیل قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ لہذا ظنی ہے تو پھر کسی کو بھی افضل سمجھ لیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو اباعرض یہ ہے کہ مسئلہ افضلیت کو قطعی مانا جائے جو کہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے یا ظنی تسلیم کر لیا جائے دونوں صورتوں میں اس کا منکر اہل سنت سے خارج، فاسق اور بدعتی ہوتا ہے کیونکہ اگر تفضیل کو قطعی مانا جائے تو مرتبہ فرض میں رہے گی اور اگر ظنی تسلیم کیا جائے تو وجوب کے درجہ میں شمار ہوگی۔ دونوں کا خلاف نفس حقوق اثم میں یکساں ٹھہرا۔ پھر ظنی ٹھہرا کر تفضیلی حضرات کا کیا کام نکلا؟

نوٹ: راقم نے ایک تفضیلی غلو راہمد فیضی (مصنف شرح خصائص علی بن ابی طالب) سے استفسار کیا کہ یہ قطعی اور ظنی کے مسئلہ میں عوام الناس کو کیوں الجھایا جا رہا ہے؟ تو فیضی صاحب نے جواب دیا کہ جو لوگ اس مسئلہ کو ظنی کہتے ہیں اصل میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں اور لوگوں کے سامنے یہ ناصدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اقرار کرتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے۔ غلو راہمد فیضی صاحب کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ میں جن اصحاب سے ملا جو کہ اس مسئلہ کو ظنی کہتے ہیں دراصل وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو افضل مانتے ہیں۔ جو کہ راقم کے ذاتی تجربات سے ثابت ہے۔

۲- تفضیلی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے تھے۔ لہذا جب وہ اہل سنت سے خارج نہیں ہوئے تو پھر ہم کیسے اہل سنت سے خارج ہو سکتے ہیں۔ جو ابالگذاش یہ ہے کہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ کسی کتاب میں بمنہج ثابت نہیں ہے۔ لہذا کتابوں میں بلا سند قول کا آجانا اس کی صحت کو متکرم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ صحیح بخاری میں بھی جو اقوال بے سند ہیں محدثین کرام کے نزدیک وہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں ہیں جب تک ان کی سند نہ مل جائے۔ نیز باب العقائد میں امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی جو اہمیت حاصل ہوئی چاہیے وہ تفضیلیہ سے بھی پنہاں نہیں۔ مزید یہ کہ شاذ اقوال کو پیش کرنا کسی طرح بھی قابل تحسین فعل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ بات اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں کہ شاذ اقوال کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے باب میں کسی طرح بھی

شرع قبولیت نہیں دیا جاسکتا۔

۳۔ کبھی تفصیلی حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ تفصیل یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلافت میں تھی نہ کہ مطلقاً افضلیت میں۔ لہذا اس مسئلہ کو خلافت کے ساتھ جوڑنا خود ایک بے جوڑ سا کلام ہے۔ متکلمین اور محققین نے افضلیت کے مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانا ہے۔ مزید یہ کہ یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت میں افضل ہیں تو وہ تمام صحابہ کرام سے مطلقاً افضل نہیں ہو سکتے۔ مقام تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کس طرح ایک مشغول شاعر، اپنا خلیفہ مان سکتے ہیں؟ پھر اس پر کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ افضل کی موجودگی میں خلیفہ نہ ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ یہاں یہ مطلقاً خلافت کے بارے میں احتمال قائم ہے۔ اصل میں بات تو یہ ہے کہ کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ واقعتاً مشغول نبی تھے؟ یا نہیں۔ تو پھر اس احتمال کو بیان کرنے والوں کی نیت کیا ہے؟

برسبیل تنزل اگر مان لیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلافت میں ہی افضل تھے تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ خلافت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ بشمول سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ تو پھر جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کی ان ان شرائط میں افضل ہیں جو شرائط علماء اعلام نے تقریر خلیفہ کے لیے بیان فرمائی ہیں ان میں خلیفہ کا شجاع ہونا، صاحب رائے ہونا، عادل، مجتہد، (مجتہد و شخص جو ایک بڑا حصہ احکام فقہ کا جانتا ہو) مع دلائل تفصیلیہ یعنی کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اس کی علت جانتا ہو) قاضی یعنی قضا کا جانتا شامل ہیں۔ اگر تفصیلیوں کا یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت میں سب صحابہ سے افضل تھے اور خلیفہ کی کم سے کم شرائط میں مجتہد، شجاع اور فقہ کا علم رکھنا شامل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تمام شرائط میں تمام صحابہ بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ جو کہ یقیناً تفصیلیہ کو بھی قابل قبول نہیں، کیونکہ اس طرح تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے بڑے مجتہد، سب سے زیادہ شجاع اور بہادر اور سب سے بڑے قاضی بن جاتے ہیں۔ جبکہ تفصیلی حضرات تو یہ سب خصوصیات خاص طور پر شجاع اور قاضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔

۴۔ تفصیلیہ حضرات کا ایک ہتھکنڈہ یہ بھی ہے کہ ہم تو سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں مگر اس مسئلہ کو طغی کہتے ہیں۔ لیکن طغی عقائد کا انکار کرنے والوں کے متعلق کسی بھی طرح کا حکم لگانے میں حیل و حجت سے کام لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ مسئلہ تفصیل پر گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو ایک صاحب نے کہا کہ ہم تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں مگر مسئلہ افضلیت کو طغی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ حضور اگر آپ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں تو کس دلیل کے تحت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں؟ وہ کون سی حدیث یا روایت ہے جس کی وجہ سے آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں؟ مگر اس کے جواب میں ان صاحب نے کوئی جواب نہ دیا میں نے کہا چلیں آپ قسم اٹھا کر ہی کہہ دیں کہ آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔ مگر اس کے جواب میں پھر انھوں نے کہا کہ میں اس پر قسم نہیں کھا سکتا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ میں دل میں کسی اور کو افضل سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتا ہوں یا ہو سکتا ہے سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ پھر یہ عقیدہ تو نہ ہوا جو کہ آپ زبان پر نہیں لا سکتے۔ عقیدہ تو ہوتا ہی وہ ہے جو آپ ہر ایک کے سامنے بیان کر سکیں۔

۵۔ کبھی تفصیلیہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ ان حوالوں میں ابن عبد البر کی کتاب الاستذکار اور استدعاء کا نام لیں گے۔ لیکن تفصیلیہ یہ بتانے سے قاصر نظر آتے ہیں کہ ایسے اقوال کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باسند صحیح ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ بالفرض اگر یہ اقوال سنداً و متناً ثابت بھی ہیں تو یہ اقوال شیخین کریمین کی حیات مبارکہ کے دوران کیے گئے یا بعد از وصال۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ اور امام بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور امام زرقانی رحمہ اللہ کی تصریحات سے ثابت ہے۔

۶۔ بسا اوقات تفصیلیہ فن اسماء الرجال کی کتب سے چند محدثین سے تقدیم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنے کی زحمت فرماتے ہیں کہ محدثین نے ان حضرات سے کتب احادیث لیں ہیں لہذا فن اسماء الرجال کے ائمہ کے نزدیک ایسا عقیدہ رکھنا طعن و تشنیع کا سبب نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ محدثین کرام نے ان پر انحصار

محض روایت حدیث میں کیا ہے۔ کیونکہ بہت سارے بدعتی فرقے ایسے ہیں جن سے تعلق رکھنے والے بچے تھے، عام زندگی میں جھوٹ نہیں بولتے تھے اور حدیث کو نقل اور حفظ میں احتیاط کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی اہل سنت و جماعت کے محدثین نے تعریف بھی کی ہے۔ مگر ساتھ ان کا عقیدہ بھی بیان کر دیتے تھے کہ فلاں شیعہ ہے، فلاں رافضی ہے، فلاں خارجی ہے، فلاں مرجئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ محدثین کرام نے ایک اہم فائدہ یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ بدعتی محدث یا راوی کی روایت اگر اس کے مذہب کو تقویت دے یعنی اگر شیعہ راوی (چاہے جتنا بھی ثقہ/مستفی ہو) اپنے مذہب کی تائید میں روایت بیان کرے گا تو اس کی وہ روایت مردود ہوگی اور اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہذا محدثین کرام کا کسی بدعتی راوی شیعہ، خارجی، رافضی، مرجئی کی تعریف کرنا روایت حدیث میں ہوتا ہے نہ کہ اس کے مذہب اور عقیدے کی تعریف کرنا مقصود ہے۔ اسی بات کی آڑ لے کر لوگوں کو ورغلائے ہیں کہ یہ لوگ (معترزی، شیعہ، رافضی) بھی تفصیل علیٰ حیثیت کے قائل ہیں۔

لہذا اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ تفصیل علیٰ حیثیت کا مطلب سمجھ لیں کیونکہ تفصیلی بعض اوقات تفصیل علیٰ حیثیت پر عثمان کے قائل ہوتے ہیں اور بعض اوقات تفصیل علیٰ حیثیت پر شیخین کریمین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے قائل ہوتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہم مسئلہ تفصیل علیٰ حیثیت پر شیخین کریمین کا ہے۔ کیونکہ تمام اہل سنت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتے ہیں جبکہ جمہور اہل سنت حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ لہذا اس نکتہ کو بھی ذہن نشین رکھا جائے۔ مزید محدث عبد الرزاق اور معمر بن راشد کے عقیدے کے بارے میں تفصیلی تحقیق کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ آپ پر حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ ان دونوں سے یہ عقیدہ ثابت ہی نہیں ہے۔

۷۔ مزید یہ جو کہ شیعہ کا ایک فرقہ ہے۔ جو علماء زیدیہ سے متعلق تھے انکے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد اس فرقہ کو اہل سنت و جماعت کی صفوں میں شامل کرنے کی ایک ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ جانین میں دلائل مسلمات خصم سے ہونے چاہئیں لہذا زیدیہ کے حوالہ جات اس باب میں نقل کرنا کوئی کارگر حربہ نہیں۔

۸۔ معترزی جو کہ ایک گمراہ فرقہ ہے۔ لہذا علماء معتزلہ کے حوالہ جات اس باب میں نقل کرنا ایک

علمی دھوکے سے کم نہیں ہے۔ اہل سنت معتزلیوں کو ایک باطل فرقہ مانتے ہیں لہذا انکے حوالہ جات نفس مسئلہ میں کسی بھی صورت قابل قبول نہیں۔

۹۔ کبھی تفصیلی حضرات کا ایک ہتھکنڈا ان علماء کرام کے اقوال بھی ہیں جن سے مسئلہ فضیلت میں سکوت منقول ہے۔ مقام حیرت ہے کہ عدم بیان کو بیان عدم سمجھ لیا جاتا ہے۔ نیز خود تفصیلیہ بجائے تو قوت کے حضرت مولا علیؓ کرم اللہ وجہہ الکریمؓ کی فضیلت پر سارا زور صرف کرتے نظر آتے ہیں۔ لہذا وہ ہما تقولون ما لا تفعلون کا اولین مصداق ٹھہرے۔

۱۰۔ کبھی تفصیلی حضرات اجماع کی حیثیت اور اجماع کے قطعی ہونے یا ظنی ہونے کی بحث شروع کر دیں گے۔ ان احتمالات کے جوابات انشاء اللہ اپنے مقام پر قارئین کرام کے لیے پیش خدمت کر دیے جائیں گے۔

مسئلہ فضیلت شیخین کی صحیح اور اصول و ضوابط قلمبند کر لینے کے بعد اس بات کا اعتراف کیے بغیر مزید تشریحات کی جانب جانا مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنی علمی اور محدود مطالعہ کے باعث اگر مجھ سے حق کہنے اور سمجھنے میں کسی لغزش کا صدور ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے میری اصلاح فرمائے اور ساتھ ہی اہل علم حضرات کی خصوصی توجہ کا بھی طالب ہوں کہ میری اس کتاب میں اگر کوئی علمی کمی ملاحظہ فرمائیں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ نیز راقم نے شیخ محمود سعید ممدوح کی شخصیت کو ذاتی طور پر طعن و تشنیع سے اجتناب کرنے کی کوشش کی ہے، میرا ان سے اختلاف محض علمی حد تک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

نوٹ: میں نے اس کتاب میں صرف محمود سعید ممدوح کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دیا ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے بارے میں محدث الہند فقیر زمان اعلیٰ حضرت عظیم البرکت احمد رضا خان بریلویؒ کی تحقیق لا جواب "مطلع القرین" (تحریر و تحشیہ: جناب طاہت سلیم نقشبندی صاحب، جو چھپ کر مارکیٹ میں آچکی ہے) محدث محقق علامہ ہاشم ٹھٹھویؒ کی تحقیق اتین کتاب "الطریقہ الحمدیہ" (جو انشاء اللہ عنقریب مارکیٹ میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر آ رہی ہے) اور راقم کی کتاب "مسئلہ فضیلت صدیق اکبرؓ پر اجماع امت" (جس میں تقریباً ۱۲۰۰ اقوال سے امت مسلمہ کا اجماعی موقف اور تعامل پیش کیا گیا ہے) اس کتاب میں پہلی صدی سے چودھویں صدی تک علماء اہل سنت کا مذہب فضیلت سیدنا ابو بکر صدیقؓ نقل کیا گیا ہے) میں ملاحظہ کریں۔

زیادہ ثواب کے حامل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم، ابو بکر کا ایک دن اور رات عمر کی تمام عمر سے بہتر ہے۔“

۴۔ جب انسان مقام ولایت تک پہنچتا ہے تو سب اولیاء اس مقام پر برابر ہوتے ہیں۔ مگر جب انسان مرتبہ فنا فی اللہ سے آگے بڑھتا تو وہ سیر فی اللہ کے مقام پر آتا ہے جب ماسوی اللہ آنکھوں سے گر جاتا ہے۔ اسی سیر فی اللہ کے مقام پر قرب خدا (یعنی اللہ سے نزدیک ہونا) معلوم ہوتا ہے۔ جس کی سیر فی اللہ زیادہ ہوگی اسی شخص کو اللہ کا قرب زیادہ ملتا ہے۔ پھر بعض بڑھتے ہوئے سیر فی اللہ کے درجے پر پہنچتے ہیں اور سلسلہ بیعت رواج پاتا ہے۔ یہ ایک الگ فضیلت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی سیر فی اللہ انگوں سے (یعنی سیر من اللہ) بڑھ جائے۔ دیکھیے جیسے مولا علی رضی اللہ عنہ کے خلفائے کرام میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو مرتبہ ارشاد و خرقہ خلافت ملا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کوئی سلسلہ بیعت نہ ملا۔ حالانکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ اور قرب الہی حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بالیقین اعلیٰ اور افضل ہے۔ اور احادیث میں بھی امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل منقول ہے۔

۵۔ شجاعت، سخاوت اور معاملہ فہمی بھی مدار فضیلت نہیں ہیں۔ ان فضائل میں تو غیر مسلم بھی اہل اسلام کے ساتھ شریک ہیں۔ حکومت اور معاملہ فہمی میں حکومت کسری مشہور تھی۔ شجاعت رستم پہلوان کی مشہور ہے اور حاتم طائی کی سخاوت بڑی مشہور ہے اور پھر صحابہ کرام میں ایسے فضائل کی وجہ سے تقابل کرنا ان کی شان میں گستاخی ہے۔ لہذا جب کسی تفصیلی کو ان امور کی وجہ سے بڑک مارتے دیکھیں تو فوراً وہیں روک دیں۔ کیونکہ ان مندرجہ بالا امور میں فضیلت کا دار و مدار رکھنا غلط ہے۔ ہاں جزئی فضیلت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶۔ نبی سے رشتہ داری عظیم سعادت ہے مگر یہ باتیں امور خارجہ ہیں نہ کہ محاسن ذاتیہ یعنی (ذاتی فضائل) لہذا کسی نبی کے اہل و عیال کی برائی سے نہ نبی کی ذات پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی نبی کے رشتہ دار کی اچھائی اور مرتبہ سے نبی کی شان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لیے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی نے افضل نہیں کہا حالانکہ شیخین کی بیبیاں فائدہ ان نبوت سے نہ تھیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں

مسئلہ فضیلت کو سمجھنے کے اہم اصول

مسئلہ فضیلت میں الجھنے سے بچنے کے لیے یہ بہت اہم ہے کہ مندرجہ ذیل اصولوں کو اپنے پیش نظر رکھا جائے وگرنہ تفصیلی حضرات آپ کو تشریش کی گہری کھائی میں گرا کر مزے سے آپ کا عقیدہ خراب کر دیں گے۔

۱۔ صحابہ کرام میں خاص خاص خوبیاں موجود تھیں کسی میں کوئی خاص خوبی ہے جو کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی تو کسی میں کوئی اور خاص خوبی ہے۔ لہذا ہر صحابی میں کسی نہ کسی جہت میں منفرد خوبی پائی جاتی ہے۔ مگر اس جزئی فضیلت سے کسی کو مطلقاً افضل نہیں کہا جاتا۔

۲۔ یہ یاد رہے کہ اہل بیت اطہار کے فضائل کثرت سے ثابت ہیں۔ جن شخصیات کے رگوں میں وہ خون ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنا۔ ان کو دوزخ کی آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔ ہمارے سروں کے تاج اہل بیت کرام ہیں۔ ان کی تعظیم و ادب اہم ہے۔ مگر شریعت میں مدار فضیلت نسب و جزء ہونا نہیں بلکہ تقویٰ اور مزیت دین ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ کریں۔ اگر نسب و جزویت مدار فضیلت ہوتا تو حضرت فاطمہ، حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر تفصیل و فضیلت ہوتی اور اسی اصول کی وجہ سے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہوتی۔ حالانکہ یہ بات خود تفصیلیوں کو بھی قبول نہیں ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حسین کریمین رضی اللہ عنہما پر فضیلت و تفصیل دی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فضیلت کا دار و مدار نسب نہیں ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنا بڑا اہم ہے اور اکثر تفصیلی اس نکتہ کو استعمال کرتے ہیں۔

۳۔ کسی صحابی میں ایک فضیلت ہے تو دوسرے صحابی میں دوسری فضیلت۔ مگر یاد رہے کہ بعض تفصیلیں اس درجہ قبول و مقام پالیتی ہیں کہ وہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزاروں نیکیوں پر غالب آتی ہے۔ مثلاً ایک لمحہ جہاد میں حصہ لینا ہزاروں دنوں کی عبادت اور ایک رات جہاد میں گزارنا ہزاروں دنوں کے روزے اور ہزاروں راتوں کے قیام ہے افضل اور

تھیں۔ لہذا ایوی اور اولاد میں باہم تقابل اور موازنہ کر کے تفضیل کے مسئلہ پر دلیل بنانا بالکل ایسا ہے جیسے تصویر پر سبے بادلوں سے بہار مانگنا۔ یہ یاد رہے کہ جہاں تفضیل دوسرے دلائل سے ثابت ہو وہاں تائید میں یہ امور پیش کر سکتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو مستقل دلیل بنانا غلط ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹا کافر تھے مگر ان کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کے فضل میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیویاں اور بیٹے صاحبین مومنین تھے اس سے ان کا مرتبہ حضرت نوح علیہ السلام پر کیسے بڑھ سکتا ہے۔

(ملخصاً مطلع القارئین از امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ)

۷۔ شروع میں مسئلہ تفضیل میں ۲ مذاہب تھے۔ اہل سنت حضرات شیخین کو تمام صحابہ سے افضل مانتے تھے اور تفضیلیہ مولائی رحمہ اللہ کو افضل مانتے تھے۔ مگر زمانہ کے ساتھ ساتھ ان ۲ مذاہب سے ۴ مذاہب ہو گئے۔ اہل سنت میں بعض لوگوں نے من کل الوجہ شیخین کی افضلیت کا دعویٰ کیا اور تفضیلیوں میں سے بعض نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اہل سنت کی ترتیب مانتے ہیں کہ سب سے افضل صدیق اکبر رحمہ اللہ ہی ہیں۔ مگر فلاں حیثیت سے اور دوسری حیثیت سے حضرت علی افضل ہیں۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ دعویٰ اس لیے کیا کہ لوگ انہیں اہل سنت کہیں کوئی تفضیلی نہ کہے اور موقوف تفضیلیہ والا ہی اپنائے رکھیں۔ یاد رہے کہ اہل سنت ہرگز کسی ایک خاص جہت یا خاص خصوصیت کی وجہ سے افضلیت صدیق رحمہ اللہ کے قائل نہیں بلکہ وہ تو صدیق اکبر رحمہ اللہ کی افضلیت مطلقہ کے قائل ہیں۔ جب مطلق (بغیر کسی قید کے) افضل کہا جائے تو اس سے مراد صدیق اکبر رحمہ اللہ ہی ہوں گے۔

۸۔ یہ یاد رہے کہ کسی کو افضل ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں:

- (i) نصوص شرعیہ میں یہ لکھا ہو کہ فلاں اکرم و افضل ہے، اور یہ طریقہ بہتر ہے۔ کیونکہ نص حدیث اور روایات میں آنے کے بعد کسی کو چون و چرا کی ہمت نہیں ہوتی۔
- (ii) دوسرا طریقہ استدلال اور استنباط اور تالیف مقدمات کا ہے۔

ان دونوں طریقوں سے افضلیت حضرت صدیق اکبر رحمہ اللہ اور حضرت عمر رحمہ اللہ کی ثابت ہوتی ہے۔

۹۔ یہ یاد رہے کہ شیخین کی تفضیل صرف اس بات میں نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمین کو ان سے زیادہ

نفع پہنچا۔ اختلاف فضل جزئی میں نہیں بلکہ فضل کلی میں ہے۔ مطلق طور پر بغیر کسی قید کے جب بھی افضلیت کا اطلاق ہوگا تو وہ شیخین کریمین پر ہوگا۔

۱۰۔ شیخین کریمین کی افضلیت صرف من حیث الخلافہ نہیں ہے۔

۱۱۔ یاد رہے کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ افضل الغلمین نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر انبیاء سابقین۔

اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء سے افضل کہا جاتا ہے تو کسی معنی میں یا کسی وجہ سے افضل کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء سے اس لیے افضل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ عالی اللہ کے قرب و وجاہت اور عزت و کرامت سے ہے اور اسی وجہ اور بنیاد پر ہم انبیاء کو ملائکہ پر اور ملائکہ کو صحابہ پر تفضیل دیتے ہیں اور دوسری کوئی وجہ ذہن میں نہیں آتی۔ اسی لیے جب شیخین کریمین کو مولیٰ علی سے افضل کہا جاتا ہے اس کی وجہ بھی مذکورہ بالا تصور کی جاتی ہے۔

لہذا ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أن جهة تفضيله إنما هي لفضله بالتقوى.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۲۷۸)

یعنی بے شک افضلیت کی وجہ تقویٰ کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔

قد ممتاز بشيء يخص به ولا يلزم منه الفضيلة المطلقة.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۹۰)

یعنی کبھی مفضل ممتاز ہوتا ہے کسی ایسی شے کے ساتھ جو اس کا خاصہ ہوتا ہے۔ اور اس سے افضلیت مطلقہ لازم نہیں۔

۱۲۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ افضل الصحابہ حضرت ابو بکر صدیق رحمہ اللہ ہیں پھر سیدنا فاروق رحمہ اللہ پھر سیدنا عثمان رحمہ اللہ پھر حضرت سیدنا علی رحمہ اللہ پھر بقیہ عشرہ مبشرہ پھر باقی صحابہ۔ اب وہ تفضیلی حضرات جو یہ راگ الاپتے ہیں کہ ہم خلافت میں حضرت ابو بکر صدیق رحمہ اللہ کو افضل کہتے ہیں تو ان سے سوال ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد جو باقی عشرہ مبشرہ افضل تھے تو یہ باقی عشرہ مبشرہ کس وجہ سے افضل ہو گئے؟ آیا باقی عشرہ مبشرہ بھی خلافت میں افضل تھے؟

۱۳۔ اگر تفضیلی یہ اعتراض کریں کہ شیخین صحابہ ایک جہت سے افضل ہیں اور حضرت علی رحمہ اللہ

دوسری جہت سے افضل ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ علماء اہل سنت کو کیا ہوا ہے کہ صحابہ سے لے کر اب تک اسی جہت کا یقین کرتے ہیں جس سے شیخین افضل ہوئے، کبھی تو دوسری جہت کا بھی اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ جیسے جگہ جگہ "افضل البشر بعد نبینا ﷺ ابو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی" لکھا ہوا ہے۔ جناب مالی دس بیس نہ ہی تین چار کتابوں میں "افضل البشر بعد نبینا ﷺ علی، ثم ابو بکر، ثم عمر" دکھلا دیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت والی جہت تو یاد رہی مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ والی جہت بھول گئی۔

۱۴۔ تفصیلی عجب مشکل میں گرفتار ہیں کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا ان کی زبان پر جاری نہیں ہوتا۔ تفصیلی حضرات مولیٰ علی کو صاف طور پر سب سے افضل بھی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ جب بھی بات کریں گے تو کہتے ہیں کہ مولیٰ علی اس جہت و حیثیت سے افضل ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ مسئلہ افضلیت ظنی ہے کبھی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال نہ ہوگا۔ کبھی کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف رہا ہے۔ یہ تمام باتیں کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تفصیلی اس عقیدہ پر کھلے عام اپنی رائے دینے سے کمزور ہیں۔

۱۵۔ یہ یاد رہے کہ قرب الہی میں شیخین کو افضل بنانے سے تفصیل من جمیع الوجہ ثابت نہیں ہوتی۔ لہذا افضل مطلق اور تفصیل من جمیع الوجہ کا فرق کرنا ضروری ہے۔

۱۶۔ بعض ایسے لوگ جو اہل بیت سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت بیان کرنے سے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تنقیص ہوتی ہے۔ یہ ان لوگوں کی بے وقوفی اور کلمی ہے۔

ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ہم ہر صاحب فضل کو اس کا فضل دیں۔ جب قرآن و سنت اور اجماع اور علماء اہل سنت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل بناتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ انہیں افضل کہیں۔ جس کا فضل قرآن و حدیث سے ثابت ہوا اسے افضل ماننے سے اس کے مفضول کی توہین نہیں ہوتی۔

۱۷۔ یہ یاد رہے کہ اکثر تفصیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ خلفاء اربعہ سب سے اہل فضیلت و عالی مرتبت تھے۔ ہمیں نہیں چاہیے کہ ہم کسی ایک کو دوسرے پر تفصیل دیں۔ ہم کیا جانیں کہ کون افضل ہے اور

کون مفضول ہے۔ نیز ماسوائے خلفائے راشدین بعض صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ لینے کے بعد سوال یہ کیا جاتا ہے ان میں افضل کون ہے؟ اور مفضول کون؟ جواباً محض اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرنا کسی بھی طرح قابل ستائش نہیں ہے۔

تو عرض یہ ہے کہ نصوص کے علاوہ اکابر اہل سنت نے شیخین کی تفضیل کا حکم دیا ہے تو ان کی پیروی سے آپ کو کون سی چیز روکتی ہے۔ اور کوئی یہ کہے کہ میں ان کی بات نہیں مانتا تو عرض یہ ہے کہ پھر جناب آپ ان کی کوئی بھی بات نہ مانیں۔ صرف مسئلہ تفضیل میں آپ کو تکلیف کیوں ہوتی ہے۔

۱۸۔ اگر کوئی کہے کہ کچھ صحابہ تفضیل علی کے بھی قائل تھے۔ عرض یہ ہے کہ اول تو کسی صحابی سے مطلقاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت منقول نہیں ہے۔ کچھ اقوال جو منقول ہیں وہ فضل جزئی کو ثابت کرتے ہیں۔ فضل جزئی میں ہمیں کوئی کلام نہیں ہے۔ دوم اگر بر سبیل تنزل مان بھی لیں تو اجماع صحابہ کے بعد ان صحابہ کرام کے اقوال کی حیثیت اختلافی نہیں رہتی۔ لہذا ایسے اقوال ہمارے موقف کے لیے چنداں مضر نہیں۔ کیونکہ ایسے اقوال شاذ، نادر، مرجوح، ضعیف ہیں اور اجماع میں خلل انداز نہیں ہوتے ہیں۔ اگر ایسے شاذ و نادر پر یقین کرنا ہے تو پھر کوئی ایسا مسئلہ شریعت کا کم ہی رہ جاتا ہے جس میں ایسے اقوال مرجوحہ اور شاذ نہ ملیں۔ پھر تو جناب آپ کو تقریباً ۲۰ تہائی مسئلوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

حتیٰ کہ قادیانی بھی اس قسم کے اقوال ختم نبوت اور حیات مسیح کے خلاف اٹھائے پھرتے ہیں۔ ان کا کیا کرو گے؟ اور یہ بھی یاد رہے کہ ایسے اقوال جن میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے تفضیل بیان کی ان سے تفضیل جزئی ثابت ہوتی ہے نہ کہ افضلیت مطلقہ۔

بدعتی کی روایات کا حکم:

۱۹۔ بدعتی فرقوں سے روایت لینا ایک اہم موضوع ہے۔ یاد رہے کہ ایسے بدعتی کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی جو اپنے مذہب کا داعی ہو اور وہ اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے کوئی روایت نقل کرے یا کسی بات کو بیان کرے۔ ان فرقوں میں صدوق، اور پرہیزگار لوگ

کی عادت نہ ہو، حدیث کو حفظ کر سکتا ہو، اور یہ کہ اپنے مسلک کو تقویت دینے والی روایت نہ بیان کرتا ہو۔ ایسے راوی کی روایت قبول کر لی جاتی ہیں اور جو اسکے مسلک کو تقویت دے اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر راوی ائمہ اور اداء (روایت لینا اور بیان کرنا) میں ثابت ہو اور اپنی رائے کا داعی نہ ہو تو تشیع باعث ضرر نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۸۲، احادی الساری ص ۳۰۰) شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المختار أنه ان كان داعياً الى بدعته ومروجا له ردو ان لم يكن كذلك قبل الا أن يروى شيئاً يقوى به بدعته فهو مردود قطعاً۔ (مقدمہ مصطلحات حدیث مع مشکوٰۃ مترجم ص ۷۶)

ترجمہ: یعنی بدعتی کے بارے میں مذہب مختار یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کا داعی اور اس کا رائج کرنے والا ہو تو مردود ہے ورنہ مقبول، بشرطیکہ وہ ایسی چیز روایت نہ کرتا ہو جس سے اس کی بدعت کو تقویت پہنچتی ہو کیونکہ اس صورت میں تو وہ قطعاً مردود ہے۔ ڈاکٹر محمود الطحان فرماتے ہیں:

وإن كانت بدعته مفسدة فالصحيح الذي عليه الجمهور أن روايته تقبل بشرطين: ألا يكون داعية الى بدعته وألا يروى ما يروج بدعته۔ (تیسرے مصطلح الحدیث ص ۱۲۳)

ترجمہ: اگر مبتدع بدعت مفسدہ کا مرتکب ہے تو جمهور کے نزدیک جو صحیح بات ہے وہ یہ ہے کہ اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ قبول کر لی جائے گی: (اول) وہ اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو (دوم) ایسی بات کی روایت نہ کرے جو اس کی بدعت کی ترویج کا سبب بنے۔

نکتہ: یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل قرار دینا شیعہ کے تمام فرقوں بشمول زیدیہ، روافض اور معتزلیوں کا مذہب ہے۔ لہذا ایسی روایت یا اثر جس میں حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کا ذکر ہو اور اس روایت میں کوئی شیعہ، زیدی، معتزلی راوی ہو

بھی تھے۔ چنانچہ محدثین کی ایک جماعت نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور جامع تدوین کے پیش نظر نہ ہر بدعتی کی روایت پر علی الاطلاق رد اور عدم قبول کا حکم لگایا ہے اور نہ ہی مسامحت برتتے ہوئے ہر شخص کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔ بلکہ ان بدعتی فرقوں بشمول شیعہ اور معتزلی کے رد و قبول کے لیے کچھ قواعد و ضوابط وضع کئے تھے تاکہ ان کی مدد سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبتدعین کی بدعت و ضلالت سے چھان بچھان کر علیحدہ کیا جاسکے۔ لہذا تفصیلیہ جو روایت بیان کریں اس روایت کے راویوں کے بارے میں یہ تحقیق کر لیں کہ اس میں کوئی شیعہ، زیدیہ، رافضی یا معتزلی راوی تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو پھر راوی کتنا ہی ثقہ اور صدوق کیوں نہ ہو اس کی یہ روایت ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی۔ ہذا اس سلسلہ میں محدثین کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حاکم الاحول رحمۃ اللہ علیہ امام ابن سیرین سے نقل فرماتے ہیں:

”فتنہ کے وقوع سے پہلے تک لوگ اسناد کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے لیکن جب فتنہ کا وقوع ہوا تو دیکھنے لگے کہ کون اہل سنت میں سے ہے تاکہ اس کی حدیث کو قبول کیا جائے اور کون اہل بدعت میں سے ہے تاکہ اس کی حدیث کو چھوڑا جائے۔“

(الجمہورین ج ۱ ص ۸۲، مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۱، الفخاریہ ص ۱۲۲، المغنیۃ الخیر ص ۱۰، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳) ب۔ محدثین کرام اس بات کے قائل ہیں کہ اگر مفسق بدعت اپنی بدعت کی تبلیغ نہ کرتا ہو تو مقبول ہے ورنہ نہیں کیونکہ اپنی بدعت کو خوشنما بنانے کا خیال اسے روایت میں تحریف کرنے اور انہیں اپنے مسلک کے مطابق بنانے کی تحریک پیدا کر سکتا ہے۔

(فتح المغنیۃ للحدادی ج ۲ ص ۶۳، الارشاد للنووی ج ۱ ص ۱۹۹، فتح المغنیۃ للراقی ص ۱۲۲، التقریر والتعمیر ج ۲ ص ۲۳۰) پ۔ کچھ لوگ اس بات کو سمجھ نہیں پاتے کہ اگر راوی شیعہ ہے تو پھر محدثین نے اس سے روایت کیوں لی ہے اور پھر یہ لوگ کتب جرح و تعدیل سے ایسے حوالے نقل کرتے ہیں کہ شیعہ راوی کی نسبت محدثین کرام نے توثیق، سچا، ایماندار کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایسے الفاظ محدثین کرام نے راوی کی ضبط حدیث کے بارے میں کہے ہیں۔ مزید یہ کہ شیعہ راوی اور دیگر بدعتی فرقوں سے تعلق رکھنے والے راویوں کی روایت قبول کی جاتی ہے جب اس راوی میں اول تو جھوٹ بولنے

(اگرچہ ثقہ اور صدوق ہی کیوں نہ ہو) تو اصول کے مطابق ایسی روایت ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔

سادات کرام رضی اللہ عنہم اور مسئلہ تفضیل

مسئلہ تفضیل میں ایک پہلو سادات کرام کے موقف کا بھی ہے۔ میں نے ایک تقریر سنی جس میں مقرر نے علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ کے کتاب الشرف الموبد کا ایک حوالہ بڑے زور و شور سے پیش کیا۔ ”ایسے سید سنی تم ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں..... ایسا سید سنی شاذ ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اکثر سنی سادات شیخین اور صحابہ سے محبت رکھنے کے باوجود شیخین کی تقدیم کے قائل نہیں ہیں اس عقیدے سے ان کے دین میں کوئی ضرر واقع نہیں ہوتا۔“

یہ ایسے الفاظ ہیں جس سے سادات کرام کو مسئلہ تفضیل میں پھنسا دیا جاتا ہے کہ اگر کسی سید نے حضرت علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل نہ مانا تو ان کی سیادت غلطی ہو جائے گی۔ اور ایسے الفاظ سے ڈرانا ایک عام سی بات ہو گئی ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حوالہ سے سادات کرام کو تفضیل علی المرتضیٰ کا قائل کرنا غلط ہے۔ اسی بات کا ادراک علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی کر لیا تھا۔ جس کے بارے میں علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”تینیس سال قبل میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حسن توفیق سے ایک کتاب الشرف الموبد لال محمد رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں تصنیف کی جو بعنایت الہی بار بار طباعت سے آراستہ ہوئی اور اس کا نفع عام ہوا۔ (الاسالیب البدیعیہ ص ۹)

اس کے بعد علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاسالیب البدیعیہ کی تالیف کا مقصد بیان کیا ہے:

”اس کتاب (الاسالیب البدیعیہ) کی تالیف کا مقصد اس لیے پیدا ہوا کہ اس زمانہ میں شیطان نے بعض جاہل سنیوں کو حب اہل بیت کے پردے میں اور خیالی حمایت عصیت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ نفرت اور عداوت کے اظہار کی طرف راغب

کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان پاک ہمتیوں پر لعن طعن کر کے خوش ہوتے ہیں اور ان شخصیات پر لعن طعن کو قرب خداوندی کا ذریعہ اور دنیا اور آخرت میں نیکی کا باعث سمجھتے ہیں۔ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات بھی ڈال دی کہ ائمہ اہل سنت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگیں لڑنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کر کے عدل و انصاف سے کام نہیں لیا..... اور وہ (جاہل سنی) اپنی خواہشات، تعصب اور جہالت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر خلفائے راشدین پر فضیلت دینے لگتے ہیں اور اس کو اپنی فہم کے مطابق عین انصاف سمجھتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ اتباع حق (حضرت علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھنے میں) میں اہل علم کا منع کرنا ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ حالانکہ دین کے معاملہ میں ان جیسے لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں اور بے علمی اور جہالت میں وہ جانوروں کی مانند ہیں۔“ (الاسالیب البدیعیہ ص ۹)

علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مزید لکھتے ہیں:

”شدید جہالت اور بے بصری کی وجہ سے وہ گمان کرتے ہیں کہ آج تک ساری امت مسئلہ تفضیل میں غلطی پر ہے۔“ (الاسالیب البدیعیہ ص ۱۰)

پھر اپنی کتاب کی تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ان جملہ کی اسی طرز عمل نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مجبوراً آمادہ کیا تا کہ ان میں سے جو کوئی اس کا مطالعہ کرے وہ اپنی غلطائے عظیم کو پہچان لے اور یقین کر لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و ہدایت پر نہیں بلکہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے کھڑا ہے۔“

(الاسالیب البدیعیہ ص ۱۰)

علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تصنیف کی وجہ بیان کرنے کے بعد ہم مقرر کی پیش کردہ عبارت کہ ”ایسا سید سنی شاذ ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں“ کی وضاحت خود علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے پیش کرتے ہیں۔

”الشرع الموبد کی عبارت (ایسا سید سنی شاذ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتا ہے اور اکثر سنی سادات شیخین اور صحابہ سے محبت رکھنے کے باوجود شیخین کی تقدیم کے قائل نہیں ہیں اس عقیدے سے ان کے دین میں کوئی ضرر واقع نہیں ہوتا) معمولی زیادتی کے ساتھ مکمل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم..... اکثر سادات اگرچہ طبعی محبت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر ترجیح دیتے ہیں مگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل نہیں جانتے۔ جیسا کہ مذہب اہل سنت کے سادات یا علوی کا عقیدہ اور عمل ہے وہ شیخین رضی اللہ عنہ کو اپنے جد امجد حضرت علی المرتضیٰ سے افضل سمجھتے ہیں۔ اور یہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے..... چونکہ اہل سنت و جماعت کا فضیلت شیخین پر اجماع ہے اس لیے شریعت کی پیروی اور دین کی سلامتی کا یہ تقاضہ ہے شیخین رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے۔ اور اہل بیت کرام کے لیے تو یہ زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ اس حق میں ان کی اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کی برکتوں سے نفع دے۔“

(الاسابیل البدیع ص ۹۶)

قارئین کرام! اس حوالہ سے ثابت ہو گیا کہ سنی سادات کرام رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنے کے باوجود سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتے ہیں۔ لہذا کسی سنی سید کو اس کی سیادت کے طئی ہونے کی دھمکی دینا علیٰ خیانت اور جرم عظیم ہے۔ میرے ناقص مطالعہ میں کسی صحیح العقیدہ سنی سید نے مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے کی بات نہیں لکھی۔ بلکہ اس کے برعکس میرے مطالعہ کے مطابق صحیح العقیدہ سنی صرف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب فضیلت سیدنا صدیق اکبر پر اجماع امت میں درج ذیل سادات کرام کے اقوال نقل کر دیے ہیں۔

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ (م: ۵۰ھ)، حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ (م: ۶۱ھ)، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (م: ۹۳ھ)، حضرت نفیس الذکیہ بن عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب (م: ۱۲۵ھ)، امام جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہ (م: ۱۴۸ھ)، سید علی بن عثمان جویری داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ (م: ۲۶۵ھ)، علامہ سید احمد بن علی رفاعی حسینی رضی اللہ عنہ (م:

۵۷۸ھ)، سید خواجہ نصیر الدین محمود چراغ حسینی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷۷۷ھ)، سید محمد بن مبارک کرمانی میر خورد رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷۷۰ھ)، سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷۸۵ھ)، حضرت خواجہ سید بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷۹۱ھ)، سید میر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷۹۱ھ)، سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ (م: ۸۰۳ھ)، سید اشرف جہانگیر سمنانی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۸۰۸ھ)، میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۰۱۷ھ)، سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱۳۲ھ)، فاضل سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۲۵۲ھ)، سید السادات احمد زینی دحلان مکی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۳۰۲ھ)، علامہ سید احمد علوی رحمۃ اللہ علیہ، سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۳۵۶ھ)، حضرت شاہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۳۲۴ھ)، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سید ابوالبرکات احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ پیر سید جلال الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی سید محمد افضل حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب، علامہ پیر سید اختر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب، علامہ پیر سید محمد حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ پیر سید محمد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کرمانوالہ شریف۔

قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ تفصیل اور صوفیاء کرام کا مذہب

تفصیلیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صوفیاء کرام سیدنا علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ جناب کون سے صوفی سیدنا علی المرتضیٰ کو افضل مانتے ہیں؟ ذرا حوالہ اور کتاب کا نام ہی بتا دیں؟ تو جواب میں تفصیلیہ علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی کا حوالہ دیتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ صوفیاء کرام حضرت علی المرتضیٰ کو افضل سمجھتے ہیں۔ ادباً گزارش ہے کہ صوفیاء کرام کی کتابیں موجود ہیں ہمیں ان کی کتابوں میں سے فضیلت مطلقہ کے چند حوالہ جات کی نشاندہی کر دیں تاکہ ہم آپ کے علم سے استفادہ کر سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کا دامن دلائل سے خالی ہے۔ البتہ ہم نے اپنی کتاب فضیلت سیدنا صدیق اکبر پر اجماع امت میں درج ذیل صوفیہ عظام کے اقوال دیئے ہیں:

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱۰ھ)، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۶۱ھ)، امام بشر بن الحارث مانی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۲۷۱ھ)، فقیر ابولیت رحمۃ اللہ علیہ (م: ۳۷۳ھ)، امام ابی بکر کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ (م:

۳۷۸ھ)، امام ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۸۶ھ)، حضرت سید داتا گنج بخش بھوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۵ھ)، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۵ھ)، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب ضیاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۳ھ)، علامہ سید احمد بن علی رفاعی حسینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۷۸ھ)، شیخ اکبر محمدی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۸ھ)، علامہ عبد اللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۶۸ھ)، حضرت شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۲ھ)، سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۵ھ)، حضرت خواجہ سید بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ)، سید میر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ)، سید محمد بنندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۰۳ھ)، سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۰۸ھ)، حضرت خواجہ پارسا نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲۵ھ)، امام سیدی احمد زروق شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۹۹ھ)، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰۲ھ)، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ)، امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ)، امام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۶ھ)، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۴ھ)، امام شرعانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۳ھ)، شیخ تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ، مجدد العتب ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۲ھ)، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۲ھ)، قاضی القضاۃ حضرت مخدوم شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ، میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۷ھ)، میاں محمد میر قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۰ھ)، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ)، امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۶۹ھ)، حضرت علامہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ فاضل رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰۹ھ)، امام محمد شین علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۲ھ)، سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۲ھ)، علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۳ھ)، مولانا فخر الدین چشتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۹ھ)، محدث مخدوم عبدالواحد سیوطی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۲۲ھ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۲۵ھ)، علامہ یوسف نہجانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۰ھ)، سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۶ھ)، حضرت شاہ ابوالخیر نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۲ھ)، خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ۔

قارئین وہاں ملاحظہ کریں۔

یاد رہے کہ تفضیلی کے پاس تو صوفیاء کا بھی کوئی حوالہ نہیں اور ہے بھی تو وہ زیادہ سے زیادہ توقف پر دلالت کرتا ہے اور اس پر انتہاء یہ کہ توقف والے قول پر انکا اپنا عقیدہ نہیں ہے جبکہ صرف عوام کو بے وقوف بنانا ہے۔

تفسیر آلوسی میں تفضیل کے مسئلہ پر بحث

چند احباب نے عرض کیا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اکثر صوفیاء کرام حضرت علی المرتضیٰ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

جواب: عرض یہ ہے کہ صوفیاء کرام کے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا حوالہ ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ صوفیاء کرام کا اپنا عقیدہ جو انکی اپنی کتابوں میں درج ہے وہ تو افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ پھر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں یہ بات کیوں درج ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ علامہ آلوسی کی تفسیر میں ان کے پوتے نعمان آلوسی نے متعدد تحریفات کیں ہیں۔ اور اس بات کا ثبوت محدث زاہد الکوثری نے اپنے مقالات میں دیا ہے۔ اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ اس کی کتاب میں تحریف غیر مقلد نواب صدیق حسن بھوپالی کی ایماء پر کی گئی۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ نواب صدیق حسن خان تفضیلی تھا لہذا تفسیر آلوسی میں مذکور عبارت یہ بھی نواب صدیق حسن خان کی جہارت کا نتیجہ ہے۔

باطنی خلافت اور مسئلہ تفضیل

مسئلہ تفضیل کو ثابت کرنے کے لیے کچھ احباب باطنی خلافت کا مسئلہ بھی چھیڑ دیتے ہیں کہ اگر مولا علی المرتضیٰ کو باطنی خلافت حاصل ہے اور تمام باطنی علوم مولا علی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہیں تو پھر مولا علی المرتضیٰ افضل کیوں نہیں؟

جواب: اس سلسلہ میں ادباً گزارش ہے کہ باطنی ولایت کا قول صوفیاء عظام نے کیا ہے۔ آپ لوگوں نے باطنی خلافت کا قول کہہ کہہ کر ایک عجیب سا ماحول اہلسنت میں پیدا کر دیا ہے۔ یہ کیا عجیب منطق ہے کہ عوام الناس کے سامنے آپ لوگ یہ کہیں کہ ہم تفضیلی نہیں مگر کوئی ایسا شخص جو کسی اور صحابی کو افضل مانے تو اس پر اہلسنت سے خارج ہونے کا فتویٰ نہ لگاؤ۔ اور اس مسئلہ پر اتنی سختی نہیں کرنی چاہیے۔ جناب والا ایک طرف تو عوام الناس کے سامنے سیدنا ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی افضلیت کا دعویٰ کریں مگر دوسری طرف سیدنا علی المرتضیٰ کو افضل کہنے کی وجوہات بھی بیان کریں۔ یہ کیا عجیب تماشا ہے۔ ان لوگوں کا یہ موقف جان کر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ لوگ مولا علی کی باطنی

خلافت اور قاسم ولایت کا قول تو اولیاء کرام کا ماننے میں مگر انھی اولیاء کرام کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کہنا آپ کو پسند نہیں آتا۔ اگر باطنی خلافت اور تقسیم ولایت ہی افضلیت مطلقہ کی دلیل ہوتی تو پھر ان صوفیاء کرام نے کیوں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل کہا؟ مسئلہ ولایت باطنی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بعض علماء کرام اور صوفیاء کرام کی کتب میں موجود ہے مگر اس سے اخذ کردہ نتائج جو کہ تفصیلیہ کے اذعان کا محض مرکب ہیں اس سے ہمیں برکیت اختلاف ہے۔

دوسری اہم بات یہ کہ اگر باطنی خلافت اور تقسیم ولایت کو افضلیت کی دلیل مان لیا جائے تو پھر مولا علی المرتضیٰ کے بعد باطنی خلافت اور قاسم ولایت سردار بنو انان اہل جنت امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری کو ملی۔ اس دلیل کے تحت تو مولا علی المرتضیٰ کے بعد امت کے افضل ترین شخص یا تو امام حسین ہوئے یا امام حسن بصری رحمہ اللہ۔ جناب خلفاء ثلاثہ کو کس دلیل کے تحت افضل مانیں گئے؟ اس سلسلہ میں عرض کر دوں کہ اگر ان لوگوں سے یہ سوال کیا جائے کہ مولا علی المرتضیٰ کی افضلیت کی کیا دلیل ہے تو جواب بڑا ہی منطقی دیں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ظنی ہے۔ جناب والا یہ کیا جواب ہوا؟ دلیل پوچھی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی کہ دیا۔ کیا علمی استدلال ہے۔

جناب ظہور احمد فیضی صاحب کا یہ کہنا بالکل صحیح تھا کہ جو مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتا ہے اصل میں وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی افضل سمجھتا ہے۔ ایسے لوگ جو منافقت کرتے ہوئے مسئلہ تفضیل کو ظنی کہہ کر عوام الناس کے سامنے افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جھوٹا دعویٰ کرے تو ان لوگوں سے جناب ظہور احمد فیضی صاحب بہت بہتر ہیں۔ کیونکہ فیضی تو بر ملا افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعتراف کرتا ہے، کوئی منافقت نہیں کرتا۔ مگر اہل سنت کے لباس میں چھپے ہوئے تفضیلی لوگ کس منہ سے اہل سنت، اہل سنت کا نام لیتے ہیں۔ میرا ان سے سوال ہے کہ عوام الناس کو مسئلہ افضلیت کو قطعی اور ظنی کے مسئلہ میں الجھانا کون سی علمی خدمت ہے۔ جناب والا ظنی کہہ کر اس مسئلہ کو الجھانا اتنا آسان نہیں جتنا آپ لوگوں نے اس کو سمجھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دور میں حق بات کرنے والوں کو ایسے نام نہاد علماء کے مقابلے میں پیدا کرتا رہا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی پیدا کرتا رہے گا۔ جو ان کے علمی ڈھکوسلوں کا جواب دیتے رہیں گے۔ کیا ان کو خود اس بات پر شرمندگی سی محسوس نہیں ہوتی کہ ساری عمر یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا نام لیتے نہیں تھکے، مگر ان کے دلوں میں اعلیٰ

حضرت سے جو بغض ہے میں اس کو بتا بھی نہیں سکتا۔ ساری عمر انھوں نے ظنی مسئلوں پر وہابیوں اور دیوبندیوں کے خلاف منبر، تحریروں اور مناظروں میں مخالفت کی ہے۔ مگر جب اپنی باری آئی تو مسئلہ کو ظنی کہہ کر آسانی سے ٹال دیا۔

جناب والا! آپ لوگوں کو اپنے علم پر بڑا ناز ہے مگر عرض یہ ہے کہ آپ ذرا عوام کے سامنے قطعی اور ظنی مسئلہ کو تو ایک طرف رکھیں، صرف یہ بیان کر دیں کہ شعار مذہب اہل سنت کس کو کہتے ہیں؟ اور شعار مذہب اہل سنت کس طرح ثابت ہوتے ہیں؟ جناب والا! سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں قطعیت تو ثابت ہے، اور ظنیت تو آپ کو بھی مسلم ہے۔ یہ مسئلہ تو شعار مذہب اہل سنت کے تحت بھی ثابت ہے۔ اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ شعار مذہب اہل سنت کا منکر اہل سنت سے خارج ہوتا ہے۔ اس ضمن میں شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی صاحب کا فتویٰ ملاحظہ کریں اور اس مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے گا۔

شریف الحق امجدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”حضور اقدس سید عالم رضی اللہ عنہ کے نور ماننے کا عقیدہ صرف باب فضائل ہی تک محدود ہے، اس کے منکر کی نہ تکفیر جائز نہ تقصیر۔ لیکن اس زمانے میں یہ مسئلہ اہل سنت و جماعت کا اتفاقی اور اجماعی عقیدہ بن چکا ہے اور اس زمانے میں اس کا منکر اہل سنت میں سے کوئی ایک فرد نہیں۔ صرف وہابی، نجری وغیرہ بد مذہب گمراہ ایسے کہ جن کی بد مذہبی حد کفر تک پہنچی ہوئی ہے۔ وہی اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے اس زمانے میں حضور اقدس رضی اللہ عنہ کے نور ہونے کا انکار کرنا بد مذہب ہی کا شعار ہو چکا ہے پس اب جو بھی نورانیت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا انکار کرے اس کو وہابی بد مذہب کہہ سکتے ہیں۔ نہ اس لیے کہ یہ انکار بد مذہب ہی ہے بلکہ اس لیے کہ یہ انکار بد مذہب ہوں کا شعار ہے۔ جیسے حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے اہل سنت کی علامات پوچھی تو فرمایا: تفضیل الشیخین و حب المحتضین و المسح علی الخفین۔ یعنی کہ اس زمانے میں اہل سنت اور روافض و خوارج کے مابین یہ تین چیزیں مابہ الامتیاز تھیں۔ اسی طرح اس زمانے میں میلاد و قیام، نیاز، فاتحہ، ندائے یار رسول اللہ اور استغاثت، بالاولیاء وغیرہ کی طرح سرکار علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں یہ اعتقاد کہ آپ نور تھے یا نہیں؟ اہل سنت وہابیہ کے درمیان امتیازی نشان بن چکا ہے۔ واللہ بھاد و تعالیٰ اعلم۔“

جناب والا! اگر اب بھی آپ غلیظت کا قول اختیار کیے ہوئے ہیں تو پھر تیار رہیں کہ جس دن عوام آپ کو جھنجھوڑ کر یہ پوچھیں گی کہ علم غیب، حاضر ناظر، اذان سے پہلے درود و سلام، نبی کریم ﷺ کا جسمانی معراج، متعدد قرآن میں معوذتین، جنت اور دوزخ کا وجود، نبی کریم ﷺ کی چالیس سال سے پہلے نبوت کے مسائل بھی تو ظنی ہیں۔ اس بارے میں بھی صحابہ کرام کے اقوال موجود ہیں۔ اس بارے میں جناب کا کیا جواب ہوگا؟ اور ظاہر ہے کہ ان مندرجہ بالا مسائل کے بارے میں عوام الناس کے سامنے بڑے رعب سے جواب دیں گئے کہ مسئلہ ظنی کا انکار کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا ظنی بھی تو وجوب کے درجہ میں ہوتا ہے۔ مگر افسوس مسئلہ افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتنی سرد مہری کیوں؟



سخن اولیں کا جواب

کچھ باتیں علامہ سید زابد حسین شاہ صاحب سے

علامہ سید زابد حسین شاہ صاحب حال مقیم انگلینڈ نے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۳ تا ۲۴ تک سخن اولیں کے عنوان کے تحت بہت ساری باتیں نقل کی ہیں۔ لہذا مناسب ہے کہ کچھ ان کی باتوں کی بھی خبر گیری ہو۔

اعتراض: سید زابد شاہ صاحب غایۃ التبجیل مترجم ص ۲۳ سخن اولیں میں لکھتے ہیں:

اور قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے، امام باقلانی رحمہ اللہ، امام آمدی، امام مازری رحمہ اللہ، امام قرطبی، امام سعد الدین نقاش زانی، قاضی عیاض مالکی، سید مندر شریف جرجانی، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، علم الرحمة جیسی قد آور شخصیات مسئلہ تفضیل کی غلیظت کی قائل ہیں۔

جواب: عرض یہ ہے کہ امام باقلانی، اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی کس کتاب میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی کہا ہے؟ شیخ محمود سعید مدوح نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے امام باقلانی رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ کو غلیظت کا قائل قرار دیا ہے، جسکی تفصیل متعلقہ باب میں آ رہی ہے۔ لہذا جناب سید زابد حسین شاہ صاحب کا بغیر تحقیق و جستجو شیخ مدوح کی تائید کرنا مناسب نہیں ہے۔

مزید یہ کہ عوام الناس کو اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر مرغوب کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس بارے میں عوام الناس کو آگاہ کیوں نہیں کیا جاتا کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔ اس بات کی بھی تفصیل متعلقہ باب میں آ رہی ہے۔

اعتراض: جناب سید زابد حسین شاہ صاحب سخن اولیں کے تحت ص ۱۴ پر لکھتے ہیں:

بعض احباب نے اجماع کے قول کی بنیاد پر قطعیت ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اس لیے اس حوالہ سے عرض ہے کہ اجماع سے قطعیت اس وقت ثابت ہوئی جب اجماع قطعی ہوگا اور اجماع قطعی وہ اجماع ہوتا ہے جو نقل متواتر سے ہم تک پہنچا ہو جیسا کہ کتب اصول سے ثابت

الاجماع القطعی کالاجماع السکونی المنقول بطریق التواتر۔

(شرح نخبہ الفکر ص ۲۳۳)

جب یہاں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس سے قطعیت ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی نیز شروع سے آج تک مسئلہ فضلیت اختلافی چلا آ رہا ہے۔

جواب: جناب سید زہد حسین شاہ صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے کہ اجماع قطعی کے لیے متواتر منقول ہونا ضروری ہوتا ہے دگر نہ اجماع ظنی ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے کمی مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت کریں۔

مزید یہ کہ جناب سید زہد حسین شاہ صاحب کی نظر تواتر کے لفظ پر تو پڑھ گئی مگر انھیں یہ دھیان نہ رہا کہ تواتر کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے لیے کن کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ تواتر کی مذکورہ اقسام ہیں۔

تواتر لفظی	تواتر معنوی
تواتر طبقہ	تواتر تعامل و توارث
تواتر لفظی وہ ہے کہ تمام راوی ایک جیسے متساوی الفاظ نقل کریں جیسے قرآن کا تواتر اور اس کے اعراب وغیرہ۔	

تواتر معنوی وہ ہے کہ ایک کثیر جماعت اس کو نقل کرے کہ ان تمام کا قدر مشترک متفق علیہ ہو، اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہوں، جیسے جنگوں، جہاد اور بڑے اشخاص کے واقعات، بے شک جو احادیث تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں، ان میں سے اکثر تواتر معنوی کی قسم سے ہیں۔ جیسے مسیح علیٰ نخلین کی احادیث۔ (قرالاقام ص ۱۷۶)

اجماع کے دعویٰ کو جناب سید زہد حسین شاہ صاحب نے تسلیم کیا ہے مگر اس اجماع کو ظنی کہا ہے کیونکہ اس میں تواتر کی شرائط موجود نہیں ہے۔ اب جناب سید زہد حسین شاہ صاحب سے عرض یہ ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ دعویٰ اجماع میں تواتر کی کون سی قسم کے تواتر کا وہ انکار کرتے ہیں۔

کیونکہ تواتر لفظی کا تو ہمارا دعویٰ ہی نہ تھا۔ اور نہ ہی اجماع کا دعویٰ کرنے والوں نے اس کا اظہار کیا ہے۔ فضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع قطعی تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر تعامل اور توارث ثابت ہیں۔ اگر آپ کو رد کرنا ہے تو فضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع کے تواتر پر

تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر تعامل اور توارث کا رد کرنا ہوگا۔ مگر ان تمام دلائل کا تو زانا ناممکنات میں سے ہے۔

اعتراض: جناب سید زہد حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض کتب میں یہ صراحت ہے کہ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضلیت پر اجماع ہوا ہے۔ جو ابان عرض یہ ہے کہ بعض اوقات اکثریت کے قول کو بھی اجماع کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ سب کا اتفاق اور اجماع نہیں ہوتا۔ مثلاً افتہ حنفی کی معروف کتاب ہدایہ شریف میں ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کے منع ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔ علیہ اجماع الصحابہ۔ (ہدایہ اولین ص ۱۲۰)

امام شافعی رحمہ اللہ قرأت خلف الامام کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے محشی لکھتے ہیں اگر اجماع صحابہ ہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ کو ضرور اس کا علم ہوتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے اجماع کا دعویٰ کیوں فرمایا، محشی اس موقع پر علامہ عینی رحمہ اللہ کے حوالے سے ۸۰ صحابہ کرام کے منع قرأت کا ذکر کر کے توجہ فرماتے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ قرأت خلف الامام کے منع ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تو نہیں ہوا البتہ ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی مناعت منقول ہے۔ اس لیے اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے اسے اجماع قرار دیا۔

جواب: اجماع کو اکثر کے درجہ میں لانے کی وجہ کیا ہے؟ بعض اوقات اکثریت کو اجماع کہنا تو ایک طرف ہے مگر کیا یہ قانون ہر جگہ لاگو ہوتا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ اکثر لوگوں کی رائے پر اجماع کا اطلاق کیا جائے۔ مگر اس سے یہ افد کرنا کہ جہاں پر بھی اجماع کا لفظ ہو گا وہ اکثریت کی رائے کو ثابت کرے گا غلط ہے۔

مزید یہ کہ صاحب ہدایہ نے مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو اجماع کہا جو کہ اکثر صحابہ کا قول تھا۔ اب صاحب ہدایہ کے اس قول سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں بھی اجماع کا قول کیا جائے گا وہ اکثریت لوگوں کا قول مراد ہوگا۔

یہ بات بھی ممکن ہے کہ کبھی کبھار صاحب ہدایہ اکثریت پر اجماع کا اطلاق کریں، مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ صاحب ہدایہ ہر جگہ اکثریت سے اجماع مراد لیتے ہیں؟ اور اگر صاحب ہدایہ کا یہ اصول ثابت بھی ہو جائے کہ اکثریت پر وہ اجماع کا اطلاق کرتے

ہیں۔ تو اس بات سے یہ کیسے ثابت ہو جاتا ہے کہ تمام علماء کرام اور محدثین کرام جب بھی اجماع کا قول کریں تو اس سے مراد اکثریت کی رائے ہوگی۔ اسکی مثال اس طرح ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جب راوی پر منکر الحدیث کا اطلاق کریں تو اس سے مراد راوی کا شدید ضعف ہوتا ہے۔ جبکہ اگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کسی راوی کے بارے میں منکر الحدیث کا اطلاق کریں تو اس سے مراد راوی کا تفرّد ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ایک ہے مگر علماء کرام کے استدلال مختلف ہے۔

اسی طرح اگر صاحب ہدایہ اکثریت کے قول پر اجماع کا اطلاق کرتے بھی ہوں تو اس سے یہ مراد لینا کہ ہر عالم اور محدث بھی اجماع کو اکثریت کے قول کے مترادف سمجھتا ہوگا ایک صریح غلطی ہے۔

اعتراض: جناب سید زہد شاہ صاحب غایہ الجمیل ص ۱۶ پر لکھتے ہیں:

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اجماع اس وقت قطعیت کا فائدہ دیتا ہے جب اس کے خلاف کوئی بھی روایت موجود نہ ہو حتیٰ کہ اگر روایت شاذ بھی اجماع کے خلاف آجائے تو بھی ظنیت پیدا کر دیتی ہے اور اجماع سے قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور اس اصول کی تائید میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب تکمیل الایمان ص ۶۱ سے استدلال بھی کیا ہے۔

جواب: مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کے لیے مخالفین کو بڑی مشکل پیش آرہی ہے۔ اور اجماع کو ظنی ثابت کرنے کے لیے خلاف اصول بات سے بھی استدلال کرنے سے مار نہیں کرتے۔ اگر یہ اصول وضع کر دیا جائے کہ اجماع کے خلاف کوئی شاذ قول بھی موجود ہو تو اجماع قطعیت سے ظنیت کے درجہ میں آجاتا ہے۔ اس ضمن میں قادیانی حضرات کے لیے اس اصول کی روشنی میں راہ ہموار کرنا آسان ہو جائے گا لہذا اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ایسے اصول وضع کرنا جو کہ تمام علماء کرام کے ہاں معتبر نہیں ہے، استدلال کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ جبکہ تفصیلیہ حضرات کا مسئلہ افضلیت کو باب العقائد سے نہ ماننا بھی غایۃ التبجیل سے عیاں ہے۔

جناب والا اگر قادیانی نے مسئلہ ختم نبوت کے اجماع پر اثر عباسی رحمہ اللہ سے استدلال کیا تو آپ کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ لہذا اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ایسے اصولوں سے استدلال کرنا کوئی دین کی خدمت نہیں ہے۔ ایک طرف تو ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ مسئلہ افضلیت عقیدہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ مگر دوسری طرف مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے شاذ اقوال ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائے جاتے ہیں۔ اگر آپ اسی اصول سے استدلال کرتے ہیں تو پھر

عرض یہ ہے کہ اسی اصول کے تحت یہ ثابت کر کے دکھادیں کہ اجماع امت دلیل قطعی ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ شیخ محقق شاہ عبدالحق رحمہ اللہ جمہور کے مذہب کے خلاف کوئی قول آجائے اس کی حیثیت تسلیم نہیں کرتے، اس مسئلہ پر تو پھر بھی اجماع ہے۔ اجماع میں شاذ قول کے غلط کا تو سوال ہی نہیں ہوتا۔

شیخ محقق اپنی کتاب تکمیل الایمان ص ۱۶۵ [مترجم] پر لکھتے ہیں:

”بعض علماء کرام نے ابن عبد البر رحمہ اللہ کے اس قول کو مقبول اور معتبر نہیں مانا، کیونکہ یہ ایک شاذ روایت ہے، جو جمہور کے قول کے خلاف ہے، ائمہ جمہور اس ضمن میں اجماعی طور پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل تھے۔“

ایک دوسرے مقام پر شیخ محقق لکھتے ہیں:

”اور کہتے ہیں کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا کلام مقبول نہیں ہے، کیونکہ یہ شاذ روایت ہے جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جمہور نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے۔“

(تکمیل الایمان [مترجم] ص ۱۶۳)

اجماع امت کے خلاف عقیدہ رکھنے کے بارے میں شیخ محقق ایک مقام پر کچھ یوں لکھتے ہیں:

”اگر ابن عربی رحمہ اللہ کے ہاں فرعون کا ایمان درست ہوتا تو امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل علم اجماع ملت کے نظریہ کے خلاف کس طرح اسے صاحب ایمان قرار دے سکتے ہیں۔ دلائل شرعیہ میں اجماع تو قطعی دلیل ہوتی ہے۔ بہر حال ہمیں حیرت ہے کہ اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا جائے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تغافل و اغماض سے کام لیتے ہوئے تکلفاً شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کے قول کا اجماع امت کے مطابق مان لیا جائے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام ائمہ دین کے برعکس حضرت ابن عربی رحمہ اللہ کا ایک قول تسلیم کر لیا جائے اور موجودہ زمانہ کے بعض نادانوں کی طرح اسلام کے پیشوا کے بالکل خلاف جاتے ہوئے فرعون کو مومن تسلیم کر لیا جائے۔“ نعوذ باللہ

من الخلل والذلّ ۷۔ (تکمیل الایمان [مترجم] ص ۱۰۰ ناشر مکتبہ نبویہ لاہور)

اس حوالہ کے بعد شیخ محقق لکھتے ہیں:

”حاصل کلام یہ ہے کہ اعتقاد کے معاملے میں سواد اعظم کے ٹھوس نظریہ سے ہمیں جدا

نہیں رہنا چاہیے اور ائمہ مجتہدین کے تابع ہونا چاہیے۔ خاص کر ان مسائل میں جس میں ساری امت کا اجماع ہے اور اتفاق ہے۔ علیحدہ نہیں جانا چاہیے۔“

(مکمل الایمان [مترجم] ص ۱۰۱ ناشر مکتبہ نبویہ لاہور)

اس حوالہ کے بعد کسی اور تفصیل کی گنجائش نہیں بنتی۔ شیخ محقق نے خود اجماع امت کے خلاف قول کی حیثیت واضح کر دی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب مکمل الایمان میں مسئلہ افضلیت پر اپنی کوئی حتمی رائے پیش نہیں کی۔ بعض لوگ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کو مسئلہ افضلیت کی ظہیریت کے قائلین میں شمار کرتے ہیں جو کہ تحقیق کے برعکس ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اگر علماء اہل سنت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں..... مندرجہ بالا اقتباس ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے میں تھا۔ ہمیں ان کتابوں پر بھی اسی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالنی چاہیے جن میں اس موضوع پر گفتگو کی جائے۔ تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔“

(مکمل الایمان ص ۱۶۹ [مترجم])

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ مسئلہ افضلیت پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا رجحان قطعیت کی طرف ہے اور ابن حجر مکی کے قول پر کسی قسم کا رد بھی نہیں کیا۔

ملا علی قاری اور شتم العوارض میں ظہیریت کے قول کی تحقیق

اس تحقیق کے دوران معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے یہ داویلا چاڑھ کر دیا ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شتم العوارض میں مسئلہ افضلیت کو ظنی کہا ہے۔ اور یہ کتاب شتم العوارض انکی آخری کتابوں میں سے ہے یا پھر شتم العوارض شرح شفاء کے بعد لکھی گئی ہے۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ اس بات پر تھا کہ شتم العوارض میں شرح شفاء کا تذکرہ ملا علی قاری نے کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ شتم العوارض تو ملا علی قاری رحمہ اللہ کی متاخر کتب میں سے ہے۔

جواب: ان احباب میں سے چند لوگوں کی نیت تو صحیح تھی جس کا ثبوت ان کا قلمی رجحان تھا مگر تحقیق

نامکمل تھی۔ اور چند لوگوں نے اس حوالہ پر شور و غوغا مچا رکھا ہے اور پھولے نہیں سمارے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی کتاب شتم العوارض کو متاخر کتاب میں سے شمار کرنا ناقص تحقیقی غلط ہے۔

اول: جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق کہ شتم العوارض میں ملا علی قاری نے شرح شفاء شریف کا ذکر کیا ہے۔ تو اس بابت عرض کر دوں کہ یہ عبارت شتم العوارض کے اس نسخہ میں ہے جو وہابی محقق شیخ آل سلمان کی تحقیق سے چھپا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق اس نسخہ پر لکھی گئی ہے جو کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے تقریباً ۱۴۰ سال بعد لکھا گیا۔ اس نسخہ میں کاتب سے لے کر صاحب نسخہ تک کی ہر بھی مشکوک ہے۔ مزید یہ کہ اس کتاب کے ابتداء میں محقق آل سلمان نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس کتاب کا ذکر ملا علی قاری نے شرح شفاء میں کیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ محقق کے نزدیک بھی شتم العوارض کی تذکرہ شرح شفاء میں بھی ملتا ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شتم العوارض پہلے کی کتاب ہے۔

دوم: یہ کہ میرے پاس شتم العوارض کا ایک محقق نسخہ ہے جس کی تحقیق دکتور مجید غلٹ نے کی ہے۔ جو کہ مرکز فرقان، مصر سے طبع ہے۔ اس محقق نسخہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس تحقیق کی بنیاد ملا علی قاری رحمہ اللہ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ پر ہے۔ اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ مصنف کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ کی اہمیت مسلمہ ہوتی ہے۔ اس نسخہ میں شرح شفاء کا تذکرہ کسی بھی جگہ موجود نہیں ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ شیخ آل سلمان کے نسخہ میں گڑبڑ اور تحریف ہے بلکہ کئی مقامات پر تقابل کے بعد معلوم ہوا کہ بہت ساری عبارتیں الحاقی اور اضافی ہیں۔

سوم: شیخ آل سلمان کے نسخہ میں بھی ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ شتم العوارض لکھنے کی وجہ ایران میں صفوی حکمران اسماعیل صفوی کا قتل عام ہے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسماعیل صفوی کا دور ۹۵۰ھ کے لگ بھگ ہے۔ اور اسی فتنے میں ملا علی قاری کے شیخ بھی شہید ہوئے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ملا علی قاری کی اپنی تصریح کے مطابق اس کتاب کے لکھنے کا سال ۹۵۰ھ یا اس کے کا ہے۔ جو کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا ابتدائی زمانہ بنتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شتم العوارض ملا علی قاری نے اپنے ابتدائی دور میں لکھی۔

چوم: قارئین کی معلومات کے لیے ملا علی قاری رحمہ اللہ کی کتابوں کی تصنیف کا دور درج کیا جاتا ہے۔

فرائد القائد

۱۰۰۳ھ

المصنوع فی معرفۃ الموضوع

ملا علی قاری نے شرح شرح نخبۃ الفکر میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شرح سے قبل کی کتاب ہے۔

شرح شرح نخبۃ الفکر

۱۰۰۶ھ

مرقاۃ المفاتیح

۱۰۰۸ھ

جمع الوسائل

۱۰۰۸ھ

الحرز الثمین

۱۰۰۸ھ

شرح الشفاء

۱۰۱۱ھ

شرح موطا امام مالک

۱۰۱۱ھ - ۱۰۱۳ھ

شرح عین العلم

۱۰۱۴ھ

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شمس العوارض کا تذکرہ اپنی کتاب الاسرار المرفوعہ اور شرح شفاء میں بھی کیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ شمس العوارض ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک ہے۔ اور اس کو متاخر کتابوں میں شمار کرنا غلطی ہے۔

(i) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کا تحقیقی جائزہ:

سید زہد شاہ صاحب غایۃ التبجیل صفحہ ۱۸ و صفحہ ۱۹ مترجم پر لکھتے ہیں:

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر تم میری نصیحت قبول کرو تو صحابہ کرام کے معاملے میں دخل دینے سے اجتناب کرو۔ ان میں سے ہر ایک ہستی سے برابر محبت کرو اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے باز آ جاؤ اگر کسی ایک کی فضیلت کا تمہارے دل پر غلبہ ہے تو اس کو اپنے دل کا راز بنا لو اس کا اظہار تمہارے لیے ضروری تو نہیں ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں ان سے محبت زیادہ رکھو۔ بلکہ تمہارے لیے لازم ہے کہ تم سب سے محبت رکھو سب کی فضیلت و بزرگی کو تسلیم کرو۔ اور صحیح عقیدہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے درست

ہونے کا اقرار کرو۔ ان کی خلافتوں کو برحق تسلیم کرو۔“ (اعلام الہدی صفحہ ۵۳)

جواب:

(i) عرض یہ ہے کہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف مسئلہ افضلیت پر نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے مشاجرات کے بارے میں ہے۔ اس کا دافع ثبوت یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ الاکبر صفحہ ۲۵۶ پر اس قول کو مشاجرات صحابہ کے باب میں نقل کیا ہے۔ لہذا اس قول کو تفضیل کے باب میں لانا صحیح نہیں ہے۔

(ii) اعلام الہدی کے قلمی نسخوں کی عبارت میں کافی تحریف موجود ہے۔ جس سے مطبوعہ نسخہ پر لکھنا اعتماد کرنا فی الحال صحیح نہیں ہے۔ ان میں ۱۲ عدد مخطوطات راقم کی لائبریری میں موجود ہیں۔ مگر فی الحال اس وقت ہم ان نسخوں کی بحث کو مؤخر کر دیتے ہیں۔

(iii) مزید یہ کہ اگر تفضیلیوں کو یہ قول قبول ہے تو اس پر خود عمل کیوں نہیں کرتے؟ ہمیں اس پر عمل کرنے کے مشورے آخر کیوں؟ عوام الناس کو ایسے اقوال دکھاتے ہیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

مزید عرض یہ ہے کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف کے بارے میں کہا ہے: ”لولا التعرف ما عرفنا۔ التعرف یعنی اگر التعرف نہ ہوتی تو ہم تصوف کو نہ پہچان سکتے۔ اس کتاب التعرف میں سیدنا ابو بکر صدیق کی افضلیت کا واضح بیان موجود ہے۔ قال النبی ﷺ لعلی رضی اللہ عنہ ہذان سیدا کھول اہل الجنة من الاولین و الاخرین الا النبیین و المرسلین یعنی ابا بکر و عمر فاخبر صلی اللہ علیہ وسلم انہما خیر الناس بعد النبیین۔ (التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۶۹)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

”اور تعرف میں صوفیہ کے عقائد جن پر ان کا اجماع ہے بیان کیے ہیں وہ سب کسی کمی

ویشی کے اہل سنت کے عقائد ہیں۔“ (اشعۃ المعارف ج ۱ ص ۴۶۲ مترجم)

اس مقام پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسئلہ افضلیت کی طرح چند لوگ اتنی شدت سے مائل ہیں کہ ان کو تو دلائل کی فکر ہے اور نہ مذہب اہل سنت کی اور نہ ہی انہیں جدید علماء کرام کی تحقیق

پر اعتماد ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ کسی نہ کسی شخصیت کو نشانہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے سلف صالحین کی توقیر و عظمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو دراز رحمہ اللہ کا مسلک:

سید اہ حین شاہ صاحب غایۃ التبجیل صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں:

”اس حوالے سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت قطب دکن بندہ نواز گیسو دراز رحمہ اللہ کا فرمان بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں:

”ایک مسئلہ جو زیادہ طول پکڑ گیا ہے وہ صحابہ کرام رحمہم کی فضیلت کا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عند اللہ جس صحابی کو جو فضیلت حاصل ہے کسی کو اس کا علم نہیں ہے بس ہر شخص اپنے اپنے دلائل پیش کرتا ہے لیکن دلائل سے یہ مسئلہ نہیں ہوتا۔“

(شرح جوامع الکلم صفحہ ۱۹۸)

حضرت بندہ نواز رحمہ اللہ کا وصال ۸۲۵ میں ہوا اور آپ نے اس مسئلہ میں تو قوت کو ترجیح دی ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں چند معروضات ہیں:

- ۱- یہ کہ اگر بندہ نواز گیسو دراز رحمہ اللہ اگر تو قوت کے قائل ہیں تو پھر آپ اس موقف پر قائم کیوں نہیں؟ اگر آپ اس موقف پر قائم ہیں تو پھر سیدنا علی رحمہ اللہ کی فضیلت کے قائل کیوں ہیں؟ اور اگر آپ خواجہ بندہ نواز رحمہ اللہ کے موقف سے اتفاق نہیں رکھتے تو پھر یہ قول ہمارے مقابلے میں کیوں پیش کرتے ہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کیوں خواجہ بندہ نواز رحمہ اللہ کے موقف سے انحراف کرتے ہیں۔ اس کی وجوہات بھی قلمبند فرمائی جائیں؟
- ۲- شرح جوامع الکلم کے محقق مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال (قع نظر اس کے کہ وہ وہابی تھا) صفحہ ۴۹ مطبوعہ الفیصل ناشران، لاہور لکھتے ہیں:

”آپ نے اپنے ملفوظات میں بار بار خلفاء راشدین کی فضیلت اس ترتیب سے بیان فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی المرتضیٰ رحمہم۔“

۳- خواجہ بندہ نواز رحمہ اللہ شرح جوامع الکلم صفحہ ۵۹ پر ارشاد فرماتے ہیں:

”ہر گروہ کے مختلف عقائد ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہو گا۔ لیکن مذہب حق یہ ہے کہ

امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رحمہ اللہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔ آپ کے بعد

حضرت عمر رحمہ اللہ آپ کے بعد حضرت عثمان رحمہ اللہ اور آپ کے بعد حضرت علی رحمہ اللہ کا

درجہ ہے۔ نیز تمام صحابہ کرام خدائے برتر کے اولیاء اور مقرب بارگاہ ہیں۔“

خواجہ بندہ نواز رحمہ اللہ کا یہ عقیدہ کیوں نہیں عوام الناس کے سامنے پیش کیا گیا؟ کیا وجہ ہے؟ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ خواجہ بندہ نواز رحمہ اللہ افضلیت صدیق اکبر رحمہ اللہ کے قائل تھے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مسئلہ افضلیت پر فتویٰ کی تحقیق:

سید اہ شاہ صاحب غایۃ التبجیل کے صفحہ ۲۰ اور صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں:

”حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال ہوا کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے افضل ماننے والے کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہیں تو آپ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ) نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ تفضیلیہ دو قسم کے ہیں: ایک قسم وہ لوگ ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت و تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں اور شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور ان کے طریقہ اور روش کی اتباع کرنے، شیخین کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رحمہ اللہ پر ان امور میں جو مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے مگر حضرت علی رحمہ اللہ کی محبت اور پیار میں نہایت سرگرم ہیں اور آپ کے قول و فعل پر عمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں تفضیلیہ کی یہ قسم اہل سنت میں داخل ہے۔ البتہ ان لوگوں نے مسئلہ تفضیل میں خطا کی ہے۔ اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا جمہور اہل سنت سے اختلاف ایراسی سمجھنا چاہیے جیسا اشعریہ ماتریدیہ میں اختلاف ہے اس قسم کے تفضیلیہ کی امامت جائز ہے اور اہل سنت کے بعض علماء و صوفیاء اسی روش پر ہوئے ہیں۔ مثلاً عبدالرزاق محدث اور سلمان فارسی اور حران بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ کا ایراسی خیال تھا۔“

(فتاویٰ عربی فارسی صفحہ: ۱۸۳)

علامہ سید اہ شاہ صاحب پھر صفحہ ۲۱ پر نمبر ۴ کے تحت لکھتے ہیں:

”جو شخص تمام صحابہ کرام رحمہم سے حسن عقیدت رکھتا ہو اور حضرت علی کو ان سے افضل

سمجھتا ہو وہ اہل سنت ہے صحابہ و اولیاء کا پیر و کار ہے۔“

جواب: مقام تعجب ہے کہ تفصیلی حضرات کس طرح اس فتویٰ سے اپنا مطلب نکالتے ہیں؟ جبکہ ان کے موقف پر اس فتویٰ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ غور طلب مقام ہے کہ

۱- سب سے پہلے آپ خط کشیدہ عبارت مکمل ذہن نشین کر لیں۔ کیونکہ اس عبارت میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی کی وہ قسم بیان کی ہے کہ جو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ پر ان امور میں جو مذکور ہوئے فضیلت دیتے ہیں۔ اب اس عبارت میں "ان امور میں جو مذکور ہوئے" بڑی ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ معاملہ یہ ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن میں اہل سنت حضرت شیخین پر حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کو فضیلت ہے۔ ان امور کا ذکر شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل پوچھنے والے سوال میں ذکر کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پچھلے سوال میں کون کون سی فضیلتوں میں افضل کہا ہے ملاحظہ کریں۔ کیونکہ اسی میں عبارت اس کامل موجود ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۴۱۲ مترجم پر لکھتے ہیں:

"حضرات شیخین کی تفصیل حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ پر ہر وجہ سے نہیں ہے بلکہ علماء محققین نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ میں بھی کسی سے ایک صاحب کی تفصیل دوسرے صاحب پر ہر وجہ سے ثابت ہونا محال ہے۔" (یعنی افضلیت جزوی ہر صحابی کو دوسرے صحابی پر ہے مگر اختلاف تو افضلیت مطلقہ پر ہے)

پھر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مراد اس امر سے کہ حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ پر فضیلت ہے یہ ہے کہ حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ پر صرف ان امور میں فضیلت ہے۔ ریاست امت و حفظ دین و سد باب فتنہ و ترویج احکام شرعیہ و ممالک میں اشاعت و اقامت حدود و تعزیرات یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند انجام دینے میں حضرات شیخین کو حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ پر فضیلت ہے۔"

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کی افضلیت جزوی اور شیخین کی افضلیت مطلقہ پر تصریح موجود ہے۔

۲- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں تفصیلی سے مراد ایسے تفصیلی جو کہ "حضرت علی

شیخین کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت اور تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں..... جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ پر ان امور کا اوپر مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے۔" اس عبارت میں واضح طور پر حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کو فضیلت جزوی دینا مراد ہے نہ کہ افضلیت مطلقہ۔

۳- شاہ صاحب کی عبارت میں تفصیلی کا لفظ دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہوئے جبکہ عبارت میں آگے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخین رحمۃ اللہ علیہ پر فضیلت کے لفظ ہیں نہ کہ افضلیت کے۔ جبکہ اختلاف افضلیت میں ہے نہ کہ فضیلت میں۔

۴- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وضع طور پر اپنے فتویٰ میں فضیلت جزوی والے تفصیلی کی امامت کو صرف جائز کہہ رہے ہیں۔ اس فتویٰ میں فضیلت مطلقہ والے تفصیلی کے پچھلے نماز کا کوئی حکم نہیں۔

اس تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ تفصیل جزوی کے بارے میں تھا نہ کہ تفصیل مطلق کے قائل کے بارے میں۔ لہذا ایسے فتویٰ سے عوام الناس کو بہکانا مناسب نہیں ہے۔

۵- نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ فتاویٰ عزیزی میں الحاقات اور تحریفات موجود ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں الحاقات کی شکایت انھی کے زمانے میں لوگوں نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کی تھی حکایت نہ کہ خود شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک خط میں کیا ہے۔ لہذا وہ لکھتے ہیں:

و تعریضات در باب معاویہ ازین فقیر واقع شد اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہ بود کہ بنا پر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے ایٹال یعنی گروہ رافضہ از قدیم بر ہمیں امورات این کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظا۔ و این تعریضات در نسخہ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔

(مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم ۲۶۵-۲۶۶)

۶- دیوبندیوں کے مسلمہ شخصیت اشرف علی تھانوی فتاویٰ عزیزی کے بارے میں مطمئن نہیں ہیں۔ مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

"اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک

ہے۔ (امداد الفتاوی: ج ۵ ص ۳۰۷ طبع مجتہبی، دہلی)

۷۔ دیوبندیوں کی ایک اور مسلمہ شخصیت مفتی شجاع صاحب لکھتے ہیں۔

فتاویٰ عربی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے اور نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں وفات کے کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدبیریں اس میں کی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دی ہو۔ (مقام صحابہ ص ۷۳-۷۵)

لہذا اس تحقیق سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ پر کلیتہاً اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔

۸۔ یہ جواب تو تھا برصورت تسلیم لیکن صحیح بات یہ ہے کہ فتاویٰ عربی کی یہ عبارت شاہ صاحب کی نہیں بلکہ الحاقی ہے کیوں کہ شاہ صاحب سے برصورت منقول ہے کہ افضلیت شیخین قطعی ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدثنا المولى الثقة الثبت سلالۃ العارفين السيد الشريف الفاطمي سيدنا ابو الحسين احمد النوري قال: سمعت شيعي و مرشدي سيدنا و مولانا آل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاه عبدالعزیز الدهلوی يقول: تفضیل الشیخین قطعی و کالقطعی.

ترجمہ: ہم سے بیان کیا ثقہ ثبت سید ابوالحسین النوری نے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ و مرشد سیدنا آل رسول سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے شاہ عبدالعزیز دہلوی سے سنا وہ کہتے تھے کہ افضلیت شیخین قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۷۸)

تو جب شاہ صاحب کے اپنے فرمان سے افضلیت کی قطعیت ثابت ہوگئی تو پھر یہ کسی صورت تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ آپ قطعیت کے منکر کی اقتداء کو جائز کہتے ہوں اور اسے اہل سنت سمجھتے ہوں۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو اصول سے کھلا انحراف ہے جو کہ شاہ عبدالعزیز جیسے عالم سے بعید ہے۔ و

لہذا ہم اس بات کو جو آپ سے برصورت ثابت ہے اس کے منکر نہیں کر سکتے جس کا جو دہی مشکوک ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ کا فتویٰ اور مسئلہ تفضیل:

سید زہد حسین شاہ صاحب صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں:

”امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، الشاہ امام احمد رضا خان رحمہ اللہ سید کی تعظیم و توقیر کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ سید تفضیلی ہو، تب بھی اس کی بکرم و احترام لازمی اور ضروری ہے۔“

سید زہد حسین شاہ صاحب صفحہ ۲۲ پر مزید اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں:

”سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، ان اعمال کے سبب اس سے شرف نہ کیا جائے نفس اعمال سے شرف ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ مکفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی، ہاں اگر اس کی بد مذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری وغیرہ تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو بد مذہب تعظیم سیادت وہی نہ رہی۔“

اور یہ فتویٰ جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے اپنی کتاب مناقب الزہراء رحمہ اللہ ص ۲۲۳، ۲۲۵ پر بھی نقل کیا ہے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ کے اس فتویٰ پر اپنی رائے دینے سے بہتر ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی اپنی تصریح پیش کر دی جائے تاکہ معاملہ واضح ہو جائے اور بڑھنے والے بآسانی فیصلہ کر سکیں۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ ملاحظہ کریں:

”مسئلہ ۸۰۹: اہل سنت و جماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ سیدنا ابو بکر الصديق رضی اللہ عنہ بعد الانبياء علیہ السلام افضل البشرین۔ زید و خالد دونوں اہل سادات میں، زید کہتا ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تفضیل دیتا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ خالد کہتا ہے کہ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفضیل ہے اور ہر سید تفضیلیہ ہے اور تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ نہیں ہوتی بلکہ جو تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ بتائے خود اس کے پیچھے نماز مکروہ

ہوتی ہے۔

الجواب: تمام اہل سنت کا عقیدہ اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر ؓ و فاروق اعظم ؓ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے افضل ہیں۔ ائمہ دین کی تصریح ہے کہ جو مولیٰ علی ؓ کو ان پر فضیلت دے مبتدع بد مذہب ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فتاویٰ خلاصہ، فتح القدیر و بحر الرائق و فتویٰ عالمگیری وغیرہ یا کتب کثیرہ میں ہے۔ اگر کوئی حضرت علی ؓ کو صدیق و فاروق ؓ پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔ غنیہ و رد المحتار میں ہے۔ بد مذہب کے پیچھے نماز ہر حال میں مکروہ ہے۔ ارکان اربعہ میں ہے۔ ان یعنی تفصیلی شیعہ کی اقتداء میں نماز شدید مکروہ ہے۔ تفصیلیوں کے پیچھے نماز سخت مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۶۲۲)

یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس فتویٰ کی تاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ ہے۔ جو کہ علامہ سید زاهد حسین شاہ صاحب کے پیش کردہ فتویٰ سے متاخر ہے۔

قارئین کرام! آپ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں فتویٰ ملاحظہ کریں اور دونوں میں فرق ملاحظہ کریں باقی نتیجہ پڑھنے والے پر مرکوز ہے۔ مگر سید زاهد شاہ صاحب کو کم از کم اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں فتویٰ عوام الناس کے سامنے پیش کر دینے چاہئیں تھے تاکہ ساری بات واضح ہو سکے۔

گولڑہ شریف کے فتویٰ کی تحقیق:

سید زاهد شاہ صاحب صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں:

در بار عالیہ گولڑہ شریف میں صدر مدرس و مفتی حضرت شیخ الحدیث مشاق احمد چشتی مدظلہ العالی سابق شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان سے جب مسئلہ تفصیل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے سجادہ نشین حضرت پیر سید شاہ عبدالحق کیلانی مدظلہ العالی کے ارشاد پر درج ذیل فتویٰ عنایت فرمایا۔

تاریخ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ

حسب ارشاد قبلہ پیر سید شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ

۱۔ ہم جمہور اہلسنت کے مسلک کے مطابق تفصیل شیخین کے قائل ہیں البتہ اگر کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کے فضائل مانتے ہوئے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کوفضیلت دیتا ہے تو ہم اسے اہلسنت و الجماعت سے خارج نہیں سمجھتے کیونکہ صحابہ کرام و اہلبیت اطہار ؓ میں ایسے بزرگوں کے نام ملتے ہیں جو حضرت مولا علی ؓ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے تھے۔

(ملاحظہ ہو مناقب الامامہ الاربعہ شیخ ابوبکر اتقانی صفحہ ۳۰۶)

۲۔ حضرت امیر معاویہ صحابی رسول ؓ میں اور الصحابہ کلہم عدول فی الروایۃ کے حکم میں داخل ہیں۔

جواب: محترم جناب حضرت شیخ الحدیث مشاق احمد چشتی صاحب کا اپنا ایک فتویٰ مسئلہ تفصیل کے متعلق اس وقت کا بھی ہے جب وہ مدرسہ انوار العلوم ملتان میں مدرس تھے اور جامعہ کے مفتی سید مسعود علی قادری تھے۔

لہذا شیخ الحدیث مشاق احمد چشتی صاحب کا اپنا فتویٰ ملاحظہ کیجیے۔

بعد از انبیاء المرسلین تمام مخلوقات الہی انس و جن و ملک سے افضل صدیق اکبر ؓ ہیں پھر فاروق ؓ پھر عثمان غنی ؓ اور پھر مولا علی ؓ۔ جو شخص مولا علی ؓ کو صدیق ؓ یا فاروق اعظم ؓ سے افضل بتائے گمراہ بد مذہب ہے اور اہل سنت سے خارج۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

اصحاب من اجاب سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان ۲۰ دسمبر ۱۹۶۹ء

قارئین کرام! اس فتویٰ کو مفتی محمد غلام سرور قادری صاحب کی کتاب افضلیت سیدنا صدیق اکبر ؓ ص ۱۵۶ پر بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مزید عرض یہ ہے کہ فخر السادات قبلہ پیر سید شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ العالیہ کا فرمان سر آنکھوں پر۔ کیونکہ ایسی ہمتیاں ہمارے لیے باعث فخر اور ہمارے سروں کے تاج ہیں۔ میری کیا مجال کہ میں انکے ارشاد کے بابت کچھ لکھ سکوں مگر انھی کے جد امجد فاتح قادیانیت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے مسئلہ تفصیل کے بارے میں جو رائے قائم کی، میں اس مقام پر لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

”..... چنانچہ مولانا ابوالشکور سہلمی نے تمہید میں تحریر فرمایا ہے..... اور بعض نے کہا سیدنا علی ؓ حضور ؐ سے افضل ہیں تو یہ بات کفر ہے۔ لیکن ان کے وہ اقوال جو بدعت ہیں کفر نہیں بننے وہ یہ ہیں کہ سیدنا علی ؓ حضرات شیخین سے افضل بتائے.....

حررہ: محمد عبدالرحمن حکیم قبلہ عالم مجدد و مولانا جناب پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بقلم خود۔

(فتاویٰ مہریں ۲۳۵-۲۳۶)

بیز حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ ہم افراد کو حق سے جانتے ہیں، حق کو افراد سے نہیں جانتے۔

شیخ محمود سعید ممدوح کی تعریف کے پل:

سید زابد شاہ صاحب صفحہ ۲۳ و صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں:

”شیخ محمود سعید ممدوح عرب کے عظیم محدث اور اہل سنت کے محسن ہیں بالخصوص شیخ

ناصر الدین البانی کے رد میں اہل سنت کے لیے بڑا کام کیا ہے۔“

جواب: کوئی بھی عالم اہل سنت میں اس وقت شمار نہیں ہو سکتا جب تک اس کے تمام عقیدے اہل سنت و جماعت کے نہ ہو۔ اور وہ اسی پر ہی تمام عمر قائم رہے۔ باقی رہا کسی بد مذہب کا رد تو یہ بنیاد نہیں۔ کیوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ابتداء عیسائیوں کا خوب رد کیا تھا اور اس پر کچھ علماء نے اس کی اس وقت تحسین بھی کی تو کیا سید زابد حسین شاہ صاحب مرزا صاحب کے بارے میں بھی کہیں گے کہ وہ تو اہل سنت کے محسن ہیں انہوں نے عیسائیت کا رد کیا۔ علاوہ ازیں محمود سعید ممدوح نے لکھا ہے:

قول الصحابی ليس بحجة۔

کہ صحابی کا قول حجت نہیں۔ (غایۃ التبجیل [عربی] ص ۷۹، مترجم ص ۲۳۰)

تو جب وہ صحابہ جن کے طریقے پر چلنے والا سنی ہو سکتا ہے جیسے وارد ہے کہ ما انا علیہ و اصحابی۔ تو جو ان کے قول کو حجت نہیں مانتا تو ہم اس کے قول و عقیدہ کو جو خلاف اجماع ہے کیسے تسلیم کر لیں۔

سعید ممدوح نے مسئلہ تفصیل میں اہل سنت کی مخالفت کی ہے لہذا وہ علماء اہل سنت کے فتویٰ اور تحقیق کی رو سے بدعتی شخص ہے۔ مزید یہ کہ سعید محمود ممدوح غایۃ التبجیل ص ۲۳۱ مترجم کے حاشیہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سخت قسم کے الفاظ سے رد کیا ہے یہ ہیں سید زابد شاہ صاحب سے سوال کروں گا کہ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل صفحہ ۳۹۱ مترجم پر حضرت عمر بن خطاب

شیخ کا نکاح سیدہ اہم کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے تسلیم کیا ہے۔ اب سید زابد شاہ صاحب بتلائیں کہ آپ کو محمود سعید ممدوح کا یہ موقف قابل قبول ہے کہ نہیں؟ اور دوم یہ کہ سعید ممدوح مسئلہ افضلیت کو باب عقائد سے تسلیم نہیں کرتا جبکہ قبلہ عبدالقادر شاہ صاحب اس مسئلہ کو عقائد کے باب میں داخل کرتے ہیں۔ اس کے جواب پر ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

تو جب ان کے سارے اقوال آپ کو بھی تسلیم نہیں تو آخر اجماع اہل سنت کے خلاف پیش کردہ ان کے موقف کو آپ اہل سنت پر کیوں تھونس رہے ہیں۔



پہلے باب کا جواب

مسئلہ افضلیت پر ظنی اقوال کا تحقیقی جائزہ

مسئلہ افضلیت پر اکابرین نے اپنی اپنی تحقیقی کاوش منظر عام پر لانے کی کوششیں کیں۔ ان کی تحقیق میں تقویٰ اور دیانتداری بھی موجود تھی۔ مگر اس موضوع پر اہم سوال یہ ہے کہ ہم حق کو شخصیات سے جائیں یا شخصیات کو حق سے پہچانیں؟ اگر تو مسئلہ افضلیت میں جذبات اور خیالات کو فوقیت دینی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دلائل دینا ختم کریں اور اس بات کا اقرار کر لیا جائے کہ مسئلہ افضلیت پر دلائل نہیں بلکہ اپنی رائے کو مقدم رکھیں گے۔ ہمارے سلف و صاحبین نے جو اصول و ضوابط وضع کیے پھر ہمیں انہیں نظر انداز کر کے ایک طرف رکھ دینا چاہیے اور مدارس میں پڑھائے جانے والے اصولوں پر پابندی عائد کر دینی چاہیے۔ کیونکہ اگر ان اصولوں کی پاسداری نہیں کرنی تو پھر اپنی زندگی کا اہم حصہ ان اصولوں کو سمجھنے پر ضائع کیوں کیا جائے؟

کسی بھی ممتاز مسئلہ کو حل کرنے کا بہترین حل یہ ہے کہ تسلیم شدہ اصولوں اور ضوابط پر اپنی کامل تحقیق پیش کرنی چاہیے۔ اور دونوں اطراف کے دلائل کا ناقدانہ اور تحقیقی جائزہ پیش کرنا چاہیے۔ مسئلہ افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر آج کل اختلاف یہی ہے کہ ایک طرف جمہور اسے قطعی مسئلہ جانتے اور مانتے ہیں اور دوسری طرف کچھ اصولیین اس مسئلہ کو ظنی بھی کہتے ہیں۔ لہذا عوام الناس تو ایک طرف علماء کرام کا ایک بڑا طبقہ مسئلہ افضلیت کے دلائل سے بے خبر اور لاعلم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اس مسئلہ افضلیت کی طرف توجہ ہی نہیں رہی اور جسکی وجہ اس مسئلہ کا اہمیت میں اتنا ہی ہونا تھا۔

مسئلہ افضلیت کو راقم نے گذشتہ دو سالوں سے ہر جہت اور اصول سے پرکھنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش جاری رکھی۔ مگر بڑا تعجب ہوا کہ اس مسئلہ کو تحقیقی انداز کی بجائے لوگوں نے الزامی طور پر واضح کرنے کی کوشش کی۔ پھر دوسری اہم وجہ اس مسئلہ کو نہ سمجھنا بھی ہے۔ لوگوں کو افضلیت اور

افضلیت کا فرق بھی معلوم نہیں ہے۔ بہت سارے علماء کرام نے کثرت فضائل کو افضلیت کی بنیاد مانا جس سے اس مسئلہ کی قطعیت میں کام نے جنم لیا۔ جس سے اس مسئلہ میں مزید الجھاؤ پیدا ہوا۔ اس پر طرہ امتیاز یہ ہے کہ مسئلہ افضلیت کو افضل مغضول کی امامت میں محصور کر دیا گیا اور اس مسئلہ کو مزید الجھا دیا۔ اپنے اکابرین کو ان کی خطا پر مطلع نہیں کرتے بلکہ اس خطا سے عاجز سمجھتے ہیں۔ جب تک مسئلہ افضلیت کا گہرائی سے مطالعہ نہ ہو اس کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے گی اور غلط راستے پر چلنے کا امکان زیادہ ہے۔ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والے مندرجہ ذیل ائمہ کرام کے اقوال ایک محقق سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل مترجمہ صفحہ ۷۲ تا ۸۱ میں درج کیے ہیں۔

- ۱- امام ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ مناقب الائمہ الاربعہ صفحہ ۹۵، ۵۱۳، ۵۱۴، ۸۱، ۳
- ۲- امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ کتاب الارشاد صفحہ ۳۳۱
- ۳- امام المازری رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ المعلم بغوامض صحیح مسلم ۳/۱۳۸
- ۴- محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ شرح المواہب ۸/۳۷۲
- ۵- ابو العباس القرطبی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ فتح الباری ۴/۳۳، جواہر العقدین للمسموی ۲/۲۵۸
- ۶- امام ہیبت الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ آثار الافکار صفحہ ۳۱۰، ۳۰۹
- ۷- علامہ سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۶۵
- ۸- شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ اعلام الہدی بحوالہ شرح فقہ الاکبر صفحہ ۱۹۳، ۱۹۵
- ۹- فقہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ الصواعق المحرقة صفحہ ۸۹
- ۱۰- علامہ سید حسینی شافعی بحوالہ التریاق النافع علی جمع الجوامع ۲/۲۵۴-۲۵۵

جواب: قارئین کرام! ان مندرجہ بالا اصولیین کے اقوال پیش کر کے جناب سعید ممدوح اور ان کے ہمنوا خود اضطراب کا شکار ہو چکے ہیں۔ سعید ممدوح نے یہ تمام اقوال ”مسئلہ تفضیل کے ظنی ہونے پر متعدد علماء کی تصریحات“ کے باب کے تحت نقل کیے ہیں۔ مگر انہی اصولیین سے اسی مسئلہ میں توقت بھی منتقل ہے۔ اگر ظنی ہے تو توقت کیسا؟ اور اگر توقت ہے تو مسئلہ ظنی کیسا؟

۱- امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

اب اس مقام پر تھوڑی تفصیل درکار ہے تاکہ معاملہ واضح اور آشکار ہو سکے۔

خود سعید مدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں:

”رہے وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہم صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی افضلیت کے قطعیت کے بارے میں توقف کرتے ہیں یا ان سب کی افضلیت میں برابر ہونے کی قطعیت میں توقف کرتے ہیں تو بلاشبہ وہ لوگ حق کے زیادہ قریب ہیں اور دلیل پکڑنے میں زیادہ احتیاط کے حامل ہیں۔“ (حوالہ مناقب الائمۃ الاربعہ صفحہ ۵۱۳، ۵۱۴)

اور امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو پیر سید قبلہ عبد القادر شاہ صاحب نے اپنی تصنیف زبدۃ التحقیق صفحہ ۳۳۰ پر بھی پیش کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں صاحبین کی تحقیق میں امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ توقف کے قائل تھے۔ تو سعید مدوح کو امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ظنی اقوال کے تحت پیش کرنا علمی خیانت اور خلاف تحقیق ہے۔

دوسری طرف سعید مدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۷۳ پر حاشیہ میں امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے فضائل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیش کرنے اور فضائل علی رضی اللہ عنہ کی تاویل کرنے پر شدید اعتراض اور ناراضگی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ حیرانگی ہے کہ پھر بھی مناقب الائمۃ الاربعہ سے بڑی دلیری سے مسئلہ افضلیت پر حوالے بھی پیش کر رہے ہیں۔ میرا سوال ہے کہ کیا سعید مدوح اپنے نظریے کو زبردستی ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر رہے؟ جہاں سے جو بھی حوالہ ملا نقل کر دیا تاکہ عوام الناس کے ساتھ علماء کرام بھی شکوک و شبہات کی گہری وادیوں میں غوطہ زن رہیں۔ اور کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟ اور کیوں اس کتاب کی اشاعت پر اتنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاسکتا ہے؟

نوٹ: خود امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب الانصاف صفحہ ۶۱ پر مسئلہ افضلیت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتقاد کو واجب لکھا ہے۔

و يجب ان يعلم: ان امام المسلمين و امير المؤمنين و مقدم خلق الله اجمعين من الانصار و المهاجرين بعد الانبياء المرسلين: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ امام المسلمین امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مہاجرین اور انصار سے مقدم ہیں۔ (الانصاف ص ۶۱)

جس سے واضح ہو گیا کہ اگر بریل میں متزل مسئلہ افضلیت کو ظنی بھی مانا جائے تو پھر بھی مسئلہ

افضلیت واجب کے درجے میں رہے گا اور یہ سب پر ظاہر ہے کہ واجب اعتقادی کے منکر کا کیا حکم ہوتا ہے؟ یہ واضح رہے کہ مالکی، شافعی اور حنبلی متفقین واجب اور فرض کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

۲۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

دوسرے نمبر پر سعید مدوح نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے بارے میں امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کا قول کتاب الارشاد صفحہ ۲۳۱ سے نقل کیا ہے۔ مگر خود سعید مدوح نے اپنی کتاب زبدۃ التبجیل [مترجم] صفحہ ۸۹ پر امام الحرمین کا قول نقل کیا ہے:

”اور ان کی شان میں وارد ہونے والی احادیث باہم متعارض ہیں لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ میں پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خیالات باہم متعارض ہیں۔ ہمارے لیے مختصر آئینی کافی ہے کہ ملت کے اکابرین اور امت کے علماء کی اکثریت اسی پر متفق ہوئی اور ان کے ساتھ ہمارا حنن ظن اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر وہ اس ترتیب کے دلائل اور علامات کو نہ جانتے تو اس پر متفق نہ ہوتے اور تفصیلاً علامات یہ ہیں۔ قرآن، سنت، آثار اور علامات صحابہ رضی اللہ عنہم۔“

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر ظنی دلیل نہ ہونے کے باوجود امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے کسی دوسرے صحابی کو افضل کہنے کا کوئی فتویٰ صادر نہیں کیا بلکہ جمہور کے قول کو معتبر مان کر عمل کیا۔ جبکہ سعید مدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۸۹ رقم: ۳ کے تحت مذہب اجماع (یعنی اہلسنت و جماعت کا اجماع) اور جمہور کے قول کو شرعی حجت نہیں مانتے۔ جبکہ اس کے برعکس امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے قول کی بنیاد پر ہی مسئلہ افضلیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانا ہے۔

قبلہ سید عبد القادر شاہ صاحب جمہور کی مخالفت کرنے والے کو فائق اور بدعتی مانتے ہیں۔ خیر اس کا فیصلہ تو پڑھنے والے اور علماء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ حق امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے یا شیخ سعید مدوح کی طرف؟ اس کا فیصلہ مشکل نہیں ہے۔

۳- امام المازری رحمہ اللہ کے قول کی تحقیق:

سعید ممدوح نے قیصر احوالہ امام المازری رحمہ اللہ کا دیا ہے۔ امام المازری کو ثنیت کے قائلین میں شمار کرنا علمی بدیانتی اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ امام المازری رحمہ اللہ نے مختلف لوگوں کے اختلافات نقل کیے ہیں۔ لہذا امام المازری صرف ناقل ہیں محقق نہیں ہیں۔ لہذا یہ حوالہ معتبر نہیں ہے۔ خود سعید ممدوح صفحہ ۸۸ پر قول ۷ کے تحت امام مازری رحمہ اللہ کو مسئلہ تفضیل میں توقف اختیار کرنے والوں میں لکھتے ہیں، عجب تضاد ہے۔

مزید برآں یہ کہ امام المازری رحمہ اللہ نے مسئلہ افضلیت کو قطعی ثابت کرنے کے لیے امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ امام المازری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و قول مالک أو فی ذلک شک، یکاد یشیر بہ الی المذہب الذی حکیناہ عن القائلین بالقطع و لکنہ أشار الی التوقف بین علی و عثمان. (المعلم بقواعد المساجد ص ۲۴۱)

لہذا امام المازری رحمہ اللہ کو مسئلہ افضلیت میں ثنیت کے قائلین میں شمار کرنا شیخ سعید ممدوح کا دہل اور فریب ہے۔

۴- محقق شریف جرجانی رحمہ اللہ کے قول کی تحقیق:

محقق شریف جرجانی رحمہ اللہ کا حوالہ سعید ممدوح نے خود صفحہ ۷۶ کے مآخذ میں نقل کر دیا: ”اور امامت (خلافت) کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت کے متعلق قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس کا فائدہ و نتیجہ ظن ہے کیسے؟ اس لیے کہ مفضول کی امامت فاضل کی موجودگی میں صحیح نہ ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ لیکن ہم نے سلف کو یہ فرماتے ہوئے پایا کہ ابو بکر افضل ہیں، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رحمہم اللہ ہیں۔ ان حضرات ائمہ کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ انہیں اس کا اہل نہ جانتے تو ان پر افضلیت کا اطلاق نہ کرتے۔ پس ہمیں اس قول میں ان کی اتباع واجب ہے۔“

اس کے بعد حاشیہ میں ممدوح لکھتا ہے:

”زیر بحث مسئلہ میں اختلاف سامنے آنے کے بعد وجوب کا قول عمل نظر ہے۔“

بڑی حیرانگی ہے کہ جہاں تو ظنی کا لفظ ملا اسے تو قبول کر لیا۔ مگر جہاں حضرت ابو بکر صدیق رحمہ اللہ کو افضل ماننے کو واجب کہا اس پر اعتراض داغ دیا۔ کیا اسی کو تحقیق کہتے ہیں؟ اللہ ہمیں اپنے نفس کے شر سے محفوظ رکھے۔

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محقق جرجانی رحمہ اللہ کے نزدیک اس مسئلہ میں ظن بالمعنی وجوب کے ہے۔ اور سلف کا عقیدہ ماننا حجت اور واجب ہے۔

۵- ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ کے قول کی تحقیق:

امام ابو العباس القرطبی رحمہ اللہ کو مسئلہ افضلیت میں ثنیت کے قائلین میں شمار کرنا دہل و فریب اور جھوٹ ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ امام ابو العباس القرطبی رحمہ اللہ تو مسئلہ افضلیت کو قطعی لکھتے ہیں۔

أفضليته بعد رسول الله ﷺ عند أهل السنة وهو الذي يقطع به من الكتاب والسنة. أبو بكر الصديق رحمہ اللہ، ثم عمر الفاروق رحمہ اللہ، ولم يختلف في ذلك أحد من أئمة السلف ولا الخلف، ولا مبالاة بأقوال أهل التشيع، ولا أهل البدع.

(المعجم لما أشكل من تلخيص صحيح مسلم ج ۶ ص ۲۳۸ باب فضائل ابو بکر صدیق رحمہ اللہ طبع دار ابن کثیر دمشق، بیروت)

امام ابو العباس قرطبی نے تو واضح طور پر شیخین کی افضلیت کو قطعی مانا ہے۔ جہاں تک ان کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یاد رہے کہ محدثین اور علماء کرام مسئلہ تفضیل میں دو نکات پر کلام کرتے ہیں۔

اول تفضیل شیخین کا مسئلہ۔ جس پر اجماع امت ہوا اور یہ مسئلہ قطعی ہے۔

دوسرا تفضیل ختمین کا مسئلہ۔ جس پر شروع میں اختلاف ہوا اور بعد میں جمہور افضلیت حضرت عثمان رحمہ اللہ کے قائل ہوئے۔ اس مسئلہ کو علماء کرام نے ظنی کہا۔

لہذا اسی مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد اختلف أئمة أهل السنة في علي رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ. وقد روى عن مالك أنه توقف في ذلك وروى عنه أنه رجع إلى ما عليه الجمهور. وهو الأصح إن شاء الله والمسئلة اجتهادية لا قطعية.

(المعجم لأئمة أهل السنة من تلخيص صحيح مسلم ج ۶ ص ۳۸ باب فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طبع دار ابن کثیر دمشق بیروت)
اس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ امام قرطبی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین مسئلہ افضلیت کو طینی کہا ہے نہ کہ تحقیق کی افضلیت کو۔ معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح نے اس عبارت کو پیش کر کے فریب اور دجل سے کام لیا ہے۔

۶۔ امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت کو طینی کہنے والوں میں لکھا ہے۔ مگر خود صفحہ ۷۸ پر ہی ابکار الافکار صفحہ ۳۱۰ کے حوالہ سے مسئلہ افضلیت پر توقف کرنے کو امام آمدی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ جس سے تضاد واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ظہیریت اور توقف کے اقوال میں طرق بعید ہے۔ شیخ ممدوح نے ظہیریت کے باب میں توقف کے قول درج کیے ہیں اور اس طرح اس کا برعکس بھی ہے۔

مزید یہ کہ یہ تحقیق امام سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی نہیں بلکہ اپنے اصحاب کی تحقیق نقل کر رہے ہیں۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غایۃ المرام صفحہ ۳۲۲ پر لکھتے ہیں کہ تعارض استدلال کو ماقلاً کر دیتا ہے اور عمل صرف اجماع مسلمین اور مجتہدین پر ہے۔ بلکہ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ويجب مع ذلك أن يعتقد أن أبا بكر أفضل من عمرو أن عمر أفضل من عثمان و أن عثمان أفضل من علي وأن الأربعة أفضل من باقي العشرة.

ترجمہ: یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

سے افضل ہیں۔ اور یہ چاروں بزرگ عشرہ مبشرہ کے دیگر نفوس قدسیہ سے افضل ہیں۔ (غایۃ المرام ص ۳۲۱)

لہذا اگر علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول (کہ مسئلہ افضلیت طینی ہے) کو مان لیا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک طینی بھی واجب کے درجے میں ہے۔ لہذا طینی کہہ کر بھی سعید ممدوح کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔ لہذا طینی اقوال پر بغلیں بجانا فضول ہے۔

۷۔ محقق علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

محقق علامہ سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل صفحہ ۷۸ پر مسئلہ افضلیت کو طینی کہنے والوں میں شمار کیا ہے۔ مگر خود اسی حوالہ میں شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۶۵ میں علامہ سعد تفتازانی کو اس مسئلہ پر توقف کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ مسئلہ افضلیت میں توقف کا عقیدہ رکھنا اور مسئلہ افضلیت کو طینی کہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اہم بات یہ کہ غایۃ التبجیل مترجم طبع کر دانے والے محترم سید زاہد حسین شاہ صاحب کے لیے بھی قابل احترام سید عبدالقادر شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق صفحہ ۳۳۳ پر علامہ سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ افضلیت پر توقف کے قائلین میں شمار کیا ہے۔ یہ فیصلہ قارئین ہی کریں کہ سعید ممدوح تو ہیڈنگ طینی اقوال کے دے اور درمیان میں دلائل توقف کے بھرتی کر دے۔ کیا یہی علمی روش اور تحقیق ہے؟ عوام الناس کو اس قسم کا دھوکا دے کر حق اور کج کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ البتہ اپنا نامہ اعمال ضرور سیاہ کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تحقیق:

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بھی طینی اقوال کے تحت لکھا۔ مگر پیش کردہ حوالہ سے ان کا اس مسئلہ پر توقف کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ پیش کردہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت صحابہ کے مشاہرات کے بارے میں ہے نہ کہ افضلیت کے باب میں ہے۔ اور قبلہ عبدالقادر شاہ صاحب نے بھی زبدۃ التحقیق صفحہ ۳۳۱ پر علامہ شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو توقف کا حامی لکھا ہے۔ لہذا ایسے اقوال کو ظہیریت کے باب میں نقل کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

۹- فقیہ ابن جریر کی بیعت کے قول کی تحقیق:

فقیہ ابن جریر کی بیعت خود فتاویٰ مدنیہ میں مسئلہ افضلیت کو قطعی لکھتے ہیں۔ امام ابن جریر کی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی تین خلفاء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی دو خلفاء پر اجماع اہل سنت سے ثابت ہے۔ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اور اجماع مفید قطعیت ہے۔“ (الفتاویٰ المدنیہ ص ۲۰۸ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

لہذا امام ابن جریر رضی اللہ عنہ کو مسئلہ افضلیت میں غلیت کے قائلین میں شمار کرنا غلطی ہے۔ خود شیخ ممدوح نے غایۃ التبجیل ص ۸۰ پر لکھا ہے:

”اس مسئلہ افضلیت کے ظنی اور اجتہادی ہونے کے اثبات میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے، کیونکہ کبھی وہ اس میں اجماع کا سنایا اور کبھی تصریح کرتے ہیں۔“

جناب! جب آپ کے نزدیک علامہ ابن جریر کی بیعت کے دونوں اقوال پائے جاتے ہیں تو پھر ابن جریر کی بیعت کے قول کو غلیت کے باب میں لکھنا کیا علمی خیانت نہیں ہے؟ جب کہ اس کے برعکس حافظ ابن جریر کی بیعت کا واضح فتویٰ قطعیت کا موجود ہے۔

۱۰- علامہ سید ابو بکر بن شہاب حضری کے قول کی تحقیق:

سید ابو بکر بن شہاب حضری کا حوالہ ہمارے خلاف نقل کرنا اصول کے خلاف ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح نے انکا عقیدہ چھپا کر خیانت سے کام لیا ہے۔ علامہ سید ابو بکر بن شہاب حضری کے بارے میں علماء کرام کی یہ رائے ہے کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے۔

(ملاحظہ کریں، ارقیۃ الثانیہ ص ۳۵)

علامہ جمال الدین قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

من الزیدیۃ مع تشیع ظاہر و عدوان سافر علی الصحابی کاتب الوحی و خال المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: یعنی سید ابو بکر بن شہاب حضری زیدیوں میں سے تھے اور ان کا تشیع واضح اور ظاہر تھا اور

اس کی دشمنی امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تھی۔

(الرسائل المتبادرہ ص ۱۳۰ و ص ۲۱۱)

مزید عرض یہ بھی ہے کہ سید ابو بکر انحضری امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا منکر ہے اور محدثین کرام کا دشمن ہے۔ ایسے لوگوں کے حوالہ جات پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرم محسوس کرنی چاہیے۔

اس مذکورہ بالا محقق سے ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے کہ شیخ محمود سعید ممدوح بھی سید ابو بکر انحضری کے حامیوں میں سے ہے۔ شیخ ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۸۰ مترجم پر سید ابو بکر انحضری کو عظیم الشان علماء میں شمار کیا ہے۔ بلکہ انٹرنیٹ پر شیخ محمود سعید ممدوح کی ایک تقریر ہے جس میں اس نے انحضری کی بڑی تعریف اور اس کی کتابوں کی توثیق کی ہے اور ان کتابوں کے علمی عظمت کا اقرار کیا ہے جس میں سید انحضری نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا انکار اور ان پر لعن طعن کی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ خود شیخ محمود سعید ممدوح بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا منکر اور ان پر لعن طعن کو جائز سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس شر سے محفوظ فرمائے۔

نتیجہ: اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ

(i) سعید ممدوح نے عوام الناس کو بہکانے کے لیے توقف والے اقوال غلیت کے باب میں نقل کیے تاکہ لوگ یہ بھی مان لیں کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی ماننے والے بھی ہیں۔

(ii) پیش کردہ حوالوں میں خود امام باقرانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب الانصاف صفحہ ۶۱ پر افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتقاد کو واجب لکھتے ہیں۔ امام الحرمین رضی اللہ عنہ محقق شریف جربانی رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ کو ماننا واجب لکھتے ہیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ اگر بریل متزل مسئلہ افضلیت کو ظنی بھی ماننا جائے تو پھر بھی مسئلہ افضلیت واجب کے درجے میں رہے گا اور ظاہر ہے کہ واجب اعتقادی کے منکر پر حکم اور ہوتا ہے۔

(iii) ظن کا مطلب یہ کہ انکا مسئلہ افضلیت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں جو شخص کسی کو بھی افضل مان لے اس کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا۔ یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ اگر یہ عقیدہ رکھنا ضروری نہیں تو ہمارے سلف و صالحین اور اکابرین نے پھر کیوں یہ عقیدہ اپنایا اور اظہار عقیدہ کو کیوں ضروری سمجھا۔ لہذا ایسی باتوں کے ذریعے عوام الناس پر ایجنڈا مسلط کرنا غلط ہے۔ اس پر یہ عرض کر دوں کہ محمود سعید ممدوح اس مسئلہ کو تحقیقی طور پر ظنی ثابت نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس

کے پیچھے اس کی پالیسی یہ ہے کہ ظن کہہ کر مسئلہ افضلیت کو مشکوک بنایا جائے اور پھر اپنا عقیدہ لوگوں میں پھیلا یا جائے اس مقام پر میں ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہہ کر کسی کو بھی افضل ماننے اور کہنے کا موقع صحیح نہیں ہے۔ سعید ممدوح اور تفضیلیوں کو یہ معلوم ہے کہ اگر ہم مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کر دیں تو کسی کو بھی افضل کہنا آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ تفضیلی حضرات مولانا علی المرتضیٰ شکیل کشاکش کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر عوام الناس کو مولانا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت والی روایات بتا کر مولانا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل ثابت کر دیا جائے کیونکہ عوام الناس کو یہ معلوم نہیں کہ فضیلت علیحدہ چیز ہے جبکہ مسئلہ افضلیت ایک منفرد اور جدا چیز ہے۔ لہذا عوام الناس کو اس دھوکے سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

سعید ممدوح کا اصولیین پر اعتراض

سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں مختلف ائمہ کرام کے ظنی اور توقف والے اقوال نقل کیے ہیں۔ مگر ان میں پیش کردہ اقوال میں ائمہ کرام نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانا ہے جبکہ امام باقرانی رحمہ اللہ، امام الحرمین اور محقق جرجانی اور ابن حجر مکی رحمہم اللہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا واجب سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان حوالوں کو نقل کرنے کے بعد سعید ممدوح ان ائمہ کرام سے بیزار نظر آتا ہے۔ جس کا شکوہ سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل [مترجم] صفحہ ۸۹ پر کرتا ہے: ”در اصل جب ائمہ نے اپنی منشاء غرض اور مطلب کے مطابق ظنی دلائل نہیں پائے تو وہ استدلال کی طرف چلے گئے اور افضلیت کے اثبات میں مذہبی اجماع یا جمہور کے قول کی جانب منتقل ہو گئے اور یہ دونوں شرعی حجت نہیں ہیں۔“

سعید ممدوح کے قول سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ ائمہ کا اپنی منشاء غرض اور مطلب کے مطابق دلائل نہ پانا۔

۲۔ افضلیت کو ثابت کرنے کے لیے مذہبی اجماع اور جمہور کے قول کو ماننا۔

۳۔ مذہبی اجماع اور جمہور کا قول حجت نہیں۔

تبصرہ:

اب ان مندرجہ بالا نکات پر تحقیقی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

(i) سعید ممدوح کی عبارت سے یہ واضح ہوا کہ ائمہ اصولیین کو اپنی منشاء غرض اور مطلب کے مطابق مسئلہ افضلیت میں دلائل نہ ملے۔ اگر ان ائمہ کو مسئلہ افضلیت میں ان کے مطابق دلائل نہیں ملے تو کیا دوسرے محققین کو بھی وہ دلائل نہیں ملے ہوں گے؟ بہت سارے محققین اس مسئلہ میں دلائل واضح کر چکے ہیں اور اس مسئلہ کو قطعی لکھ چکے ہیں۔ لہذا ان چند اصولیین کا نہ جاننا دوسروں پر حجت ہوگا؟ نیز مسلمہ اصول ہے کہ جاننے والے پر حجت ہے۔ جیسا کہ موصوف خود لکھ رہے ہیں کہ وہ ان من علم حجة علی من لم یعلم۔ جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت ہوتا۔ (غایۃ التبجیل ص ۷۹ عربی)

(ii) سعید ممدوح نے خود تصریح کی ہے کہ دلائل نہ ملنے کے بعد یہ ائمہ مذہبی اجماع اور جمہور کے قول کے مطابق مسئلہ افضلیت میں پھر بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی افضل مانتے ہیں اور یہ کہ اس مسئلہ افضلیت میں وہ مذہبی اجماع (اہل سنت کا اجماع) اور جمہور کا قول ان کے نزدیک حجت ہے اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔

(iii) سعید ممدوح آخر میں لکھتا ہے کہ مذہبی اجماع (اہل سنت کا اجماع) اور جمہور کا قول حجت نہیں ہے۔ بڑی حیرانگی ہے کہ ائمہ کرام مذہبی اجماع اور جمہور کے قول پر عمل کرنے کو واجب لکھیں جیسے کہ امام الحرمین رحمہ اللہ نے کتاب الارشاد صفحہ ۳۳۱ اور محقق شریف جرجانی نے شرح المواقف ۸/ ۳۲۲ اور امام باقرانی رحمہ اللہ نے الانصاف صفحہ ۶۱ پر واضح تصریح کی ہے۔ مگر سعید ممدوح صاحب ان کو نہ ماننے کا برملا اظہار کریں۔ مزید یہ کہ کہاں کی تحقیق ہے کہ ان ائمہ کرام کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنا تو مانیں مگر انہی ائمہ کرام کا مسئلہ افضلیت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا واجب ہے کے قول سے انحراف کریں۔ انہی ائمہ کرام کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنا تو مانیں مگر مسئلہ افضلیت کو جمہور اور اجماع سے ثابت کرنے پر اظہار ناراضگی۔ یہ ہے ایسی تحقیق پر اور ایسی تحقیق انہی تفضیلیوں کو ہی مبارک ہو۔

مسئلہ افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ظنی اور قطعی کی بحث آخر کیوں؟

قارئین کرام! یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس مسئلہ کو ظنی اور قطعی کی بحث سے تفصیلیہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تفصیلیہ اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر اپنی جان خلاصی کرانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ تفصیلیہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسئلہ ظنی کی کسی بھی پہلو کو اخذ کرنے والوں پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔ یہ بحث اس مسئلہ میں سب سے اہم ہے۔ یہ بات تو تفصیلیہ کو بھی مسلم ہے کہ افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ظنی مسئلہ ہے جس سے انھوں نے خود اس مسئلہ میں توقف کرنے والوں سے اختلاف کیا اور ان کے موقف کو نہیں مانا ہے۔ لہذا توقف والے اقوال ہمارے خلاف پیش کرنا انہیں زیب نہیں دیتا ہے۔

اب اس مسئلہ کے بارے میں دونات بڑے توجہ طلب ہیں۔

اول یہ کہ مسئلہ افضلیت کو بعض نے قطعی کیوں کہا؟ اور بعض نے اس مسئلہ کو ظنی کیوں کہا؟

دوم یہ کہ ظنی کہنے والوں نے مسئلہ تفصیل کو واجب بھی کہا۔ لہذا ظنی مسئلہ کو واجب کیوں کہا؟

اس اہم نکات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ کریں:

۱۔ مسئلہ افضلیت کو جمہور نے قطعی کہا اور بعض نے اس مسئلہ کو ظنی کہا کسی مسئلہ میں قطعی اور ظنی کا

اختلاف کیوں ہوتا ہے اور اس کا جواب کیا ہے؟ اس مسئلہ کو حافظ ابن قیم یوں بیان کرتے ہیں۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق کوئی ذی عقل نزاع نہیں کر سکتا۔ زید کے نزدیک کبھی وہ دلیل

قطعی ہوتی ہے جو عمرو کے نزدیک ظنی ہے۔ لہذا ان کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث جو امت

میں رائج ہیں علم کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ ظنی ہیں۔ تو اس سے وہ اپنی حالت کی خبر دے رہے ہوتے

ہیں کہ جب استفادہ علم کے ان منکرین کو ان طریقوں پر دسترس حاصل نہ ہوئی جو محدثین کو حاصل تھی تو

انہوں نے اس سے یہ مطلب سمجھا کہ اخبار آحاد مفید علم نہیں ہیں۔ لیکن ان حدیثوں سے علم کا فائدہ نہ

اٹھانا اس سلسلہ کی عام نفی کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ اس کی مثال تو اس شخص جیسی ہی ہوگی جسے کوئی چیز

حاصل نہیں ہوئی یا اسے اس چیز کے بارے میں علم نہ تھا تو وہ یہ سمجھ لے کہ کسی کو وہ چیز حاصل نہیں

ہوئی یا اس چیز کا کسی کو بھی علم نہیں ہے۔ اس کی دوسری مثال اس شخص جیسی بھی ہو سکتی ہے جو

تکلیف محنت یا لذت کے احساس سے عاری ہو اور اپنے طبائع کے باعث یہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی

شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں یہ احساسات پائے جاتے ہوں، اس طرح کی بہت سی مثالیں

پیش کی جاسکتی ہیں جن کی غایت صرف یہ ہوگی کہ جو چیز تم کو حاصل ہوئی ہے وہ مجھے نہیں ملی، اگر وہ بات اصلاً حق ہوتی تو ہم دونوں کو اس کے حصول میں مشترک ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ اس کے

حصول میں تم منفرد ہو لہذا لازماً یہ باطل ہی ہوگی۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲ ص ۳۲۲)

حافظ ابن قیم ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”اگر افادہ علم کے منکرین یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیثیں موجب علم نہیں ہیں تو

یہ لوگ دراصل اپنے متعلق اس بات کی اطلاع دیتے ہیں کہ انہوں نے ان حدیثوں

سے علم حاصل نہیں کیا ہے۔ اپنے متعلق یہ اطلاع دینے میں یقیناً وہ صادق القول

ہیں مگر جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ یہ احادیث محدثین کے لیے بھی مفید

علم نہیں ہوتیں تو اس بارے میں ان کا جھوٹ واضح ہے۔“

(الصواعق المرسلہ ص ۲ ص ۳۷۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو مزید واضح انداز میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

لا يحصل العلم بصدق الخبر منها الا لعالم بالحدیث المتبحر

فيه العارف بأحوال الرواة المطلع على العلل وكون غيره لا

يحصل له العلم بصدق ذلك لقصوره عن الأوصاف المذکورة

لا ینفی حصول العلم للمتبحر۔ (شرح نخبہ الفکر ص ۶۳)

ترجمہ: یعنی کسی خبر واحد کے صدق کا علم صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو فن حدیث کا بقیہ عالم ہو،

احوال رواۃ کو جانتا ہو اور روایات کے علم وغیرہ سے بھی باخبر ہو، جو شخص ان اوصاف

مذکورہ سے تہی دامن ہو اور اس وجہ سے اسے صدق خبر کا علم حاصل نہیں ہوتا ہو تو اس

کا عدم علم کسی بقیہ عالم کے علم کی نفی نہیں کر سکتا۔

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ علماء کرام میں اس مسئلہ کو قطعی اور ظنی کہنے کا اختلاف صرف

اور صرف اپنی تحقیق کے مطابق تھا۔ اس تحقیق میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جس نے بھی اس مسئلہ کو

ظنی کہا اس نے اس مسئلہ کو قطعی کہنے والوں پر نہ تو رد کیا اور نہ ہی اس کے استدلال کو غلط لکھا۔

۲۔ اب رہا یہ نکتہ کہ مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے والوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی تمام صحابہ سے

افضل کیوں کہا؟ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب کیوں لکھا؟

علماء کرام جنہوں نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب لکھا ہے ان کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام باقرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الانصاف صفحہ ۶۱ پر مسئلہ افضلیت پر اعتقاد کو واجب لکھا ہے:

و یجب ان یعلم: ان امام المسلمین و امیر المؤمنین و مقدم خلق اللہ اجمعین من الانصار و المهاجرین بعد الانبیاء المرسلین: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: یہ جاننا واجب ہے کہ امام المسلمین امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مہاجرین اور انصار سے مقدم ہیں۔ (الانصاف ص ۶۱)

ب۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و یجب مع ذلک ان یعتقد ان أبابکر أفضل من عمرو و أن أفضل من عثمان و أن عثمان أفضل من علی و أن الاربعة أفضل من باقی العشرة۔ (غایۃ المرام ص ۳۳۱)

ج۔ محقق شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ شرح المواقف ج ۸ ص ۷۲ پر لکھتے ہیں:

”لیکن ہم نے سلف کو یہ فرماتے ہوئے پایا کہ ابو بکر افضل ہیں، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان حضرات ائمہ کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ انہیں اس کا اہل نہ جانتے تو ان پر افضلیت کا اطلاق نہ کرتے۔ پس ہمیں اس قول میں ان کی اتباع واجب ہے۔“

د۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کا قول کتاب الارشاد صفحہ ۳۳۱ میں یوں ہے:

”لیکن غالب گمان یہی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عثمان اور علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خیالات پر ہم متعارض ہیں۔ ہمارے لیے مختصر ایسی کافی ہے کہ ملت کے اکابرین اور امت کے علماء کی اکثریت اسی پر متفق ہوئی اور ان کے ساتھ ہمارا حسن ظن اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر وہ اس ترتیب کے دلائل اور علامات کو نہ جانتے تو اس پر متفق نہ ہونے اور تفصیلاً علامات یہ ہیں۔ قرآن، سنت، آثار اور علامات

صحابہ رضی اللہ عنہم۔“

اب ہم اس نکتہ کو واضح کرتے ہیں کہ علماء کرام نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کیوں کہا؟ علماء کرام کا مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء کرام کے نزدیک افضلیت کے دلائل یا تو خبر احاد ہیں یا ظنی دلالت ہیں۔ اور خبر احاد اور ظنی دلالت سے علم یقینی اور قطعیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ مسئلہ افضلیت کے بارے میں اخبار احاد اور ظنی الدلالت ہونا ان علماء کرام کے ہی نزدیک ہے جبکہ جمہور علماء کرام مسئلہ افضلیت کی بابت روایات کو متواتر ثابت کرتے ہیں جو کہ قطعیت کو ثابت کرتے ہیں۔ لہذا ان دونوں کا دعویٰ ان کے اپنے علم کے مطابق ہے جیسا کہ ابن قیم نے تصریح کی ہے۔

سوال: ان علماء کرام نے مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کو واجب کیوں کہا؟ یا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہی دیگر صحابہ کرام سے افضل کیوں کہا؟

جواب: اس بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

(اول) اخبار احاد (خبر واحد ظنی) جس کو اہل علم کے ہاں قبولیت حاصل ہو، علم یقینی (قطعی) کا فائدہ دیتی ہے۔

(دوم) اگر خبر واحد (ظنی) میں قرآن موجود ہوں تو وہ ظن کے درجہ سے ترقی کر کے قطعیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ ان دونوں نکات کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال ملاحظہ کریں۔

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اخبار احاد جو مشہور، عزیز اور غریب میں منقسم ہیں، میں بعض اوقات ایسی صفات واقع ہوتی ہیں کہ جو علی المختار قرآن کے ساتھ علم نظری (وہ علم جو نظر و استدلال سے حاصل ہو) علم نظری افادہ پر استدلال کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس کے حصول کے لیے اہلیت نظر ہو نا شرط ہے۔ تحفۃ اہل نظر ص ۱۱) کا فائدہ دیتی ہے برخلاف ان علماء کے جنہوں نے اس چیز کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ یہ اختلاف درحقیقت لفظی ہے کیونکہ جو لوگ اطلاق علم کے جواز کے قائل ہیں وہ اسے علم نظری قرار دیتے ہیں جو کہ استدلال کا حاصل ہوتا ہے۔ جن محدثین نے اخبار احاد کے مفید علم ہونے کا انکار کیا ہے ان

کے نزدیک لفظ علم کا اطلاق صرف متواتر کے لیے خاص ہے اور باقی اخبار کو وہ ظن قرار دیتے ہیں لیکن اس اختلاف کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ جس خبر واحد میں قرآن صحت پائے جاتے ہوں وہ اس خبر واحد سے ارجح ہے جو ان قرآن سے خالی ہو۔ (زبدۃ القرمص ۲۴، فتح المغیث ج ۱ ص ۶۰)

۲- علامہ آمدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

والمختار حصول العلم بخبره اذا احتفت به القرائن و یمتنع ذلك عادة دون القرائن۔ (الاحكام لآمدی ج ۲ ص ۵۰)

ترجمہ: یعنی پسندیدہ اور مختار مذہب یہی ہے کہ اگر قرآن موجود ہوں تو (خبر واحد سے) علم (یقین) حاصل ہوگا لیکن بغیر قرآن کے حصول میں علم (یقین) عادیہ منع ہے۔

۳- قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وجود القرائن التي تحف الخبر فترقيه عن الظن الى القطع۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۳۸۱)

ترجمہ: یعنی (خبر واحد میں) اگر قرآن موجود ہوں تو وہ ظن کے درجہ سے ترقی پا کر قطعیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

۴- ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں:

”خبر واحد سے علم نظری حاصل ہوتا ہے یعنی ایسا علم جو غور فکر اور استدلال پر موقوف ہوتا ہے۔“ (تیسیر مصلح المدین ص ۲۲)

۵- علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

ان الخلاف في افادة خبر الأحاد الظن او العلم مقيد بما اذا كان خبر الواحد لم ينضم اليه ما يقويه و اما اذا انضم اليه ما يقويه او كان مشهورا او مستفيضاً فلا يجوز فيه الخلاف المذکور۔ (ارشاد المحول ص ۳۹)

ترجمہ: یعنی افادہ اخبار احاد کے بارے میں ظن یا علم کا اختلاف اس چیز سے مقید ہے کہ جب خبر واحد میں کوئی تقویت بخش قہرہ نہ ہو، لیکن اگر کوئی تقویت بخش چیز اس کے

ساتھ ضم ہو یا وہ خبر مشہور یا مستفیض ہو تو اس بارے میں افادہ علم یا ظن کا مذکورہ اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۶- امام ابو اسحاق فیروز آبادی شیرازی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خبر الواحد الذي تلقته الأمة بالقبول يقطع بصدقة سواء عمل به الكل أو عمل البعض وتأوله البعض۔

(المع فی اصول الفیروز آبادی ص ۳۰)

ترجمہ: یعنی وہ خبر واحد (خبر احاد) جس کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہو، وہ قطعی الصدق ہے۔ خواہ اس پر تمام لوگ عمل کرتے ہوں یا صرف بعض لوگ اور خواہ بعض اس کی تاویل ہی کرتے ہوں۔

۷- قاضی صدر الدین ابن ابی العزہ حنفی فرماتے ہیں:

و خبر الواحد اذا تلقته الأمة بالقبول عملاً به و تصديقاً له يفيد العلم عند جماهير الأمة و هو أحد قسمي المتواتر۔

(شرح العقیدہ الخاوری ص ۳۳۹ طبع مکتبہ السلفیہ لاہور)

ترجمہ: یعنی خبر واحد کو جب امت نے عملی طور پر قبول کیا ہو اور اس کی تصدیق کی ہو تو جمہور امت کے نزدیک وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور یہ بھی متواتر کی ایک قسم ہے۔

۸- علامہ بلقینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جمہور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر خبر واحد (حنفی روایات) کو امت کے نزدیک تلقی بالقبول حاصل ہو تو یہ اس کے لیے بمعنی تصدیق ہے اور اس پر امت کا عمل ہونا موجب علم ہے۔ اس چیز کو کتب اصول فقہ کے مصنفین نے اصحاب ابو حنیفہ رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ صرف متاخرین علماء کے ایک قلیل گروہ نے اہل کلام کی ایک جماعت کی اتباع میں اس چیز کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ اکثر اہل کلام بھی اس بارے میں فقہاء و محدثین نیز اسلاف کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر اشعریہ مثلاً ابو اسحاق رحمہ اللہ اور ابن فورک رحمہ اللہ، ائمہ شافعیہ میں سے ابو اسحاق اسفرائینی، ابو حامد، قاضی ابوطیب، ابو اسحاق فیروز آبادی وغیرہم

ائمہ حنفیہ میں سے شمس الدین سرخسیؒ وغیرہ، ائمہ حنبلیہ میں سے ابو یعلیٰ الفراء بغدادیؒ، ابن حامدؒ، ابو الخطابؒ، ابوالحسن الزاغوانیؒ وغیرہم اور مالکیہ میں سے قاضی عبدالواحابؒ وغیرہ سے یہی چیز منقول ہے۔

(محاسن الاصلاح للبلقینی ص ۱۰۱)

اور اسی اصول سے امام رازیؒ (المحصول ج ۲ ص ۲۰۲)، امام سبکیؒ (الابحاج فی شرح المنہاج ج ۲ ص ۳۱۲)، امام قرانی (شرح تنقیح الفصول ص ۳۵۴) وغیرہم بھی متفق ہیں: لہذا اس مندرجہ بالا تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر خبر واحد (ظنی) کو اگر امت نے قبول کیا ہو تو وہ قطعی بن جاتی ہے یا پھر خبر واحد کے ساتھ کوئی دیگر قرائن موجود ہوں تو پھر بھی اس کو قطعیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس بات کا مل بھی مل آتا ہے کہ علماء کرام نے آخر کیوں مسئلہ افضلیت کو ظنی کہنے کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب لکھا ہے۔ اسی لیے علامہ آمدیؒ، علامہ شریف جرجانیؒ اور امام الحرمینؒ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننے کو واجب کہنے کی وجہ بھی بتادی کہ سلف و صالحین نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانا ہے۔ اور ان کے نزدیک یہی قرینہ ہے جو خبر واحد کو ظنیت سے اٹھا کر قطعیت کے درجہ میں لے آیا۔ اور ان ائمہ کرام نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو افضل الصحابہ ماننے کو واجب لکھا۔

قارئین کرام! یہ بی ایک اہم نکتہ ہے جس پر مسئلہ افضلیت کو مشکوک کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بندہ ناچیز پر اس معاملہ کو واضح کیا۔ اسی نکتہ کی طرف فقہیہ الہند شاہ محمد مسعود مجددی محدث دہلویؒ نے اپنے فتویٰ مسعودی ص ۹۳ پر اشارہ بھی کیا ہے۔ فقہیہ الہند شاہ محمد مسعود مجددیؒ لکھتے ہیں:

”اور قائل ظنیت کا یہ مطلب ہے کہ ثبوت تفضیل شیخین میں ظن ہے بلکہ یقیناً ان کے نزدیک تفضیل شیخین کی ہے۔“

اس تحقیق کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کو سمجھنے میں قارئین کو آسانی ہوگی اور تفضیلیہ کا اس مسئلہ کو ظنی کہہ کر عوام الناس کو شک میں ڈالنے کی کوششوں کا سد باب ہوگا۔ ہم یہاں صرف مولا علیؓ کا قول نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ:

لا أجد احدا فضلنی علی آبی بکبر و غیر الا جلدتہ حد المفتی۔ ترجمہ: یعنی میں جسے پاؤں گا مجھے ابو بکر و عمرؓ سے افضل کہتا ہے اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسی (۸۰) کوڑے ماروں گا۔

(الاعتقاد والحدایہ الی سبیل الرشاد للشیخ ص ۳۵۸، (الزلائی بن ابی مام رقم الحدیث ۱۰۱۸)، (الموتن والمختلن للدارقطنی، باب الحاد، جلد ۳ صفحہ ۹۲)

اسی طرح حضرت عمرؓ کا ارشاد مبارک ہے کہ

”نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں جو اس کے خلاف کہے گا میں وہ جھوٹا ہے اور اسے حد مفتی لگائی جائے گی۔“

(الریضہ بعد اللہ بن احمد بن منیل، رقم الحدیث ۱۳۶۴)

اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ حدود کے اثبات میں قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور حدود کا اثبات فقہ کی مسئلہ پر اتفاق امت یا پھر شریعت کی طرف سے اس مسئلہ پر صریح و واضح رہنمائی کر دینے کے بعد قیام میں آتا ہے جسے توقیف کہا جاتا ہے یعنی کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کا حد لگانے کا حکم یقیناً اس بات کو مستلزم ہے کہ یا تو انھیں اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اتفاق معلوم تھا یا شریعت کی طرف سے کسی نص کا وارد ہونا ان کے علم میں تھا۔

ثانیاً: اہل علم سے یہ مسئلہ بھی مخفی نہیں کہ حدود شہادت سے زائل ہو جاتی ہیں لہذا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا حد لگانا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ دونوں حضرات کو اس مسئلہ میں کوئی شبہ نہ تھا جو کہ مفید قطعیت ہے نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”ادرو الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلو سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبۃ۔“

ترجمہ: یعنی جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو امام کا غلطی سے معاف کر دینا غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔

(معرفۃ السنن والاثر رقم الحدیث ۵۳۳، السنن الکبریٰ للشیخ، رقم الحدیث ۱۶۸۳۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث ۱۳۴۴)

مسئلہ تفضیل کو قطعی کہنے والوں کی فہرست درج ذیل ہے، اقوال ہم نے اپنی کتاب "افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع امت" میں نقل کیے ہیں جو وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔

امام بیہقی بن سعید قحان (۱۴۳۳ھ)، امام مالک رحمہ اللہ (۱۷۹ھ)، امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ)، فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ (م ۳۷۳ھ)، امام ابی بکر کلاباذی رحمہ اللہ (م ۳۷۸ھ)، ابن مندہ رحمہ اللہ (م ۳۹۵ھ)، امام ابی بکر بن قاسم الرجبی رحمہ اللہ، امام عبد القادر ابی منصور رحمہ اللہ (م ۴۲۹ھ)، امام ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ (م ۶۵۶ھ)، امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ)، علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ)، امام عبد القادر قرشی رحمہ اللہ (م ۷۷۵ھ)، علامہ جمال الدین قنوی رحمہ اللہ (م ۷۷۷ھ)، امام ابن جماع کثانی رحمہ اللہ (م ۷۹۰ھ)، امام ابراہیم بن موسیٰ ابیاسی شافعی (م ۸۰۲ھ)، امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ (م ۸۰۶ھ)، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ)، امام سخاوی رحمہ اللہ (م ۹۰۲ھ)، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ)، امام قسطلانی (م ۹۲۳ھ)، امام محمد بن عمر عمیری الشافعی رحمہ اللہ (م ۹۳۰ھ)، امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ)، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ)، علامہ فاسی رحمہ اللہ (م ۱۱۰۹ھ)، امام عجولونی رحمہ اللہ (م ۱۱۶۲ھ)، مجدد و محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۴ھ)، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)، علامہ سفاری نجفی رحمہ اللہ (م ۱۱۸۸ھ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (۱۲۲۵ھ)، امام عبد العزیز بدہاروی رحمہ اللہ (م ۱۲۴۱ھ)، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۴۰ھ)، علامہ یوسف نبھانی رحمہ اللہ (م ۱۳۵۰ھ)، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۶۷ھ)، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ (م ۱۳۹۱ھ)۔



دوسرے باب کا جواب

مسئلہ تفضیل میں توقف کے اقوال کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل صفحہ ۸۳ تا ۹۱ تک مسئلہ تفضیل پر توقف کرنے والوں کے اقوال نقل کیے ہیں۔

- (i) امام مالک رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ "میں عشرہ مبشرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اس کے ساتھی پر فضیلت نہیں دیتا" (بحوالہ الاستاذ ۱۴/۲۰)۔
- (ii) امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ گذشتہ لوگوں کو تفضیل بین الصحابہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ (بحوالہ الاستاذ ۱۴/۲۲)۔
- (iii) مصعب بن عبد اللہ الولیدی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے وہ مشائخ جنہیں ہم نے اپنے شہر میں پایادہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے، امام مالک اور نہ ہی ان کے ماسوا۔
- (iv) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ابراہیم اور ان کے علاوہ دیگر کوفیوں سے جو مروی ہے میں نے اس کو اختیار کرتا ہوں کہ وہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

(الرحمۃ لابن الخلال، رقم ۵۰۸)

- (v) ابن عبد البر رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کے مابین معین افضلیت میں توقف کو کثرت سے ذکر کیا ہے۔ (الاستاذ ۱۴/۲۳۸، ۲۳۷)۔

(vi) داؤد بن علی ظاہری اور دوسرے متقدمین اہل علم کا مذہب ہے۔

(بحوالہ ابن حزم الفضل ۴/۱۸۲)

- (vii) ابن حزم نے کہا اور مجھ سے یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر النعمیری نے بھی بار فرمایا کہ یہی ان کا قول اور عقیدہ ہے۔

(viii) ابن ابی زید قیروانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العقیدہ (صفحہ ۱۲۵ مع شرح قاضی عبدالوہاب) میں ارشاد فرمایا: ”صحابہ کرام رحمہم اللہ میں سب سے افضل خلفاء راشدین مہدیین ہیں“ اور خاموش ہو گئے اور یہ اہل مدینہ کا طریقہ ہے۔ لہذا اشارہ کا خلفاء اربعہ رحمہم اللہ کے مابین باہمی فضیلت کی بحث میں مشغول ہونا ابن ابی زید قیروانی کے طریقے سے پہلو تہی کرنا ہے۔ جنہوں نے خلفاء اربعہ رحمہم اللہ کے مطلق افضلیت کا ذکر فرما کر ان کے مابین افضلیت کی بحث کے متعلق اجتناب و سکوت کیا اور اللہ ہی مددگار ہے۔ فدیہ!

(ix) خطابی رقم طراز ہیں:

”ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ بعض کو بعض پر مقدم نہیں ٹھہرایا جائے گا۔“ (معالم السنن ۱/۱۸)

(x) امام المازری المالکی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

”ربا صحابہ کرام رحمہم اللہ میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینا تو ایک جماعت نے اس

سے اجتناب کیا۔“ (محوالہ معلّم لغویہ مسلم ۳/۱۳)

(xi) سعید ممدوح پھر اپنا قول لکھتا ہے۔ ”میں کہتا ہوں: یہ مذہب اس شخص کے لیے مناسب ہے جس کی نگاہ میں نصوص باہم متعارض ہیں اور افضلیت کی تصریح کرتیں تو اس نے متعارض دلائل سے اجماع اور اکثریت کا وہم کر لیا یا اکثر علماء و ائمہ مذہب کے ساتھ چل پڑا، پس خیالی اجماع اور اکثریت کا قول دونوں حجت نہیں ہیں۔ لہذا جب قول ثانی (اجماع) سا قلم ہو گیا تو قول اول بچا اور وہ توقف ہے۔ فدیہ۔

جواب: سعید ممدوح کے پہلے ۱۳ اقوال امام مالک رحمہ اللہ سے مروی توقف کا قول ہے۔ مگر غایۃ التبجیل صفحہ ۸۲ مترجم کے حاشیے میں امام مالک سے دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ جن میں شیخین کریمین کی افضلیت کے ۱۳ اقوال مروی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ترجیح ۱۳ اقوال کو ہی ہو گئی۔ مزید یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ سے خود شیخین کی افضلیت راجح طور پر مروی ہے۔

۱- امام حارث بن مسکین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے تفصیل شیخین کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ان دونوں (شیخین) میں کوئی شک نہیں۔

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ ۲/۱۹۹ رقم: ۲۱۳۱)

امام احمد بن سالم الفارسی رحمہ اللہ نے امام مالک کے حوالہ سے لکھا:

أی الناس أفضل بعد نبیہم فقال أبو بکر ثم عمر ثم قال أوفی ذلك شك.

ترجمہ: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے۔ آپ نے فرمایا: حضرت ابو بکر پھر

حضرت عمر پھر فرمایا کیا اس میں شک ہے۔“ (لوامع الانوار حصہ ۲/۳۶۵)

امام مالک کے شیخین کی افضلیت کے قول کو امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے (شرح التبصیر والندکۃ صفحہ ۲۱۵)، امام سخاوی نے (فتح المغیث باب معرفۃ الصحابہ ۳/۱۲۷)، اور امام ابراہیم بن موسیٰ نے (اختصار الفیاح ۲/۵۰۷) پر نقل کیا ہے۔ لہذا امام مالک رحمہ اللہ کے صرف ایک مرجوح قول کو توقف کے باب میں نقل کرنا علمی خیانت ہے۔

۲- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی قول میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ کون کس پر تفضیل دیتے یا نہ دیتے کا قائل ہے؟ کیا یہ تقابلی شیخین کریمین کی افضلیت میں ہے؟ یا یہ تقابلی افضلیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مابین ہے؟ لہذا اگر شیخین کے مابین ہے تو پھر اس قول کو نقل کرنا فضول ہے کیونکہ ہم اہل سنت و جماعت شیخین کی افضلیت کے قطعی ہونے کے دعویدار ہیں۔ لہذا ایسے اقوال ہمارے موقف کے خلاف بالکل نہیں۔ بلکہ اہل کوفہ کا یہ مذہب مشہور ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ کو حضرت عثمان غنی پر تقدیم دیتے تھے۔ مگر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی ضروری ہے کہ جن لوگوں سے تقدیم علی کا قول منقول ہے تقریباً انہی ائمہ سے اس قول تقدیم سے رجوع بھی ثابت ہے یعنی کہ وہ بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی سے مقدم سمجھنے لگے تھے جیسا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مذہب معروف و مشہور ہے۔

۳- ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے قول سے توقف کا مفہوم نکالنا بھی تحقیق کے خلاف ہے کیونکہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا اپنا مذہب اور قول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا ہے۔ سعید ممدوح نے الاتذکار سے مختلف اقوال تو نقل کر کے اپنی علمی رعب جھارنے کی کوشش کی، مگر علمی خیانت کا ثبوت دیتے ہوئے ابن عبدالبر کا اپنا مذہب اور قول چھپا لیا۔ ابن عبدالبر اپنی کتاب الاتذکار ۳/۱۱۰ طبعہ دار احیاء التراث العربی پر لکھتے ہیں:

جماعة أهل السنة، ولهم أهل الفقه والآثار على تقديم أبي بكر

و عمر و تولى عثمان و على و جماعة أصحاب النبی ﷺ و ذکر محاسنهم و نشر فضائلهم والاستغفار لهم و هذا هو الحق الذى لا يجوز عندنا خلافة و الحمد لله۔

ترجمہ: "ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اپنا موقف واضح کر دیا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سید عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے مقدم ہیں اور اس کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ لہذا سعید ممدوح نے ابن عبد البر کا حوالہ پیش کر کے علی خیان کا بین ثبوت فراہم کیا ہے۔"

۴۔ داؤد ابن علی ظاہری کا قول یہ ہے۔ انبیاء کے بعد سب سے افضل رسول ﷺ کے صحابہ ہیں۔ صحابہ میں سب سے افضل سب سے پہلے مہاجرین پھر سب سے پہلے انصار پھر جوان کے بعد ہیں۔ ہم ان میں سے کسی خاص شخص کے متعلق یہ یقین نہیں کر سکتے کہ وہ دوسرے کے طبقے سے افضل ہے۔ متقدمین اہل علم میں سے بعض ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کا مذہب یہی قول تھا۔ اس قول سے تو داؤد ظاہری کا توقف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس نے تو یقین (قطعیت) کا انکار کیا ہے۔ لہذا یہ قول تو غلطیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ عجب تحقیق ہے کہ ظن والے اقوال کے باب میں توقف کے اقوال اور توقف والے باب میں ظن والے اقوال۔ سعید ممدوح کو خود کچھ میں نہیں آ رہا کہ وہ مسئلہ تفصیل کے بارے میں کیا لکھ رہا ہے۔ دراصل سعید ممدوح کی یہ کوشش ہے کہ اس مسئلہ کو اتنا الجھا دیا جائے کہ عوام الناس تو ایک طرف علماء کرام بھی الجھ جائیں۔ اور مسئلہ تفصیل ایسا مسئلہ ہے کہ اگر آپ نے اس کی جہت کا صحیح تعین نہ کیا تو اس میں الجھنے کے امکانات کافی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ واحد مسئلہ ہے کہ تفصیلیوں کی طرف سے کوئی دعویٰ بھی نہیں کیا جاتا اور اس کی آڑ میں اعتراضات اور سوالات کر کے عوام الناس کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ٹھنی اور مشکوک بنایا جاتا ہے۔ اللہ ہمیں ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔

۵۔ ابن ابی زید قیروانی رضی اللہ عنہ کے قول کے تحت لکھا ہے:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل خلفاء راشدین مہدیین ہیں۔"

اور خاموش ہو گئے اور یہ اہل مدینہ کا طریقہ ہے۔ لہذا اشارہ میں کہ متاخرین کے طریقے پر چلتے ہوئے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے مابین باہمی فضیلت کی بحث میں مشغول ہونا ابن ابی زید قیروانی کے طریقے سے پہلو تہی کرنا ہے۔ جنہوں نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی مطلق افضلیت کا ذکر فرما کر ان کے

مابین افضلیت کی بحث کے متعلق اجتناب و سکوت کیا اور اللہ ہی مددگار ہے۔ "فقد بر۔"

شیخ محمود سعید ممدوح کے اس حوالہ میں کوئی بات اس کے موقف کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ اس حوالہ میں تمام صحابہ کرام میں سے خلفاء اربعہ کی افضلیت کی واضح تصریح ہے۔ اس حوالے نے تو سعید ممدوح کے ان حوالوں کی خود نفی کر دی کہ صحابہ میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دینی چاہیے۔ اس حوالے میں تو واضح طور پر ابن ابی زید قیروانی رضی اللہ عنہ خلفاء اربعہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ اس حوالے سے تو ان حوالوں کی نفی بھی ثابت ہو گئی جن حوالوں میں دیگر صحابہ کرام کی افضلیت کا خالی دعویٰ کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ العقیدہ ابن ابی زید القیروانی کے شارح قاضی عبد الوہاب کی یہ رائے ہے کہ "خلفاء اربعہ کے مابین باہمی فضیلت کی بحث میں مشغول ہونا ابن ابی زید قیروانی رضی اللہ عنہ کے طریقے سے پہلو تہی کرنا ہے۔" کچھ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ابی زید قیروانی کی اگر دوسری کتاب کا مطالعہ کر لیا جاتا تو وہ یہ نہ لکھتے۔

ابن ابی زید قیروانی رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری کتاب میں واضح طور پر اپنا عقیدہ بیان کیا ہے:

وأفضل الصحابة الخلفاء الراشدون المہدیون أبو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(رسالہ ابن ابی زید القیروانی صفحہ ۲۲)

ترجمہ: "افضل الصحابہ خلفاء راشدین مہدیین ہیں یعنی پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔"

لہذا معلوم ہوا کہ ابن ابی زید قیروانی رضی اللہ عنہ خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ مانتے تھے۔ میں یہ یقین نہیں کر سکتا کہ سعید ممدوح کی نظر سے مقدمہ رسالہ ابن ابی زید القیروانی نہ گذری ہو۔ لہذا ایسی علی خیان کرنا انہی کا شیوہ ہوتا ہے جو اپنے موقف میں کمزور ہوتے ہیں۔ اگر تحقیق کرنی ہی مطلوب ہے تو پھر مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کا بغور جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا ایک طرف کے اقوال ہی پیش کر کے عوام الناس کو الجھانا غلط طریقہ ہے۔

۶۔ خطاب کی قول میں یہ واضح نہیں کہ وہ جماعت کون سی ہے جو بعض کو بعض پر مقدم نہیں کرتے؟ آیا وہ جماعت اہلسنت کی ہے یا کوئی دوسری جماعت؟ بعض کو بعض پر مقدم نہ کرنا تمام صحابہ کرام میں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے درمیان تقابل۔

لہذا ایسے مجہول اقوال جناب سعید ممدوح کو ہی مبارک ہوں۔

۷۔ امام احمد بن علی المازری المالکی رحمہ اللہ کے حوالے میں بھی مجہول جماعت کا کوئی اتنا پتہ نہیں ہے۔ مزید یہ کہ عقیدے کا دار و مدار ان مجہول اقوال پر رکھنا کون سی عقلمندی ہے۔ اور یہ المازری المالکی کو سعید ممدوح نے غلطی کے قائلین کی فہرست میں رکھا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ امام المازری رحمہ اللہ کے نزدیک اس مجہول جماعت کا بعض کا بعض پر نقد کر دینے کا قول غلط ہے۔ سچی تو امام المازری بقول سعید ممدوح ظلیت کے قائل ہیں۔

نوٹ: بعض علماء کرام اس مسئلہ میں توقت کے قائل ہیں لیکن یہ دعویٰ سراسر غیر مسموع ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ایسے تمام دلائل کو اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے "غیر مرضی ولا مقبول" فرمایا ہے اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے تدریب الراوی میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فتح المغیث میں امام زین الدین عراقی نے شرح التبصرہ والہذا کہہ میں اور امام ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب نے اخذ الفیاح من علوم ابن الصلاح میں اس موقف کو بلا تکیہ نقل فرمایا ہے۔

نتیجہ: اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالے صرف اور صرف عوام الناس کو تشکیک میں ڈالنے کے لیے ہیں۔ سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۸۸ پر ایک نہایت اہم بات کی ہے۔

"یہ مذہب (توقت کرنا) اس شخص کے لیے مناسب ہے جس کی نگاہ میں نصوص باہم متعارض ہیں اور فضیلت کی تصریح نہیں کرتیں تو اس نے متعارض دلائل سے اجماع کا وہم کر لیا یا اکثر علماء و ائمہ مذاہب کے ساتھ چل پڑا۔"

اس بات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مذہب توقت اس کے لیے مناسب ہے جس کے سامنے دلائل میں تعارض ہونا موجود ہو۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اگر کسی کی تحقیق میں دلائل میں تعارض نہ ہو تو اس کو توقت کرنا جائز نہ ہوگا۔ لہذا اسی لیے جن محققین کی تحقیق میں ان دلائل میں تعارض نہ پایا گیا تو انہوں نے مسئلہ فضیلت کو قطعی قرار دیا۔ جو کہ عین حق ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جن کی تحقیق کامل ہے تو ان کے فتویٰ یعنی کہ مسئلہ فضیلت قطعی ہے کو غلط قرار کیوں دیا جاتا ہے۔ محمود سعید ممدوح صرف مسئلہ فضیلت کو قطعیت سے گرانے کی خاطر اس مسئلہ میں غلطی اقوال بھی لایا اور توقت کے بھی اقوال پیش کیے۔ مگر جس طرح سعید ممدوح نے قطعی قرار دینے والے اکابرین کے

دلائل کو توڑا اور اس کی تصحیح کرنے کی ہمت کی۔ اس نے یہ معیار مسئلہ فضیلت کو غلطی اور توقت کرنے والوں کے دعویٰ کی بنیاد کی تحقیق ہرگز ہرگز نہیں کی۔ جس طرح سعید ممدوح کو مسئلہ فضیلت کو قطعی کہنے والوں کا رد کرنے کا حق ہے۔ تو پھر ہمیں بھی اس مسئلہ فضیلت کو غلطی کہنے والوں اور توقت کرنے والوں سے اختلاف کرنے کا حق موجود ہے۔ مگر دونوں طرف کے دعویٰ کی تصحیح نہ کرنا اصول کے خلاف ہے۔ سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۸۸ اور ۲۶۳ و ۲۶۴ پر یہ خودمان چکا ہے کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ اب کیا کریں اس نفس کا یا اپنی ذاتی خواہش کا۔ اس کے تابع ہو کر سعید ممدوح نے یہ تاویل کر دی کہ یہ اجماع اہل سنت کا ہے باقی فرقے اس میں شامل نہیں لہذا یہ اجماع مذہبی تو ہو اجماع امت نہ ہوا۔ میں اس نکتہ پر بہت کچھ عرض کر سکتا ہوں مگر صرف اتنا کہنے پر اکتفاء ضرور کروں گا کہ اگر ایک سال اول کے طالب علم سے یہ سوال کیا جائے کہ اجماع کس کا معتبر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہی ہوگا کہ اجماع صرف اور صرف اہل سنت کا حجت ہوتا ہے۔ جس کو سعید ممدوح اجماع مذہبی کا نام دے کر رد کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہی تحقیق ہے اور یہی وہ تحقیق ہے جس پر کئی لوگ خوش ہیں کہ غایۃ التبجیل بڑی تحقیقی کتاب ہے تو پھر مجھے ایسے لوگ اور علماء کرام کی علمیت پر بڑی افسوس ہے۔ اللہ ہمیں ایسی تحقیق نادر پاروں سے محفوظ فرمائے اور اپنے سلف و صالحین اور اکابرین کے عقیدوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر صرف علم کا ہونا ہی ہدایت یافتہ ہونے کی ضمانت ہوتا تو پھر شیطان کبھی نہ بہکتا۔ ہدایت دینا صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

بڑا افسوس ہوتا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے کچھ لوگ جنہوں نے اس مسئلہ میں بغور نہ تو مطالعہ کیا اور نہ ہی اپنے اکابرین کی کتابوں پر نظر رکھی اور اس مسئلہ میں اہل سنت کو تفرقہ کی راہ پر گامزن کر دیا۔ اگر یہی علم ہے تو اللہ ہمیں ایسے علم سے بچا۔ (آمین)



۲- سعید ممدوح نے دوسری تفصیلاً روایات کو بیان کرنا ترک کیا اور مجمل روایات پر ہی اکتفاء کیا۔

۳- سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بنو سقیفہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس لیے نام لیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے دن ہی خلافت پر شور مچا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہی بنو سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لہذا اُس وقت انہی دونوں کا نام لیا۔ یہ تو تقویٰ کا مقام ہے کہ دوسرے لوگوں کے نام کی تصریح کی اور انہیں پیش کیا۔

۴- مزید یہ کہ سعید ممدوح نے مجمل روایت کو بیان کر کے اور مفصل کو چھوڑ کر بڑی بی علمی خیانت سے کام لیا۔ سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں متعدد مقامات پر یہ دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو خلافت کے حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ کیا سعید ممدوح کی نظر ان روایات پر نہیں پڑی۔ جس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو خلافت کے لیے مناسب اور حق دار سمجھا۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ کیا میں سب سے پہلے اسلام نہیں لایا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا۔

عن ابی سعید الخدری قال قال ابوبکر الست احق الناس بہا الست اول من السلم الست صاحب کذا الست صاحب کذا۔

(ترمذی رقم: ۶۸۶۳، حادو الثانی رقم: ۸۸، مسند ابوبکر رقم: ۳۵، صحیح ابن حبان رقم: ۶۸۶۳، الامارہ رقم: ۱۲۱۸)

۵- سقیفہ میں ہونے والی اول بحث تو خلافت پر ہوئی کیونکہ انصار اپنے لیے خلافت چاہتے تھے۔ سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ

”اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بالکل واضح ہوتی اور اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا اور خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم عیاں اور سقیفہ کے حاضرین کے ذہنوں میں موجود ہوتا تو ان کے مابین دلیل یعنی افضلیت متفقین پر بحث ہوتی، لیکن وہاں کے حاضرین کے درمیان دلیل عام پر بحث ہوئی۔“

حقیقت سے بہت دور ہے۔ کیونکہ اگر اس بحث سے یہی انداز کرنا ہے تو پھر تو خلافت کو بھی سعید ممدوح نے اختلافی بنا دیا ہے۔ حالانکہ اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہے۔

اور سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ ”اگر بنو سقیفہ میں حاضرین کے ذہن میں افضلیت کی دلیل ہوتی تو وہ اس پر بھی بحث کرتے“ سے استدلال بھی غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ذہن میں وقتی طور پر کوئی دلیل کا نہ ہونا اس کے انکار پر اس کا نہ ہونے کا انکار تو نہیں ہو سکتا۔

مزید یہ کہ حاضرین سقیفہ کے ذہنوں میں یہ دلیل بھی تھی کہ خلیفہ قریش سے ہونا چاہیے۔ اگر مسائل کا دار و مدار ذہنوں میں آنے والی دلیل پر ہوتا تو پھر خلافت پر بھی اختلاف ثابت ہوتا۔

جس طرح اُس وقت حاضرین بنی ثقیفہ کے ذہن میں صرف یہ تھا کہ خلیفہ انصار میں سے ہونا چاہیے۔ ان کے ذہن میں ائمہ من قریش (ائمہ قریش سے ہوں گے) کی دلیل موجود نہ تھی۔ بالکل اسی طرح افضل کو خلیفہ بنانے کا مسئلہ اور دلیل بھی ذہن میں نہ تھی اور ویسے بھی عدم ذکر نفی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ جس طرح حاضرین بنو سقیفہ کو ائمہ قریش سے ہوں گے کی دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کی اور مسئلہ واضح ہو گیا۔ بالکل اسی طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت حاضرین سقیفہ کے سامنے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کی۔ بخاری شریف، رقم الحدیث: ۳۶۶۸ میں بنی سقیفہ کے واقعہ میں جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انصار کے سامنے ائمہ قریش سے ہوں گے اسی حدیث کے متصل، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فقال عمر بل نبایعک أنت فانت سیدنا و خیرنا و أحبنا الی رسول الله ﷺ فاخذ عمر بیدہ فبايعه و بايعه الناس۔

(بخاری رقم: ۳۶۶۸)

ترجمہ: ”حضرت عمر نے کہا: بلکہ ہم آپ سے بیعت کریں گے۔ آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آپ ہم سب سے محبوب تھے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے بیعت کی اور تمام لوگوں نے ان سے بیعت کر لی۔“

(ترمذی رقم: ۱۳۶۶، ابن ابی ماسم رقم: ۱۱۶۶، مسند رک ماہر رقم: ۳۳۲۱، مسند ابوالخضر رقم: ۱۳۶۶)

قارئین کرام! اس روایت سے تو واضح طور پر اجماع صحابہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا، خیرنا اور احبنا کے الفاظ کہے اور ان الفاظ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام موجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہی الفاظ پر بیعت کی اور اس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

تیسرے باب کا جواب

خلافت و افضلیت کے مابین تلازم کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل صفحہ ۹۳ تا ۱۱۰ تک افضلیت کے دار و مدار خلافت کو بنانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان تمام صفحات کا جواب صرف اتنا ہے کہ علماء اہل سنت اور ہمارا دعویٰ قطعاً یہ نہیں ہے۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ افضلیت کا دار و مدار قرب خداوندی اور تقویٰ ہے۔ لہذا خواہ مخواہ اس بحث کو چھوڑنا غلط بحث ہے۔ ہمارے بعض اکابرین نے خلافت کی ترتیب سے افضلیت کو مانا ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح کو یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ خلافت کی ترتیب کے مطابق افضل ماننا ایک الگ شے ہے اور خلافت کو افضلیت کی شرط ماننا ایک علیحدہ امر ہے۔ لہذا سعید ممدوح کا امام غزالی کی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۲۰۷ سے یہ نقل کرنا کہ ”اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدین کی ترتیب فضیلت ان کی ترمیم خلافت کی مانند ہے“ اور اس عبارت سے یہ اندک کرنا کہ خلافت کی وجہ سے ہی افضل کا دار و مدار ہے یہ سعید ممدوح کی خطا ہے۔ کیونکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب خلافت کی طرح ترتیب افضلیت خلفاء راشدین کا قول کیا ہے نہ کہ خلافت کی وجہ سے افضلیت خلفاء راشدین کا۔ لہذا اس پورے باب میں شیخ ممدوح نے جو نقل کیا وہ ہمارے موقف کے خلاف نہیں کیونکہ ہم مسئلہ افضلیت کا دار و مدار قرب خداوندی اور تقویٰ پر رکھتے ہیں۔ لہذا یہ تمام اقوال نقل کرنا صرف صفحات کو سیاہ کرنے کے مترادف ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ خلافت کی دو اقسام ہیں۔ اول خلافت خاصہ اور دوم خلافت عامہ۔ علماء کرام نے خلافت خاصہ کے لیے افضل شخص کے مقرر کرنے کو اہم قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ خلافت کی وجہ سے افضل ہونا ایک الگ امر ہے جبکہ افضل شخص کا خلیفہ خاص ہونا ایک جدا امر ہے۔ اس کی تفصیل مجدد گولڑی پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تصفیہ مابین سنی و شیعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس تمام باب میں صرف ایک ایسی بات ہے جس کا جواب دینا اس مقام پر ضروری ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۰۲ پر لکھتا ہے:

”اگر خلافت افضل ہی کے لیے ہوتی تو سقیفہ میں ہونے والی بحث افضل کے تعیین کی تحقیق میں ہوتی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو سقیفہ میں آپس میں اختلاف کیا۔ انصار نے کہا: منّا امیر و منکم (ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے) اور آواز میں بلند ہوئیں اور شور و غل ہو گیا۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: منّا الأمراء و منکم الوزراء (ہم سے امراء اور تم سے وزراء) اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہاری حکومت کے لیے ان دو میں سے کسی ایک کے لیے راضی ہوں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو اور حضرت حباب بن منذر الانصاری البدری رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا مطالبہ کیا اور کہا: ”میں اس کا تجربہ کار اور نبھانے والا ہوں۔“ اور خرورج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا مطالبہ کیا اور انہوں نے اور ان کے فرزند قیس بن سعد نے تاحیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اور انصار کی ایک جماعت نے کہا: ہم علی کے سوا کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں سقیفہ بنو ساعدہ میں جو کچھ ہوا..... پھر مہاجرین نے انصار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان الاثمۃ من قریش (ائمہ قریش سے ہوں گے) سے دلیل قائم کر دی۔ اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بالکل واضح ہوتی اور اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، اور خلافت اور افضلیت کے مابین تلازم عیاں اور سقیفہ کے حاضرین کے ذہنوں میں موجود ہوتا تو ان کے مابین مخصوص دلیل یعنی افضلیت شیخین پر بحث ہوتی لیکن وہاں کے حاضرین کے درمیان دلیل عام پر بحث ہوئی اور وہ یہ ارشاد نبوی ہے۔ ائمہ قریش سے ہوں گے۔ پس اس میں ہر قریشی داخل ہو گیا اور انصار نے اس فرمان کو کافی سمجھا اور افضل و مفضول کی بحث کو مد نظر نہ رکھا بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر مقدم رکھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔“

جواب: سعید ممدوح کا بیان چند وجوہات کی بنا پر مردود ہے۔

۱- سعید ممدوح نے صرف وہ روایات نقل نہیں جو کہ اس کے اپنے موقف پر روشنی ڈالیں۔

مع افضلیت پر اجماع ہو گیا۔ جس طرح چند صحابہ کرام کا بیعت نہ کرنا یا بیعت سے اختلاف کرنے سے بیعت پر اجماع ثابت ہو سکتا ہے تو پھر مسئلہ افضلیت میں کسی صحابی کا قول (برسبیل تنزل ثابت ہو گیا) جائے جس طرح مسئلہ افضلیت پر اجماع کو مشکوک کر سکتا ہے۔ لہذا یہ تمام حوالہ جات پیش کرنا عمر سعید ممدوح کی پالائی اور عیاری ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۰۳ پر نمبر ۵ کے تحت لکھا ہے:

”ابن اثیر نے فرمایا ہے: حضرت علی، بنو ہاشم، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم بیعت سے پیچھے رہے۔“ (۱۷۹/۲)

اور پھر امام ابن عبد البر کے حوالہ سے صفحہ ۱۰۴ پر لکھا ہے:

”سعد بن عباد، خورج کا ایک گروہ اور قریش کا ایک گروہ ان کی بیعت سے پیچھے رہا، پھر بعد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔“

اعتراض: یہ متحقق ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع تھا۔ دوسرا یہ کہ ابن عبد البر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”سوائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے باقی سب نے بیعت کر لی تھی“ تو پھر ایسے حوالے نقل کرنا کہ فلاں نے بیعت نہیں کی یا فلاں نے اختلاف کیا، ان حوالوں کو پیش کرنے کا یہ مطلب ہے؟ امام ابن عبد البر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام بشمول حضرت علی، بنو ہاشم، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔

شیخ محمود سعید ممدوح کی یہ علیٰ خیانت ہے کہ کسی بھی بات کا صرف ایک پہلو نقل کرتا ہے اور اصل تحقیق چھپا لیتا ہے۔ حالانکہ ابن اثیر نے اپنی دوسری کتاب اسد الغابہ میں بنو ہاشم اور حضرت خالد بن سعید بن العاص کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کا اقرار کیا ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں:

”بایع بنو ہاشم أبابکر بایعہ خالد و أبان۔“ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۰۵)

ترجمہ: یعنی بیعت کی بنو ہاشم نے اور پھر بیعت کی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت أبان رضی اللہ عنہ نے۔ لہذا عمر سعید ممدوح کا علی غائن ہونا ظہر من الشمس ہے۔

ابن اثیر رضی اللہ عنہ نے دوسرے مقام پر بھی وضاحت کی کہ پھر بیعت عام دوسرے دن ہوئی علی رضی اللہ عنہ، بنی ہاشم، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور سعد بن عباد انصاری رضی اللہ عنہ بیعت سے الگ رہے اور پھر بعد حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب نے بیعت کر لی سوائے

سعد بن عبادہ کے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۱۹)

اس بارے میں ضمناً یہ بھی استفسار کروں کہ کیا جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بقول سعید ممدوح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی کیا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں مانتے تھے؟ اگر اعتراض یہ ہے کہ ان کے بیعت نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں مانتے تھے۔ تو اس کا جواب بڑی آسان ہے کہ پھر تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ان صحابہ کرام کے نزدیک خلافت کا حقدار افضل ہی ہوتا ہے۔ تبھی تو یہ صحابہ کرام کسی اور کو افضل سمجھ کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہے۔ مگر اس موقف سے تفصیلیہ دور بھاگتے ہیں۔

اس مقام پر ایک اہم سوال یہ بھی ابھرتا ہے کہ جن صحابہ کرام نے بقول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ کیا بیعت سے پیچھے رہنے والے صحابہ کرام سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں سمجھتے تھے؟ جواب جو بھی ہو یہ بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ افضل شخص کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنے کی تحقیق:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیعت نہ کرنا تحقیق کی رو سے غلط ہے۔

مند امام احمد بن حنبل کی حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سفید بنی ساعدہ میں جب خطبہ دیا تو انصار کی کوئی فضیلت نہ تھی جو آپ نے بیان نہ کی ہو۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش و لاة هذا الامر یعنی قریش امر خلافت کے سربراہ ہوں گے فرمایا تھا تو اے سعد رضی اللہ عنہ آپ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو یاد ہے نا؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بولے اجی ہاں۔ آپ بچ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا نحن الوزراء و انتم الامراء یعنی انصار وزیر ہوں گے۔ اور آپ لوگ یعنی قریش امیر۔“

(مند امام احمد، رقم الحدیث: ۱۸۰۱۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متفق ہو گئے تھے۔ اور دونوں میں کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔

ماخذ ابن جریر کی تصحیح سے لکھتے ہیں:

و يؤخذ منه ضعف ما حكاه ابن عبد البر أن سعدا أبي أن يسابع
أبا بكر حتى لقي الله.

(الصواعق الموقدة ۳۶ باب الفصل الاول في بيان كيفيةها)

ترجمہ: یعنی کہ ابن عبد البر نے یہ جو لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اس روایت (سند امام احمد رقم الحدیث: ۱۸۰۱۹) سے اس کی تعلیل ہوتی ہے۔

تاریخ طبری میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیعت کے بارے میں لکھا ہے:

فتتایع القوم على البيعة وبایع سعد. (تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۲۲)

یعنی قوم نے اطاعت کرتے ہوئے بیعت کی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کرام کی طرح حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

سعدیہ ممدوح صرف اور صرف عوام الناس کو اٹھانا چاہتا ہے۔ اس وقت سعدیہ ممدوح کا حال اس بچے کی مانند ہے کہ اگر پتنگ کسی دوسرے کے ہاتھ میں آجائے تو وہ دوسرے لڑکے کی پتنگ پھاڑ دیتا ہے اور دل میں بڑا سکون محسوس کرتا ہے کہ اگر پتنگ میرے ہاتھ میں آئی تو دوسرے کے ہاتھ میں بھی نہ آئے۔ کیونکہ سعدیہ ممدوح کا نہ اپنا کوئی موقف سامنے آتا ہے اور نہ اس کے پاس اس مسئلہ میں دلائل ہیں۔ مگر صرف ظنی اور قطعی کے مسئلہ میں عوام الناس کو اٹھا کر اپنا اوسیدھا کرنا چاہتا ہے۔

نیز جناب اگر کسی ایک صحابی کے بیعت سے اختلاف کرنے سے بیعت اور پخت پر اجماع ہونے سے فرق نہیں پڑتا تو کسی ایک صحابی کا قول افضلیت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے سے مسئلہ افضلیت پر کیا فرق پڑھ جاتا ہے۔ ان چند حوالوں کی وجہ سے اجماع صحابہ اور اجماع اہل سنت کو انکار کرنا کہاں کی سنت ہے؟ ذرا غور فرمائیے گا۔

اعتراض: سعدیہ ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰۳ مترجم پر لکھا ہے:

”حضرت خالد بن سعید بن ماس رضی اللہ عنہ بھی بیعت صدیقی سے پیچھے رہے حالانکہ وہ مابقیین میں سے تھے بلکہ قبول اسلام کے لحاظ سے وہ پانچویں یا چھٹے نمبر پر تھے اور مشہور و معروف تھے۔“

امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے: ابن حمید نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ نے از ابن اسحاق از عبد اللہ بن ابو بکر بیان کیا کہ جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یمن سے لوٹے تو دو ماہ تک بیعت سے رکے رہے، فرماتے تھے: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر مقرر فرمایا تھا پھر آپ نے مجھے معزول نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لیا اور وہ حضرت علی بن ابی طالب سے ملے تو کہا: اے بنو عبد مناف! تم نے کوشی اپنا معاملہ چھوڑ دیا تو دوسروں نے سنبھال لیا۔ (حوالہ تاریخ طبری ۳/۳۸۷)

جواب: عرض یہ ہے کہ سعدیہ ممدوح کے پیش کردہ حوالہ تاریخ طبری ۳/۳۸۷ میں صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دو ماہ تک رکے رہے اور بعد میں انہوں نے بیعت کر لی تھی۔

سعدیہ ممدوح نے اپنا پرانا حربہ استعمال کیا اور اصل حقائق کو عوام الناس سے چھپا لیا۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۰۵ پر حضرت خالد بن سعید بن العاص کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کا اقرار کیا ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: سیاح بنو ہاشم ابابکر بایعہ خالد و ابان یعنی بیعت کی بنو ہاشم نے اور پھر بیعت کی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے۔ مزید یہ کہ تاریخ طبری ۳/۳۸۷ کا جو حوالہ دیا ہے۔ اس میں چند تیس موجود ہیں:

اول: اس سند میں ابن حمید جو کہ محمد بن حمید الرازی ہے اس کی توثیق تو جناب سعدیہ ممدوح کو ہی معلوم ہو گئی۔

دوم: اس سند میں ابن اسحاق مدلس راوی ہے اور روایات میں عن سے روایت کر رہا ہے۔

سوم: اس سند میں ابن اسحاق کے شاگرد سلمہ کا تعین بھی فرما دیں۔

لہذا محمول اور ضعیف راوی کی سند تفصیلی حضرات کو ہی مبارک ہو اور یہ کہ اس سند کو ثابت کرنا سعدیہ ممدوح کے پاکستانی مداحوں پر لازم ہے۔ سعدیہ ممدوح کی آڑ میں جھپٹنے والے اور اپنا عقیدہ بیان کرنے والوں پر اس کی سند ثابت کرنا ضروری ہے۔

اعتراض: سعدیہ ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰۳ پر ایک منطقی مگر بھونڈی دلیل پیش کرتا ہے۔

”تفضیل میں ان کے (انصار و مہاجرین کی ایک جماعت) جنہوں نے تاخیر کی، موخر کے دو احتمال ہو سکتے ہیں:

اول: یا تو وہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ ہیں۔

دوم: یا وہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ نہیں ہیں۔

پس احتمال اول کے مطابق ان کی تاخیر سے لازم آتا ہے کہ ان کے مذہب میں خلافت کے لیے افضل کا ہونا شرط نہیں ہے۔ اور احتمال ثانی کے مطابق ان کی رائے میں خلافت کا افضلیت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی اکثریت نے بعد میں بیعت کر لی تھی۔

جواب: اول تو اس احتمال کا جواب خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے۔

حضرت زہد بن حبیش سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انصار نے اپنی رائے سے رجوع صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی قسم دلاتا ہوں، بتاؤ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ حکم ملا تھا یا نہیں کہ وہ لوگوں پر نماز پڑھائیں؟ سب لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تم میں سے کس کا دل اس بات کو گوارا کرتا ہے کہ جس جگہ پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کیا ہے وہاں سے ان کو ہٹا دے۔ سب نے کہا کہ ہم میں سے کسی کا دل بھی اس بات کو گوارا نہیں کرتا۔ ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں۔ (امد الغاب ج ۲ ص ۳۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہو گیا کہ انصار نے اپنے دعویٰ سے رجوع صرف اور صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا تھا۔

مزید کہ یہ سب اعتراضات محمود سعید مدوح کے اپنے دماغ کی اختراع ہے۔ کسی صحابی کا بیعت سے تاخیر کرنا جس طرح خلافت کا انکار نہیں۔ اس طرح افضلیت کا انکار بھی نہیں ہے۔ کیونکہ بنو سقیفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لفظ سیدنا، خیرنا اور احبنا کے الفاظ پر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی تھی۔ یہ کیسے ممکن ہے اور کیسے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بیعت سے تاخیر سے یہ لازم آگیا کہ خلافت کے لیے افضل کا ہونا شرط نہیں ہے؟ جناب والا ذرا اس بات کا بھی جواب عنایت فرمادیں کہ ان لوگوں (انصار و مہاجرین) کا کسی دوسرے کو خلافت کا حق دار سمجھنے کی وجہ کیا تھی؟ انہوں نے (انصار و مہاجرین) نے خلافت کے لیے کس خوبیوں کے حامل شخص کی بیعت کرنی پائی؟ ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ انصار و مہاجرین کی ایک جماعت اگر کسی اور صحابی

بشمول حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت کرنا چاہتے تھے تو اس کی وجہ بھی انکے فضائل ہی تھے۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل شخص کو ہی خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لہذا خلافت خاصہ اور افضلیت کے باہمی ربط کو ہم نظر انداز ہرگز نہیں کر سکتے۔

یہ عجب منطوق خیز بات ہے اگر کوئی شخص اپنے گھر سے ناراض ہو کر (کسی بھی وجہ سے) کچھ دنوں کے لیے چلا جائے اور پھر کوئی یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرے کہ کیونکہ وہ کچھ دنوں بعد گھر آیا ہے لہذا وہ اپنے ماں باپ اور گھر کو نہیں مانتا۔ سعید مدوح کا استدلال کسی بھی طرح ایک لطیفے سے کم نہیں ہے۔

جناب مالی! جس طرح کسی بھی صحابی کی تاخیر سے اس علت کی نفی نہیں ہوتی کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے اسی طرح ان صحابی کی تاخیر سے بیعت کرنے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی نفی نہیں ہوتی۔ جس طرح تاخیر سے بیعت کرنے سے بیعت پر اجماع سے اثر نہیں ہوتا اسی طرح تاخیر سے بیعت کرنے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع سے اثر نہیں پڑتا۔

نوٹ: اگر کوئی بھی شخص کسی بھی صحابی کا قول دیکھائے کہ وہ تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو مانتے تھے۔ (حالانکہ ایسا کوئی بھی قول اول تو سنداً ثابت نہیں اور دوم اپنے مفہوم اور دلالت پر واضح نہیں ہوتا) تو ان کو سادہ سا جواب عرض کر دیں کہ اجماع کے بعد چند لوگوں کی مخالفت یا تاخیر سے اجماع پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حالانکہ مولانا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اجماع میں اور بیعت کرنے والوں میں شامل تھے۔ یاد رکھیں موجود شخص مولانا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول فیصل کو تسلیم کرنے میں حیل و حجت کرنا نظر آتا ہے کیا اس سے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ ہماری تحقیق اور دلائل کو تسلیم کرے گا؟ مصنف عبدالرزاق کے مصنف سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کس کو افضل مانتے ہیں۔ تو عبدالرزاق نے کہا کہ میں مولانا علی رضی اللہ عنہ کو مانتے والوں میں ہوں اگر مولانا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں تو میں کیسے مخالفت کر سکتا ہوں؟

جیرانگی ہے آج کل کے تقصیلیوں پر مولانا علی المرتضیٰ کا نام لیتے نہیں تھکتے۔ سارا دن حب الہییت کے دعوے کرتے ہیں۔ مگر نہیں مانتی تو مولانا علی المرتضیٰ مشکل کشا کی بات نہیں مانتی۔ باقی نتیجہ قارئین خود اخذ کر سکتے ہیں۔

اعتراض: سعید مدوح خلافت و افضلیت کے مابین تلازم کے رد میں غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰۱ مترجم پر لکھتا ہے:

”میں کہتا ہوں: خلافت و افضلیت کے مابین تلازم والے مذہب کے مطابق

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل قرار پاتے ہیں اور یہ شخصیں کریمین کے بعد ان دونوں (عثمان و علی رضی اللہ عنہ) کی افضلیت کے اجماع کے دعوے کے خلاف ہیں۔

پھر سند امام احمد ۱/۱۸، فضائل الصحابة رقم: ۱۲۸۵، ۱۲۸۷، تاریخ المدینہ ۳/۸۸۶، طبقات الکبریٰ ۳/۳۱۳ کے حوالے سے لکھتا ہے:

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: اگر مجھے موت آنے لگے اور ابوعبیدہ زندہ ہوں تو میں انہیں غلیفہ نامزد کرتا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے موت اس حال میں آتی کہ ابوعبیدہ وفات پا چکے ہوتے تو میں معاذ بن جبل کو غلیفہ مقرر کرتا۔“

جواب: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ”میں حضرت ابوعبیدہ کو غلیفہ نامزد کرتا“ سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حق تھا ان دونوں کو نامزد کرتے۔ حالانکہ ایک طالب علم سے بھی یہ مخفی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ لوگوں کی شوری بنائی اور اس کے سپرد غلیفہ بنانے کی ذمہ داری سوپنی اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو وہ اس شوری کے ایک رکن ضرور ہوتے۔ دوم عرض یہ ہے کہ اعتراض تو اس وقت ہوتا کہ اگر انہوں نے نامزد کیا ہوتا۔ جب نامزد مجلس شوری کے رکن کی حیثیت سے کیا تو پھر اس قول سے استدلال تو قیاس مع الفلذ ہے۔

ہمارے دعویٰ کی موید وہ روایت ہے جو سند احمد بن حنبل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کو امیر بناتا تو ابن ام عبد بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بناتا۔

(سند امام احمد رقم الحدیث: ۷۳۹)

اس روایت کو ابن اثیر جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسد الغابہ ۲ ص ۳۶۳ پر بھی روایت کیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مشاورت کا بڑا عمل دخل تھا جس طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اجماع پر حضرت علی المرتضیٰ سے مروی حدیث سے استدلال کر کے اجماع پر اثر نہیں پڑتا بالکل اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اعتراض: غایۃ التبجیل صفحہ ۱۰ پر لکھتا ہے:

”صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال

کے بعد جب زمام اقتدار نبھائی تو لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ایہا الناس رانی ولتیکم ولست بخیرکم۔

ترجمہ: لوگوں میں تمہارا حکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔

(بحوالہ مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۳۶، السیرۃ النبویہ ابن ہشام ۴/۶۶، الطبقات الکبریٰ ۳/۱۸۲، البدایہ والنہایہ ۵/۶۲۸۰، ۲۳۰/۵)

جواب: اولاً: محمود سعید ممدوح نے یہاں خیانت کی اور بے شرمی میں یہودیوں کو بھی مات دے دی ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سند سے تصحیح تو نقل کی مگر پھر حافظ ابن کثیر کا قول مکمل نہیں کیا۔ جو کہ اس کی خیانت کا ثبوت ہے۔ حافظ ابن کثیر متصلاً اس عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

ولتیکم ولست بخیرکم من باب الهضم والتواضع فانهم

محبون علی أنه أفضلهم وخیرهم رضی اللہ عنہم۔

مفہوم: ”ولتیکم ولست بخیرکم (حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں)

باب تواضع یعنی تواضع کے طور پر ہے اور یہ تمام (صحابہ کرام) اس پر متفق تھے کہ وہ

(سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ) ان میں افضل اور بہتر تھے۔“

دوم: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دوسرا فرمان نقل نہیں کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”کیا میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ کیا میں سب سے پہلے اسلام نہیں لایا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا۔ یعنی اپنی فضیلتوں کا بیان کیا۔“

(ترمذی: ۶۸۶۳، مسند زرارہ: ۳۵، صحیح ابن حبان رقم: ۶۸۶۳، الامادیہ بخارہ رقم: ۱۹۱۸)

اعتراض: سعید ممدوح صفحہ ۱۰ مترجم پر لکھتا ہے:

”ابو محمد ابن حزم نے الفصل میں کہا: اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حقیقتاً اور واقعہ فرمایا کہ میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں“ تواضعاً نہیں فرمایا۔ غور کیجئے کہ ابو بکر اپنے تمام فضائل کو بیان کر رہے ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اپنے بیان کردہ فضائل و اقوال میں سچے ہیں تو اگر آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہوتے تو ضرور اس کا بھی صراحتاً ذکر فرماتے اور پوشیدہ نہ رکھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کذب سے محفوظ رکھا ہے۔“

(الفصل فی البطلان ۴/۲۱۰)

جواب: یہ بات تو طے شدہ ہے کہ نصوص کو معنی و مفہوم سلف صالحین کی تصریحات کی روشنی میں متعین کیا جاتا ہے۔ ابن حزم اور محمود سعید ممدوح کا اس کو حقیقت پر محمول کرنا غلط ہے۔ کیونکہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ والی حدیث مفصل نہیں بلکہ مجمل ہے اور متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ عدم بیان سے نفی کیسے ثابت ہوتا ہے۔ نیز بیان عدم اور عدم بیان میں فرق بعید ہوا کرتا ہے۔

مزید یہ کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کی وجہ سے افضل نہیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے۔ افضل ہونے میں تو کسی کو اعتراض نہیں تھا اور یہ حقیقت واضح ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی خلافت یا امارت کی کبھی خواہش نہ کی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ ”میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں“ تو اس وقت اپنے مفہوم پر انطباق ہوتا جبکہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت کے خواہش مند ہوتے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بیعت کے بعد کا ہے جیسا کہ متدرک حاکم رقم الحدیث: ۴۳۲۲ سے ظاہر ہے۔ مگر جب بیعت ہو چکی تو پھر کسی شخص کے اعتراض کرنے پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت سے اپنی اہمیت اور افضلیت کا واضح اقرار کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کہ کیا میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ کیا میں سب سے پہلے اسلام نہیں لایا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا؟ کیا میں نے فلاں کام نہیں کیا۔“

(ترمذی: ۶۸۶۳، مسند بزار: ۳۵، صحیح ابن حبان، رقم: ۱۶۸۶۳، الاماویہ مختار، رقم: ۱۹۱۸)

لہذا ابن حزم کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ ”میں تم سے بہتر نہیں ہوں“ تو اصحا نہیں بلکہ حقیقتاً ہے“ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۶۰۰ حد سوم میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ جب لوگوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے تاخیر کی تو سیدنا ابو بکر صدیق نے برملا کہا کہ

”مجھ سے زیادہ کون خلافت کا مستحق ہے۔ پھر جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہو گئی تو انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیئے کہ لوگوں میں تمہارے امر خلافت کا دلی تو ہو گیا، لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔“

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۶۰۰)

اس مذکورہ بالا قول سے یہ ثابت ہوا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول تواضع اور انکاری پر ہی مبنی تھا۔

امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَنْ أَكُونَ خَيْرَ كُمْ، قَالَ الْحَسَنُ: وَهُوَ وَلِلَّهِ خَيْرُهُمْ غَيْرُ مَدَافِعٍ، وَ

لَكِنَّ الْمُسْلِمَ يَهْضُمُ نَفْسَهُ أَبَدًا. (الریاض النضر ج ۲ ص ۲۳۱)

ترجمہ: یعنی مجھے اس لیے غلیظ نہیں بنایا گیا کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حالانکہ آپ (سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) سب سے بہتر تھے جس میں کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ تاہم کس نفسی مسلمان کی شان ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان کس نفسی اور انکاری پر محمول تھا۔ جب کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بھی اقرار کیا۔ محمود سعید ممدوح کے استدلالات کا انداز انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضلیت کا معاملہ ہو تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمان کہ ”میں تم سے بہتر نہیں ہوں“ کو اپنے اصل اور حقیقت پر محمول کرے جبکہ سیدنا علی المرتضیٰ کے فرمان ”اس امت میں اس کے نبی رضی اللہ عنہ کے بعد افضل شخص ابو بکر ہیں اور ابو بکر کے بعد عمر ہیں اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص ہے اور اس کا نام نہیں لیا (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۶) اور دوسرے فرمان ”خبردار جس کسی کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھے تحقیق پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر جھوٹے کی حد لگاؤں گا۔“ (کتاب الیر

ص ۳۲، تاریخ الامم ص ۱۶۶، الشریعۃ للابری رقم: ۱۱۹۶، ۱۸۳۰، ۱۸۲۹، شرح اصول الاعتقاد، محل استدلال لائی ج ۱ ص ۱۲۵، فضائل الخلفاء الاربعہ ص ۱۸۳، ۱۸۴، فضائل الصحابہ رقم: ۳۹، ۳۸۳) کو حقیقت سے بچیر کر تواضع بلکہ عاجزی اور انکاری پر محمول کرتا ہے۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟

خلافت کے وقت چند صحابہ کرام کا اختلاف صرف خلافت کی تفویض کا تھا۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ ان کا انتخاب افضل شخص ہی تھا۔ جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ خلافت کرنا قریش کا حق ہے تو پھر تمام صحابہ نے سب سے بہتر اور افضل شخص سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اجماع کے ذریعے چن لیا۔ عجیب مضحکہ خیز بات ہے کہ اگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غلیظ بن گئے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ وہ افضل بھی نہ ہوں گے؟ کیا خلافت اور افضلیت متضاد ہیں؟ کیا غلیظ بننا افضلیت کے خلاف ہے؟ جبکہ

اس کے برعکس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر صحابہ کرام کا اتفاق کرنا یہ ناابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور افضلیت بیک وقت دونوں پر اجماع ہو گیا۔ لہذا کسی کے قول سے یہ اجماع ٹوٹ ہی نہیں سکتا۔ لہذا ایسے اوجھے ہتھکنڈے آزمانے سے منہج اہل سنت و جماعت کے عوام و خواص کو تشکیک کا شکار بنانا مناسب نہیں۔

شیخ ممدوح کا خلافت اور افضلیت کے متکرم کے حوالہ نقل کرنا

شیخ ممدوح نے حضرت علی المرتضیٰ کو افضل بنانے کے لیے نادانی میں ایسے حوالہ جات بھی نقل کر دیے جن میں صحابہ کرام نے خلافت کے لیے افضلیت کی شرط بیان کی ہیں۔ لہذا ان کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

۱- غایۃ التبجیل ص 200 پر لکھا ہے:

مرزبانی نے کہا: جب حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اہل کوفہ کو پہنچی تو ہاشم نے ابوموسیٰ اشعری کو کہا: اے ابوموسیٰ ہم اس امت کی بہترین ہستی علی کی بیعت کریں۔ (بحوالہ الاما ص 593/3)

۲- شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۷۷ پر لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم و تفصیل کے قائلین میں جلیل القدر صحابی حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی ہے۔ تاریخ طبری اور نصر بن مزاحم کی کتاب صفین میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا:

اما بعد: معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے اس امر کی طرف بلائیں جس سے اللہ ہماری امت اور ہماری دعوت کو ایک کر دے۔ اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرماوے۔ اور ہم تجھے بہت میں امت کے افضل ترین اور اسلام میں اتباع کے لحاظ سے بہترین شخصیت کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی کو سمجھنے کی ہدایت دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، صرف تم اور تمہارے ساتھی ہی باقی رہ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲، صفین نصر بن مزاحم ص ۱۹۷)

غایۃ التبجیل صفحہ 196 پر سعید ممدوح نے ایک اہم بات لکھی ہے کہ ابن ابی الحدید کے قول میں غور فرمائیے اور اس زمانے میں لفظ شیعہ ان لوگوں کے بارے میں معروف تھا جو

افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے یہ بات امام اشعری رحمہ اللہ اور ابن حزم کے اس قول کے موافق ہے جو پیچھے گزر چکا ہے اور یہ زمانہ صفین اور اس کے بعد کا زمانہ پس اس زمانے میں صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد (مذکورہ صورت میں) شیعہ تھی۔

۳- غایۃ التبجیل ص 199 پر لکھا ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب عظیم المرتبت صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جب معرکہ کا حکم مقرر فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا لوگو! ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمارے نبی محمد رضی اللہ عنہ کے بعد بہتر ہیں۔ (بحوالہ تاریخ الملوک والاہم لابن جریر الطبری ص 66/3 فیضی)

۴- غایۃ التبجیل ص 200 پر لکھا ہے:

مرزبانی نے کہا: جب حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اہل کوفہ کو پہنچی تو ہاشم نے ابوموسیٰ اشعری کو کہا: اے ابوموسیٰ ہم اس امت کی بہترین ہستی علی کی بیعت کریں۔

(بحوالہ الاما ص 593/3)

۵- غایۃ التبجیل ص 201 پر لکھا ہے:

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ابی لہب بن عبد المطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ معاملہ پہلے ہوا ہاشم سے پھر ابوالحسن سے رخ موڑ جائے گا۔

کیا وہ پہلے شخص نہیں جس نے تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور کیا وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر

عالم کتاب و سنت نہیں۔ (بحوالہ الاما ص 40/4)

۶- غایۃ التبجیل ص 201، 202 پر لکھا ہے:

حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا:

کاش میں جانتا کہ کون ہماری ذمہ داری اٹھائے گا اور کیا قریش میں امام کے بارے میں تنازع ہوگا؟ اس امر کو سنہانے کھلے تین قریشی افراد میں اللہ بہتر کرنے والا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ یا صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اہل ہیں اور ان تین کے بعد کوئی چوتھا اس کا اہل

نہیں۔ (بحوالہ طبقات الکبریٰ ص 410/2)

۷- غایۃ التبجیل ص 203 اور ص 204 پر لکھا ہے۔

چوتھے باب کا جواب

حیات نبوی میں افضل الصحابہ کی تحقیق

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۳ تک تقریباً ۳۱ علماء کرام کی تصریحات سے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں وصال ہونے والے صحابہ کرام بعد میں زندہ رہ جانے والے صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ سعید ممدوح نے جن علماء کرام کے حوالے پیش کیے ان کا نام مندرجہ ذیل ہے:

- ۱- امام ابن عبد البر رحمہ اللہ بحوالہ الاتذکار ۱۳/ ۲۳۷
- ۲- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بحوالہ فتح الباری ۱/ ۱۷۱
- ۳- ابن رشد رحمہ اللہ بحوالہ الجامع من المقدمات صفحہ ۱۷۶
- ۴- قاضی عیاض بحوالہ اکمال المعلم لخواجہ مسلم ۷/ ۳۸۲

پھر سعید ممدوح صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے:

”میں کہتا ہوں: ہر چند کہ بعض علماء نے اس مذہب کو فقہ ابن عبد البر کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ جلیل القدر صحابہ کرام کے ایک گروہ کا مذہب ہے (یعنی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل وہ حضرات ہیں جنہوں نے حیات نبوی ﷺ میں شہادت کا ترہ پایا اور بعض علماء کرام نے میدان جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو افضل معین کیا ہے فتح الباری ۱/ ۱۷۱)۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے پس اطلاعات، تہویات (دھمکیاں)، اجماعات اور دعوے کہاں۔“

جواب: ان میں سے زیادہ تر لوگوں نے یہ مذہب ابن عبد البر کا نقل کیا ہے:

۱- اس مذہب کو نقل کرنے کے بعد علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و هذا الإطلاق غير مرضي ولا مقبول.

(شرح مسلم نووی باب فضائل صحابہ ۸/ ۱۱۸)

”یعنی یہ قول ناپسندیدہ اور غیر مقبول ہے۔“

معلوم ہوا کہ ایسا مذہب شاذا اور غیر مقبول ہے اور شاذا مذہب کو پیش کرنے والا شر پھیلانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ تحقیق پیش کی جا چکی ہے۔ علامہ نووی کے اس قول سے علامہ سیوطی رحمہ اللہ تدریب الراوی ۲/ ۲۲۳ فی معرفۃ الصحابۃ اور امام الاینباسی شذایض صفحہ ۵۰۷ پر یہ قول نقل کرتے ہیں:

۲- ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی اس قول کی تردید کی ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

و اغرب من هذا كله قول طائفة منهم ابن عبد البر المالکی. أن من توفي من الصحابة حال حياته أفضل ممن بقي بعدهم. و لعله محمول على وأعدا العشرة للبشرقة. (ثم اعراض صفحہ ۶۳)

ترجمہ: اور اس گروہ کے اقوال میں سب سے زیادہ غریب قول ہے جو ابن عبد البر رحمہ اللہ مالکی نے کہا ہے کہ جو صحابہ وصال فرما گئے بقیہ صحابہ کرام کی حیات میں تو وہ بقیہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں: اور شاید کہ یہ قول عشرہ مبشرہ کے بعد پر محمول ہے۔

۳- علامہ قسطلانی رحمہ اللہ بھی المواہب الدنیہ پر ابن عبد البر کے قول کو غلط لکھا ہے۔

۴- علامہ سخاوی رحمہ اللہ تمام اقوال کے بارے میں لکھتے ہیں:

حكي البازري عن الشيعة تفضيله و عن الخطابي تفضيل عمرو عن الراونديه تفضيل العباس والقاضي عياض ان ابن عبد البر و طائفة ذهبوا الى أن من توفي عن الصحابة في حياة النبي ﷺ أفضل ممن بقي بعده قوله ﷺ في بعضهم أنا شهيد على هؤلاء وعين بعضهم فهم جعفر بن ابی طالب و كل هذا مردود.

(فتح المغیث ۳/ ۱۲۹)

مترجم: ”علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ المازری نے شیعوں کو تفضیل، خطابی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی تفضیل، روانہ یہ حضرت عباس اور قاضی عیاض نے ابن عبد البر سے ایسے صحابہ کرام کی تفضیل نقل کی ہے جو نبی کریم ﷺ کے دور میں تھے۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ

لکھتے ہیں یہ تمام اقوال و مذاہب مردود ہیں۔

لہذا جب کوئی قول شاذ ہو اور محدثین کرام اس کا رد بھی کر دیں تو پھر ایسے قول کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور ایسے اقوال سے استدلال کرنے والا اصول کے خلاف چلنے والا ہے۔

نیز جب ایک امر طے شدہ ہے کہ مسئلہ افضلیت کا مدار قرب اللہ تبارک و تعالیٰ ہے تو محدثین یا چند ائمہ کے اپنے فہم سے مسئلہ افضلیت میں مروی اقوال ہر چند ناقابل قبول تصور کیے جائیں گے۔



پانچویں باب کا جواب

افضل کا تعین کرنے والوں کے مذہب کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے مسئلہ تفضیل کو الجھانے کے لیے غایۃ التبجیل مترجم صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ ۱۴۶ تقریباً انیس اقوال نقل کیے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو افضل کہا ہے۔ ان اقوال کا مختصر بیان مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا قول: اکثر حضرات کا یہ کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے افضل ہمارے آقا و مولیٰ غلیظہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ ایک انتہائی مشہور و معروف اور واضح قول تھا اور یہی اہل سنت، خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے بعض حضرات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو قطعی مانتے ہیں۔ لیکن اہل سنت کے اشعری و ماتریدی ائمہ کے نزدیک یہ ایک ظنی قول ہے۔ (غایۃ التبجیل صفحہ ۱۱۶)

جواب: سعید ممدوح کی اس عبارت سے چند باتیں واضح ہو گئیں:

- ۱- صحابہ کرام میں سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول مشہور و معروف اور واضح تھا۔
- ۲- سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ہی اہل سنت، خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔
- ۳- اہل سنت میں مسئلہ افضلیت بعض کے نزدیک قطعی اور بعض کے نزدیک ظنی ہے۔

اب ان نکات سے یہ واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت مشہور و معروف تھی۔ اس بات کا اقرار کر لینے کے بعد ان احادیث پر ہاتھ صاف کرنا قلم ہو گا جو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری شریف کی روایت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ڈرے لکے ذوالی روایت۔ تفسیلیوں کو عجیب مسئلہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اقرار محضوں میں اور لوگوں کے سامنے کرتے ہیں مگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرنے والی روایات پر جرح و قدح بھی کرتے ہیں

اور ان روایات پر اپنی باطل تاویلات کی بنا پر تاویل کرتے ہیں جیسا کہ سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل صفحہ ۳۱۵ اور صفحہ ۳۲۳ مترجم پر کیا ہے۔

لہذا ایسی حرکت کرنا علی خیانۃ کے مترادف ہے۔ اور رہا اس مسئلہ کا ظنی ہونا تو ہم پہلے باب کے جواب میں ظنی ہونے کے بابت تحقیق کر آئے ہیں کہ اس مسئلہ کو تحقیق کی روشنی میں ظنی کہنا غلط ہے بلکہ شیخ ممدوح کے پیش کردہ حوالوں سے تو ظنی ہونا ایک طرف بلکہ ان اقوال سے تو وقت ثابت ہوتا ہے۔

ہمارا تو یہ سوال ہے کہ ان اکابرین کا اس مسئلہ کو ظنی کہنا کس درجہ کا ہے؟ ان کی مراد ظنی بالمعنی اعم ہے یا کہ ظنی بالمعنی الاخص۔ جناب ظنی ظنی کہہ کر اپنا مطلب نکالنا غلط ہے۔ اگر تفصیلی حضرات مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں تو ذہن کے کی چوٹ پر اس کا اظہار کریں۔ حالانکہ ظنی ظنی کی رت لگا کر خود شیخ محمود سعید ممدوح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دلائل پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ تقریباً لکھنے والے صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے شیخ سعید ممدوح مسئلہ تفصیل میں مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی طرف مائل ہیں۔ اگر پانچویں باب میں افضلیت کے باب میں ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹

قول کو بہت سراہا۔“ (بحوالہ الاستیعاب ۳/۳۹۲)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد کسی کو بھی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ عظمت اور سخاوت کا حامل نہیں دیکھا۔“ (بخاری: ۳۶۸۷)

(iv) ”صحابہ کرام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق باہم گفتگو کر رہے تھے کہ عطارد

کے ایک شخص نے کہا کہ عمر بہتر ہیں ایک شخص نے کہا کہ ابو بکر بہتر ہیں۔ اور کہا: تو مجھ سے

دور ہو جا اور فرمایا کہ بے شک ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں اس لحاظ سے

افضل ہیں۔ اور کہا کہ جس شخص نے اس قول کے علاوہ کوئی بات کہی تو اس کے لیے وہی سزا

ہے جو سزا مفتی کی ہے۔“ (بحوالہ فضائل صحابہ رقم: ۱۸۹-۱۳۹۶ الامارۃ لابی نعیم رقم: ۵۶)

(v) حضرت جابر بن نفیر فرماتے ہیں کہ چند افراد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے کہا کہ

خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو ان سے زیادہ عدل میں بڑھا ہوا حق بات کہنے والا اور منافقین

پر غضبناک نہیں پایا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اللہ کی قسم! تم نے حقیقت کے

خلاف بات کی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے بعد عمر سے بھی زیادہ افضل شخص کو دیکھا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ اے عوف رضی اللہ عنہ! تم کس کو افضل شمار

کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ کو۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عوف نے سچ کہا اور تم

لوگوں نے غلط کہا۔ یقیناً ابو بکر مشک کی خوشبو سے بھی عمدہ تھے اور میں ہرگز ان کی مثل نہیں

ہوں۔ (الامارۃ لابی نعیم صفحہ ۵۷)

(vi) حسن فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے لوگوں میں سب سے بہترین

شخص۔ تو انہوں نے فرمایا: میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ تو اس شخص نے کہا: ”اللہ کی قسم ہم

نے کسی کو آپ سے زیادہ بہتر نہیں دیکھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کیا تم نے ابو بکر کو

نہیں دیکھا؟“ اس نے کہا: ”نہیں۔۔۔۔۔۔ پھر آپ نے اوپر والی بات ارشاد فرمائی۔

(المستدرک ابن ابی شیبہ ۱۲/۱۶)

پھر اس کے بعد سعید ممدوح لکھتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں واضح سبق یہ ہے کہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے افراد پائے جاتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے۔

(vii) بے شک ابن جریج مکی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابو بکر پر مقدم مانتے تھے۔

(العواصم بن القوام صفحہ ۲۵۸)

جواب: شیخ محمود سعید ممدوح کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دینا

خود ان کے پیش کردہ حوالوں کی رو سے غلط ہے۔ شیخ ممدوح کے پیش کردہ اقوال کا جائزہ بالترتیب

ملاحظہ کریں۔

(i) ابن حزم کا امام حاکم کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا ایک فضول حوالہ ہے۔ ابن

حزم اور محمد بن عبداللہ حاکم کے درمیان سند غائب ہے اور ان کے واسطے سے یہ خبر پہنچی یہ تو

خود سعید ممدوح بتا سکتا ہے یا ان کے خیر خواہ۔ لہذا مجھول راویوں پر اعتماد آپ ہی کریں

اور اپنے سینے سے یہ قول لگا کر خوشی منائیں۔ حالانکہ تحقیق کے میدان میں ایسے حوالے فضول

ہیں۔ خواہ خواہ وقت کا بھی ضیاع اور سیاحت کا بھی۔

(ii) عبدالرزاق عیسیٰ اور معمر بن راشد کے حوالے میں امام وکیع کا مسئلہ فضیلت پر مسرور ہونا

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل بتانے والے کو جھڑکنے کا قول بھی سند

کمزور ہے۔ الاستیعاب ۳/۳۹۲ میں تو اس کی سند موجود ہی نہیں ہے۔ تفضیلیوں کے سرگرم

رکن ظہور احمد فضلی نے شرح خصائص علی صفحہ ۵۳۲ اور ۵۳۳ پر اس قول کو الاستیعاب

۳/۲۳۹ اور تاریخ دمشق لابن عساکر ۴۲/۵۳۰ سے نقل کیا ہے۔ مگر افوس جناب تاریخ

دمشق کی سند بھی مجھول راویوں سے بھری پڑی ہے۔ جناب اس مذکورہ حوالہ کی سند میں احمد

بن منصور بن یسار کا ترجمہ اور توثیق تو پیش کریں؟ اور پھر احمد بن منصور بن یسار کی ملاقات

عبدالرزاق سے ثابت کریں؟ سند میں احمد بن عیید اللہ بن الفضل کا تعارف بھی درکار ہے؟

جناب ایسی منقطع اور مجھول راویوں کی سند پر بغلیں بھانا آپ کا کام ہے۔ تحقیق کے میدان

میں لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔ عوام الناس کو ایسے اقوال سے دھوکا دینا اب ختم

کرنا پڑے گا۔ وگرنہ ضیعت سندوں سے استدلال کر کے خوش ہونا جاہلوں کا ہی کام ہے۔

(iii) حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کے قول سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل مطلق کہنا بھی غلط ہے۔

بخاری رقم: ۳۲۸۷ میں کسی بھی طریقے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قول ثابت نہیں

ہوتا اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں اور مزید برآں کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۵، ۳۶۷۷ سے شیخین

کریمین کی افضلیت ثابت ہوتی ہے اور شاید محمود سعید ممدوح صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ اگر بظاہر دو حدیثوں میں تعارض پایا جائے تو تطبیق دی جاتی ہے یا تاویل بھی کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ تعارض حقیقی نہیں بلکہ صوری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بخاری رقم: ۳۶۵۵ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ ثابت ہوتی ہے جبکہ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت میں فضیلت جزوی (عظمت اور سخاوت) ثابت ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ۱/ ۳۹ پر اس حدیث کی تاویل بھی کی ہے اور یہ بات بجاہت عقلی سے ثابت ہے۔ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت میں سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ اس سے خارج ہیں۔ مزید یہ کہ افضلیت مطلقہ اور فضیلت جزوی میں کیا مقابلہ لہذا ایسے اقوال پیش کر کے سعید ممدوح اپنی جہالت کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ حدیث کا مفہوم وہی معتبر ہوتا ہے جس کا تعین سلف و صالحین نے کیا ہو۔ اور سعید ممدوح کی اس پیش کردہ روایت سے کسی محدث نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول نہیں کیا۔ حیرانگی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ایک طرف اور کہاں زید بن اسلم کا قول؟ کچھ تو خیال رکھیں۔

(iv) فضائل صحابہ، رقم: ۱۸۹-۳۹۶ سے یہ استدلال پیش کرنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپس میں بحث چل رہی تھی اور عطار کے ایک شخص نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں۔ انتہائی جہالت ہے۔

ال: قویہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں لوگوں میں سے ایک کو ضرب لگانا اور دوسرے کو سزائے مفتری سنانا یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ پہلے شخص کو اس لیے ضرب لگائی کہ اس نے کیوں اس مسئلہ میں بحث کی حالانکہ یہ مسئلہ متفقہ اور تسلیم شدہ تھا اور عطار کے ایک شخص کو مفتری کی سزا اس لیے دی کہ اس نے غلط بات کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

دوم: اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دور میں ہوتے تو تفصیلیوں کو ضرور اس مسئلہ میں مفتری کی سزا دیتے جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے۔

سوم: کتنی حیرت کی بات ہے کہ عطار کے ایک بندہ کے موقف کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ غلط کہیں۔ مگر آج کل تفصیلی سعید ممدوح عطار کے ایک شخص کے قول سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو افضل ثابت کر کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ عطار نام کا ایک شخص تابعی تھا کیونکہ روایت میں موجود ہے کہ

اس نے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے کو نہ پایا تھا لہذا یہ مسئلہ تابعی کے دور کا تھا۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں ایک تابعی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہتر کہے مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے قول کو غلط کہہ کر رد بھی کر دیں مگر تفصیلیہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے حوالے لیے پھرتے ہیں۔ یہ ہی تو مقام سنیت ہے کہ دیکھیں کون اہل سنت کے خلاف دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات مانتا ہے یا کہ ایک تابعی کی۔ مزید یہ کہ اگر سعید ممدوح یہ کہے کہ میں تو صرف اختلاف نقل کر رہا ہوں تو عرض یہ ہے کہ غلطی کی اصلاح یا موقف کی صحیح یا رجوع کے بعد وہ اختلاف کیسے رہ جاتا ہے؟ لہذا احیاء ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ/تابعی کے موقف کو غلط کہا ہو اور اس تابعی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو نہ مانا ہو؟ ایسے اقوال پیش کرنا علمی خیانت اور زیادتی ہے۔ اگر سعید ممدوح یہ کہے کہ میں تو صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اختلاف رہا ہے تو عرض یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بعد اختلاف کیسا؟ مزید یہ کہ آپ تو تابعین کے حوالے پیش کر رہے ہیں۔ ہم تو ایسے حوالے پیش کر سکتے ہیں کہ وہ آپ کے نزدیک بھی مسلمہ ہیں اور صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا مگر نبی کریم رضی اللہ عنہ کی حدیث آنے کے بعد ان صحابہ کرام نے اپنے اختلاف سے رجوع کر کے حق کا قبول کرنا واضح کیا۔

چہارم: سعید ممدوح کو یہ قول پیش کرنے میں شرم آنی چاہیے تھی۔ جیسا سعید ممدوح کے سامنے وہ حدیث نہ تھی کہ میرے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کا؟ تف ہے تجھ پر سعید ممدوح کہ تو ایک مرجوح قول نقل کر کے اختلاف کو بیان کرتے۔ اگر مسئلہ افضلیت پر کوئی روایت بھی نہ ہو تو میرے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہی کافی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ تجھے اور تیرے حواریین کو تیرے استدلال مبارک ہو۔

۷- حضرت عبید بن نعیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے چند افراد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عدل میں بڑھا ہوا حق بات کہنے والا اور منافقین پر غضبناک نہیں پایا ثابت کرنا بھی دھوکا ہے کیونکہ اسی حوالے کے اندر ایسی بات کرنے والے کو نہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غلط کہا بلکہ جلیل القدر صحابی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے شخص کی بات کو خلاف حقیقت کہا۔

مگر حیرت ہے سعید ممدوح پر کہ ان تابعین کا مرجوح قول سامنے لا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا صحیح مذہب اور قول کو پس پشت ڈال دیا۔ میں سوال کرتا ہوں

اپنے پڑھنے والوں سے کہ جب ایسے لوگوں کی اصلاح کر دی تو پھر ان کا موقف یا قول کہاں باقی رہتا ہے؟ مزید یہ کہ تابعی اور صحابی کے قول میں ترجیح کا حامل کونسا قول قرار پائے گا؟ مزید یہ کہ مجھے میرے نبی ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہی اہل سنت کی بچکان ہے۔ مزید یہ کہ چند افراد کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے خود غلط کہہ کر ان کی اصلاح کر دی تو پھر ایسا نظریہ کیسے باقی رہ سکتا ہے اور پھر ایسے نظریے کو سلف صالحین کا مذہب قرار دینا بھی غلط ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کی اصلاح کر دی تو پھر کسی کی صحیحی حال کے اس کے خلاف عقیدہ رکھ سکے۔ لہذا ایسے اقوال سے عوام الناس بلکہ علماء کرام میں تشکیک پیدا کرنا مردود ہے۔

vi- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول بحوالہ المصنف ابن ابی شیبہ 16/112 بھی اسی ضمن کے تحت آتا ہے۔ اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے نظریے کا سختی سے رد کیا ہے۔ لہذا ایسے اقوال تو خود تفصیلیوں کا رد کر رہے ہیں۔ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں اور لوگوں کا رد کریں مگر یہاں تفصیلی اس بات کو پیش کر رہے ہیں جس کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود رد کر رہے ہیں اور ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو غلط کہہ رہے ہیں۔ لہذا ایسے اقوال آپ ہی کو مبارک ہوں۔

vii- ابن جریج مکی رحمہ اللہ کا حضرت عمر کو ابو بکر رضی اللہ عنہ پر تقدیم دینا کسی منہج سے ثابت نہیں ہے لہذا ایسے اقوال بے سند پیش کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔

viii- طرطوشی کا قول اگر کوئی شخص عمر رضی اللہ عنہ کو مقدم مانتا تو میں ضرور اس کی پیروی کرتا (العوام ص 295) سے تو یہ صاف واضح ہو گیا کہ امت میں امام طرطوشی تک کسی کا بھی مذہب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر تقدیم کا ہے۔ لہذا ایسے حوالوں سے جو کہ ثابت بھی نہیں ہیں ان کو تحقیق کے میدان میں پیش کرنا علمی خیانت ہے لہذا ایسے اقوال کو پیش کرنا اصول کے خلاف ہے۔

اے نام نہاد محقق تو جو علماء کرام کے شاذ اقوال پیش کر کے عوام الناس کو شبہ اور تشکیک میں مبتلا کر رہا ہے۔ ذرا دیکھو علماء حق شاذ اقوال کے بارے میں کیا حکم لگاتے ہیں۔ علماء کرام کے فتویٰ بات شاذ روایت کے بارے میں اس بات کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

چوتھا قول: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 120 و ص 121 مترجم پر لکھتا ہے:

بعض حضرات نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر فضیلت دی ہے۔ امام

احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام حاکم نے از مکرمہ از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ کے بعد جعفر سے افضل نہ کسی نے جو تیاں پائیں، نہ اونٹنی پر سوار ہو اور نہ ہی گھوڑے کی زین پر سوار ہوا۔

(مسند احمد 413/2، جامع ترمذی رقم: 3764، السنن البکری لمناوی رقم: 8157، المسند رک 41/3 رقم: 209)

جواب: ۱- اس کی سند میں ایک راوی مکرمہ ہے۔ جو کہ تفضیلیہ کے نزدیک ضعیف ہے۔ صاحب مترجم کتاب غایۃ التبجیل کے استاد جناب قہر شاہ حسین گردیزی نے اپنی کتاب الذنب فی القرآن میں مکرمہ راوی پر سخت جرح کی ہے۔

۲- یہ پہلے بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک حدیث کا مفہوم دوسری حدیث سے ہی سمجھ میں آتا ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب مسند احمد رقم: 9353 میں کچھ یوں نقل کیا ہے۔

افضل من جعفر بن ابی طالب یعنی فی الجود الکرم۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ صرف اور صرف جود الکرم میں ہی افضل ہیں نہ کہ مطلقاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور یہ کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔

۳- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

کان جعفر خیر الناس للمساکین: (الاصابہ ۱/۳۸۶)

۴- علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولا ينبغي أن يزعم زاعم أن مذهبه: أن جعفر أهل الفضل من أبي بكر وعمر فإن هذا الإطلاق ليس هو على عمومهم، بل يخرج منه الأنبياء والمرسلون، فالظاهر أن أبا هريرة لم يقصد أن يدخل أبا بكر وعمر رضي الله عنهم. (سير اعلام النبلاء ۵۰۶/۱۴ رقم: ۲۸۳)

ترجمہ: یعنی اور کسی گمان کرنے والے کو یہ گمان کرنا لائق نہیں ہے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ بے شک حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں۔ پس بے شک یہ اطلاق اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس سے انبیاء و مرسلین خارج ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تحقیق کے اس

زیارت رسول ﷺ اور مسئلہ قول جس میں خیر سنے آپ نے بڑی کتاب بھی لکھی ہے، لہذا ایسے شاذ اقوال نقل کرنا جس کا کوئی مدعی بھی نہیں ہے اس کو پیش کرنا شر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس باب کے آخر میں شاذ قول کو ڈھونڈ کر پیش کرنے والوں پر علماء کرام کا فتویٰ بھی ملاحظہ کیجئے گا۔

آٹھواں قول: غایۃ التبجیل ص 124 پر لکھا ہے:

”بعض حضرات نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضل مانا ہے۔ ابن حزم نے اپنے رسالے ”المناہلۃ بین الصحابہ ص 170“ میں لکھا ہے: ہمیں ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جاتے وقت تین افراد ایسے تھے جن پر فضیلت میں کوئی فائق نہ تھا۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، امیر بن حمیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کو حافظ نے الاصابۃ 311/5 میں عباد بن بشر کے باب میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو: الاستیعاب 454/2۔

جواب: اولاً: یہ قول مختلف کتب حدیث میں موجود ہے۔ اول تو یہ قول عموم پر ہی نہیں ہے۔ بداهت عقلیہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا استثناء کیوں نہیں ہو سکتا جبکہ فضیلت شیخین کریمین پر اجماع اہل سنت ہونا بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔

ثانیاً: اس حدیث مبارک سے مذکورہ بالا تین صحابہ کرام کی فضیلت کا اثبات تو کیا جاسکتا ہے ناکہ فضیلت بھی جو کہ حدیث مبارک سے عیاں ہے۔

ثالثاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فضیلت شیخین کریمین پر دال حدیث مبارک کی راویہ ہیں ان کو مسئلہ فضیلت میں اہل سنت و جماعت کے اجماع سے الگ تصور کرنا حقائق کے منافی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارک ہے کہ

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے تین چاند دیکھے جو کہ میرے حجرے میں اتر آئے ہیں میں نے اس خواب کی تعبیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمائی آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ اگر یہ خواب سچ ہے تو اسے عائشہ آپ کے حجرے میں اہل الأَرْض میں تین سب سے بہترین (افضل) اشخاص آپ کے حجرے میں مدفون ہوں گے۔ چنانچہ سب

نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے عائشہ یہ ان تین چاندوں میں سے ایک ہیں۔ (مستدرک للحاکم کتاب المغازی والسرائیل ج 3 ص ۶۲ رقم ۳۴۰۰)

عمود معبد مدوح کی حدیث مذکورہ ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے۔ یہ راوی مدلس ہے اور یہ روایت عن سے کر رہا ہے کیونکہ محمد بن اسحاق طبقہ ثالثہ کے مدلسین میں سے ہے۔ (انکس علی ابن صلاح للحافظ ابن حجر ص ۲۵۸)

امام احمد بن حنبل نے بھی محمد بن اسحاق کو مدلس کہا ہے۔ (المخرج والتمذیل ج ۷ ص ۱۹۳) لہذا طبقہ ثالثہ کے مدلسین کا عنعنہ یعنی وہ روایت جس میں عن سے روایت کرے تو ضعیف ہوتی ہے۔ علامہ حاشی بیہقی نے اسی لئے لکھا۔

ورجالہ ثقات الا ابن اسحاق عنعن۔ (مجمع الزوائد ۱۳۹۳/۳)

لہذا اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت ایک تو اپنے عموم پر نہیں ہے اور مزید یہ کہ یہ حدیث محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لہذا خاص روایات اور ضعیف اقوال سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو متعارض نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ بالفرض یہ روایت صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو موؤل ہوگی جیسا کہ امام سخاوی، امام قسطلانی اور عیونی کے حوالہ جات اس ضمن میں پر در قلماس کئے جا چکے ہیں۔

نواں قول: غایۃ التبجیل ص 124 پر لکھا ہے:

”ان حضرات کے مذہب کا بیان جو اہل صفہ کو عشرہ مبشرہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس مذہب کو ابن تیمیہ نے الفتاویٰ 56/11 میں اور مجموع الرسائل 46/1 میں بیان کیا ہے۔“

جواب: ابن تیمیہ اور ان حضرات کے درمیان کون سی سند ہے؟ اور ابن تیمیہ نے کس روایت سے استدلال کیا ہے؟ اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ کیا یہ حضرات اہل صفہ کو مطلقاً افضل سمجھتے تھے؟ یا کہ جزوی فضیلت کے قائل تھے؟ اگر جزوی فضیلت کے قائل تھے تو ہمارے موقف کے خلاف نہیں ہے اور اگر مطلقاً فضیلت کے قائل تھے تو پھر یہ آپ کے موقف کے بھی خلاف ہے۔ جناب عالی ایسے اقوال کا نہ تو کوئی مدعی موجود ہے اور نہ کوئی قائل۔ لہذا ایسے معدوم اور مرجوح مذہب آپ کو ہی مبارک ہوں۔ مزید یہ کہ اللہ کے رسول نے ہمیں شیخین کی اقتداء کرنے کا دیا ہے۔ لہذا خود تیسرے قول کے تحت بڑی تفصیل سے کلام ہو چکا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف اور صرف سیدنا ابو بکر

مدلیق جیہ کو افضل مانتے تھے اور اس قول پر تمام صحابہ کرام کا اجماع صحیح بخاری میں واضح موجود ہے۔ جناب والا اجماع سے قبل اختلاف اور مابعد کا اختلاف اجماع کو مضر نہیں ہوتا ذرا اصول کی کتابوں کو بھی ملاحظہ کر لیں۔

میں تو نبی کریم ﷺ کے اس قول کا بھی دھیان ہے کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اقتداء کرنا۔ ہمارے موقف کی حقانیت پر تو یہ حدیث کافی وثافی ہے۔ جناب دو مختلف مذہب میں بھی اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ آپ کی یہ کیسی چال ہے کہ جس کو بھی افضل مان لو تو منظور ہے۔ جناب خیال رکھیں اگر کل کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل کہہ دیا تو آپ کو مشکل پڑ جائے گی۔ لہذا باطل تاویلات کے ذریعے اس مسئلے کو گڈ مڈھ کرنے کی کوشش سے اجتناب کریں۔

دسوال قول: غایۃ التبجیل مترجم ص 124 اور ص 125 پر لکھا ہے:

”ان حضرات کا مذہب جو حضرت عباس کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں۔ ابو بکر باقانی نے کہا: فضیل بن میسب کہا کرتے تھے نبی کریم ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل عباس ہیں اور وہ آپ کے وارث ہیں یہی آج تک تمام راویوں، ابو موسیٰ اصہبانی اور اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔“ (مناقب الامۃ الاربعہ ص 153)

قاضی عبدالجبار لکھتے ہیں:

”اس قول کو ابن ابی اسحاق نے سعید بن میسب سے روایت کیا ہے اور ابو عثمان باحظ نے بھی ان کے متعلق اسی قول کو بیان کیا ہے۔“ (الغنی 113/20)

جواب: امام باقانی سے لے کر فضیل بن میسب تک سند پیش کریں اور ابن ابی اسحاق اور ابو عثمان باحظ کی سند بھی پیش کریں پھر فیصلہ ہو گا کہ سند صحیح ہے کہ قول صرف مشہور ہے بغیر کسی ثبوت کے۔ مزید یہ کہ بدعتی فرقے راویوں کا یہ مذہب آپ ہی کو مبارک ہو۔ اور یہ بھی بتائیں کہ قاضی عبدالجبار سنی ہے یا معتزلی؟ جناب قاضی عبدالجبار معتزلی کے حوالے آپ کے لیے حجت ہو گئے۔ لہذا راویوں اور معتزلیوں کے اقوال پر آپ ہی خوش ہوں۔

مزید یہ کہ ذرا یہ بھی پیش کر دیں کہ فضیل بن میسب کے قول میں افضلیت جزوی۔ فضیل بن میسب کے قول سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ وہ وارث کی حیثیت سے ان کو افضل مانتے ہیں۔ اگر

جزوی فضیلت ہی افضلیت ہے تو پھر تو ہر صحابی دوسرے صحابی سے کسی نہ کسی حیثیت اور جہت میں افضل ہو جائے گا۔

عیار ہواں قول: غایۃ التبجیل ص 125 پر لکھا ہے۔

بعض حضرات نے سیدہ فاطمہ بنت نبی کریم رضی اللہ عنہا کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی ہے کیونکہ وہ نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے جسم اقدس کا حصہ ہیں۔

سعید ممدوح نے ص 125 تا ص 130 تک تقریباً 9 علماء کرام سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے اقوال نقل کیے ہیں، ان اقوال میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اجماع الاوسط رقم: 2721، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول المسند رک 155/3 امام مالک کا قول الحاموی 294/2، مرتقاۃ المفاتیح، 56295، شیخ ابوسئل محمد بن سلیمان کا قول کتاب الاجابۃ فیما استدركتہ ص 58، علامہ مناوی کا قول فیض القدیر سے، علامہ عراقی کا حوالہ فیض القدیر 424/4 ہے۔ امام آلوسی کا حوالہ روح المعانی 165/88، علامہ نعمانی کا قول، اور شیخ احمد المقرئ کا قول فتح المتعالمین ص 385 سے نقل کیا ہے۔

جواب: ان حوالوں کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ما رایت افضل من فاطمة غیر ابیہا نحو الاعم الاوسط رقم: 2721 مرسل ہے۔ کیونکہ اس کے ایک راوی عمرو بن دینار نے حضرت عائشہ سے نہیں سنا۔ لہذا یہ سند مرسل ہے۔ احادیث مرسل ماننے کی چند شرائط اصول کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مزید یہ کہ اصول میں یہ بات واضح ہے کہ ترجیح احادیث صحیحہ مرفوعہ اور اجماع اہل سنت و جماعت کو دی جائے گی۔

۲- دوم یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اسی سند سے ایک روایت مسند ابی یعلیٰ رقم: 4700 پر بھی موجود ہے۔ جس کے الفاظ ہیں:

قالت عائشة ما رایت أحدا قط أصدق من فاطمة غیر أبیہا۔

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کے متن میں خود تخصیص ثابت ہے کہ میں نے کسی کو بھی فاطمہ سے بڑھ کر سچا نہیں دیکھا۔ معلوم ہوا کہ افضلیت سچ بولنے میں ہے جو کہ فضل جزوی ہے جبکہ مسئلہ افضلیت کلی کا ہے۔

یاد رہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود سرکار پاک ﷺ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیدنا

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت روایت کی ہے۔

(دیکھئے ترمذی حدیث نمبر 3589 اور 3590 باب مناقب ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ)

۳- حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث "اے فاطمہ! اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کسی کو تم سے زیادہ محبوب نہیں پایا اور اللہ کی قسم تمہارے والد کے بعد لوگوں میں سے کوئی شخص بھی میرے نزدیک تم سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔" (المسند رک: 155/3 رقم: 4736) کو حافظ ذہبی نے تلخیص المسند رک: 4736 پر غریب عجیب لکھا ہے۔ حافظ ذہبی کا اس حدیث کو عجیب غریب لکھنے پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "أحبنا الی رسول اللہ ﷺ" کہتے ہیں۔ اور تفضیلیہ کے ہاں بھی اجماعیت، افضلیت کو مستزکم ہے۔ جیسا کہ شیخ محمود سعید ممدوح نے حدیث طبر اور دیگر روایات کے تحت ذکر کیا ہے۔

مزید یہ کہ ایسے اقوال بہت سارے صحابہ کرام کے لیے ثابت ہیں بلکہ ایسے الفاظ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی موجود ہیں۔ عرض یہ ہے کہ ہماری اس بات سے کوئی یہ الزام نکالنے کی کوشش نہ کرے کہ ہم اہل بیت کی فضیلت کے منکر ہیں۔ اور یہ کہ اگر ان روایات سے فضیلت ثابت کرنی ہے تو چشم ماروٹن دل ماشاء۔ اور اگر ان روایات سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کرنا ہے تو پھر ان روایات کو ضرور پرکھنا ہوگا کیونکہ فضیلت میں تو ضعیف احادیث سے استدلال ہو سکتا ہے مگر مسئلہ افضلیت میں ضعیف احادیث سے استدلال اصول کی روشنی میں غلط ہے۔

۳- امام مالک رحمہ اللہ کا قول کہ "میں رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کے ٹکڑے پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا" بحوالہ الحادای 2/294 و مرقاۃ المفاتیح 56295 سے استدلال افضلیت مطلقاً کرنا غلط ہے۔ کیونکہ امام مالک تو اپنی کتاب المدونۃ البکری میں شیخین کریمین کی افضلیت کے بارے میں قطعیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور امام الانبسی نے اشد الفیاح میں امام مالک سے تفصیل شیخین کے بارے میں قطعیت کا قول نقل کیا۔ جناب والا خود امام مالک رحمہ اللہ کا وہ حوالہ بھول گئے جو آپ نے غایۃ التبجیل ص 83 اور ص 84 پر امام مالک رحمہ اللہ کو مسئلہ افضلیت میں توقف کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ جناب کیا الاستدلال 14/20، 14/241، 14/243 کے حوالہ جات کو ہضم کر گئے ہیں، میرا سعید ممدوح اور ان

کے حواریین سے صرف ایک سوال ہے کہ کیا امام مالک رحمہ اللہ مسئلہ تفضیل پر توقف کرتے تھے یا کہ نہیں؟ اگر توقف کرتے تھے تو پھر یہ تناظر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا حوالہ کیوں پیش کیا؟ اور اگر وہ مسئلہ تفضیل میں توقف نہیں کرتے بلکہ یہ تناظر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو افضل سمجھتے تھے تو پھر آپ نے امام مالک کو توقف کرنے والوں کی فہرست میں کیوں شمار کیا؟ جناب آسانی سے جان نہیں چھوٹ سکتی۔

۴- شیخ ابوبکر محمد بن سلیمان کی بات بحوالہ الاجلیۃ فیما استدرکہ ص 58 پر کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے تھے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے تو عرض یہ۔ ہے کہ یہ حوالہ ظاہر کر دیا ہے کہ افضلیت کا قول تقابیل کے طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ہو رہا ہے تو جناب تقابلی فضیلت سے تو جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مطلقاً افضلیت۔ لہذا ایسے اقوال سے استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔

۵- علامہ مناوی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے کے تحت جو فرمایا ہے، سبکی نے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو برا کہا اس نے کفر کیا کیونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو برا کہنا رسول اللہ ﷺ کو غضبناک کرنا ہے اور بے شک وہ شیخین سے افضل ہیں۔ (فیض اللہ ص 421/4) اس قول سے استدلال کرنا غلط اور مردود ہے۔ جناب سعید ممدوح نے جو حوالہ دیا اس کے متصل دو الفاظ وہ چھپا گئے۔ اس کے متصل بی فیض اللہ ص 421، 420 پر علامہ مناوی نے لکھا ہے: قال ابن حجر وفیہ نظر۔ یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس قول میں نظر یعنی گڑھ بڑھ ہے۔

جناب فیض اللہ کا مزید مطالعہ بھی فرمائیے۔ علامہ مناوی اس قول "ہی افضل الصحابة حتی شیخین" کے بعد لکھتے ہیں:

و اطلاقه ذلك غیر مرضی بل ینغبی ان یقال انها افضل من
حيث البغۃ حتی شیخین۔
کے بعد لکھتے ہیں:

و اطلاقه ذلك غیر مرضی بل ینغبی أن یقال انها افضل من
حيث البغۃ الشریفة والصدیق افضل بل وبقیۃ الخلفاء أربعة

من حیث المعرفة وجموم العلوم ورفع منار الاسلام. ولبسط
ماله من الاحكام على البسیله كما يدل على ذلك بل يصرح به
كلام التضاد انی فی المقاصد حیث قال بعد مآقر ان افضل
الائمة المصطفى ﷺ الاربعة ورتبهم على ترتيب الخلافة
مانضه. (فیض القدر 107/3 رقم: 2868)

مفہوم: اس عبارت سے واضح ہے کہ ایک تو جس نے یہ کہا کہ سیدنا فاطمہ شیخین سے بھی افضل ہیں
اس کا رد کیا اور علامہ مناوی نے تشریح کر دی ہے کہ اس روایت میں افضل ہونا صرف نبی کریم ﷺ
کے جسم کے ٹکڑے ہونے کی حیثیت سے افضل ہے اور جسم کے ٹکڑے کی حیثیت سے افضل ہونا
جزوی فضیلت ہے جو کہ افضلیت مطلقہ کے خلاف نہیں ہے۔

مزید یہ کہ اگر سعید ممدوح مسئلہ افضلیت کا دار و مدار جزو جسم نبی کریم ﷺ پر رکھتے ہیں تو پھر یہ
بتائیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ میں سب سے افضل کون
ہے؟ تو جناب جواب کیا ہوگا؟

جناب مالی ہم بھی سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کے جسم کے ٹکڑا ہونے کی وجہ سے افضل مانتے
ہیں۔ ہم نے اس کا انکار کبھی نہیں کیا۔ مگر مسئلہ اس وقت افضلیت مطلقہ کا ہے نہ کہ افضلیت جزوی کا؟
ہم ابتداء میں اس مسئلہ کے بارے میں چند اصول وضع کر آتے ہیں لہذا وہاں مطالعہ کریں۔

۵۔ علامہ عراقی کے قول "سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہما بالاتفاق خلفاء اربعہ
سے افضل ہیں۔" (فیض القدر: 424/11) اس قول کا جواب شیخ محقق نے تکمیل الایمان میں
دیا ہے۔ شیخ محقق لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ تمام روایتیں نہ تو ہمارے مقصود کے لیے
نقصان دہ ہیں اور نہ ہمارے مدعا کے برخلاف ہیں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ ہمارا مقصود
یہاں ایک خاص وجہ کی سبب افضلیت سے ہے اور اگر کسی اور وجہ سے مفضولیت ہے بھی تو
یہ اس کے منافی نہیں ہے۔ چونکہ مذکورہ فضائل میں کثرت ثواب اور اہل اسلام کو نفع
پہنچانے کا معنی نہیں ہے بلکہ یہ نسبی شرف اور ذاتی جوہر کی عظمت کے حوالے سے ہے (لہذا
کوئی حرج نہیں) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد آپ ﷺ کے
مبارک جسم کا جزو ہے اور یہ فضیلت حضرات شیخین کریمین کو حاصل نہیں اور اس حوالے سے

کسی شخص کو وقت اور انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شیخین کریمین کثرت ثواب
اور اسلام اور اہل اسلام کے لیے نافع اور زیادہ جلالت و بزرگی عالی ہیں اور یہی وجوہات
افضلیت ہیں۔

علامہ عراقی کے اس قول کے بارے میں وضاحت خود علامہ مناوی نے کی ہے۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ عراقی کا یہ قول پرندہ نہیں بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ یوں
کہا جاتا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر گوشہ مصطفیٰ ﷺ ہونے کی وجہ سے افضل ہیں اور خلفاء اربعہ رسول اللہ
ﷺ کی بارگاہ سے خزانہ علوم جمع کرنے دین کی مدد کرنے، اسلام کے مینار بلند کرنے اور تقویت
اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کی بنا پر افضل ہیں جیسا کہ علامہ تھمازانی رحمہ اللہ کا اپنی کتاب
مقاصد میں یہ کلام اس پر دلالت بالصرحت کر رہا ہے کہ آپ نے خلفاء اربعہ کو جمع امت میں اپنی
ترتیب خلافت کے مطابق افضل ہونے کا اثبات کرنے کے بعد فرمایا۔ ان کے بعد ثابت ہے کہ
سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام بھالوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (شرح نمودج المصیب قلمی)

علامہ زرقانی رحمہ اللہ بھی علامہ عراقی کا جواب کچھ یوں لکھتے ہیں:

"اگر تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت اس حیثیت سے مراد لی
ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کا حصہ ہیں تب تو یہ محمل ہے۔ اگرچہ علوم
کثیرہ، کثرت معارف (دین کے اسرار و رموز کی کثرت سے معرفت) اور دین و
امت کی مدد و نصرت کی بنا پر خلفاء اربعہ ہی افضل ہیں۔" (شرح مواہب الدنیہ)

لہذا معلوم ہوا کہ امام عراقی رحمہ اللہ کے قول کو علماء کرام نے کوئی احسن طریقہ سے نہیں مانا بلکہ
اس قول سے مطلقاً افضلیت کو مانتے والوں پر رد کیا لہذا ایسے اقوال ہمارے موقف کے خلاف بھی
نقلاً نہیں ہیں۔

۷۔ علامہ آلوسی کا حوالہ کہ "جسم نبوی ﷺ کا حصہ ہونے کی حیثیت سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے برابر
کوئی نہیں۔" (روح المعانی 165/28) بھی ہمارے موقف کے کوئی خلاف نہیں۔ جسم نبوی
ﷺ کا حصہ ہونے کی حیثیت سے جزوی فضیلت ثابت ہوئی ہے مگر یاد رہے کہ اختلاف تو
افضلیت مطلقہ کا ہے۔ لہذا ایسے حوالے ہمارے خلاف نقل کرنا کوئی مفید نہیں ہے۔

۸۔ علامہ نجمانی رحمہ اللہ اور علامہ عثمی رحمہ اللہ کے حوالہ فیض القدر 421/4 ہمارے خلاف نہیں۔

مزید یہ کہ علامہ شمس الدین عظیمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب خود علامہ مناوی فیض القدیر 107/3 رقم: 2868 کے تحت دے چکے ہیں۔ علامہ مناوی لکھتے ہیں:

اطلاقہ ذلك غير مرضي بل ينبغي ان يقال انها افضل من حيث البغية الشريفة والصديق افضل بل وبيعة الخلفاء الاربعة۔

ترجمہ: یعنی یہ افضلیت کا اطلاق مرضی اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ علماء کرام نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا ٹکڑا ہونے کی حیثیت سے افضل ہیں اور حدیث اکبریٰ افضل ہیں۔

لہذا ایسی مردود تحقیق پیش کرنا باطل اور مردود ہے۔

9۔ شیخ احمد المتری المالکی کے حوالہ میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بطور جسم کا حصہ ہونے میں افضل کی تصریح ہے جو کہ فضیلت جزئی ہے جبکہ اختلاف افضلیت مطلق میں ہے۔ لہذا ایسے اقوال ہمارے خلاف پیش کرنا بچکانہ حرکت ہے۔

دیگر علماء نے بھی سیدتنا فاطمہ کو عورتوں میں سب سے افضل کہا ہے اور وہ بھی تمام عورتوں سے نہیں۔ مزید یہ کہ ایسے حوالے جہاں بھی پیش ہوں وہ عورتوں میں افضل ہونے کے بارے میں ہیں اور یہ فضیلت بھی جزوی فضیلت ہوگی۔

اہم نکتہ: جناب ظہور احمد فیضی صاحب اپنی کتاب شرح خصائص علی رضی اللہ عنہ ص 648 پر تمام حوالہ جات دے کر لکھتے ہیں "اس تمام تر تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کی رو سے دنیا و آخرت میں سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا مطلقاً تمام خواتین کی سیدہ ہیں اور ان سب سے افضل ہیں۔ ظہور احمد فیضی کے اس قول سے واضح ہوا کہ سیدتنا فاطمہ الزہراء کی فضیلت عورتوں میں ہے جو کہ افضلیت جزوی ہے۔ اب عرض یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث اور مروی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہی افضل بناتی اصبیت فی۔

ترجمہ: وہ میری افضل بیٹی ہیں (حضرت زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں میری وجہ سے تکلیف پہنچائی گئی۔ (تحفۃ الاخیار رقم: 876399 ص 94)

اب سوال پیدا یہ ہوا کہ جسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہونے میں سیدہ فاطمہ کی تخصیص کیوں؟ آخر دیگر

تین صاحبزادیاں بھی تو موجود تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون تھیں۔

اس سوال کا جواب جناب ظہور احمد فیضی صاحب شرح خصائص علی ص 644 پر کچھ یوں دیتے ہیں کہ یقیناً باقی صاحبزادیاں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا حصہ تھیں لیکن ان کے حق میں ایسا ارشاد صادر نہیں ہوا۔ آگے فیضی صاحب لکھتے ہیں لہذا بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لحاظ سے ان کی بالکل اسی طرح فضیلت ہے جیسی کہ سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ہے۔ تاہم زبان نبوت سے خصوصاً سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حق میں فاطمہ کے لفظ کا صدور ان کی مخصوص فضیلت پر ضرور دلالت کرتا ہے۔ آگے لکھتے ہیں۔ تاہم علماء کرام کی عبارت سے معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مقام صبر و رضا کے باعث انہیں اپنی بہنوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ظہور فیضی صاحب اس مسئلہ کا حل امام لحاوی کے قول سے کچھ یوں نکالنے کی کوشش کرتے ہیں "علماء کرام کے مطابق یہ بہت پہلے کی بات ہے (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو افضل کہنا) جبکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی چھوٹی تھیں بعد میں جب ان کے زہد، صبر و استقامت، عبادت و ریاضت اور اعلیٰ سیرت کے احوال نمایاں ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (بشمول بنات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) تمام خواتین جہان کی میادت کا مژدہ جانفرا سنا یا۔ (شرح خصائص علی ص 646)

ظہور احمد فیضی صاحب کے اس قول سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں میں فضیلت ان کے زہد، صبر و استقامت اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے ملی۔ تو پھر جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا حصہ ہونے کی وجہ سے افضلیت کا دعویٰ تو آپ کی اپنی تصریحات کی وجہ سے غلط ثابت ہو گیا ہے۔ ذرا غور فرمائیں۔

نوٹ: اگر شیخ محمود معین ممدوح اور فیضی صاحب کے وہ حوالہ جات کو مطلقاً افضل مان لیں تو پھر تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہو جاتی ہیں اور مزید یہ کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا حصہ ہونے سے افضلیت مطلقہ کامل ہوتا ہے تو پھر تمام سیدہ حضرت شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے تو کیا صحابہ کرام سے بھی افضل ٹھہرتے ہیں۔ جناب ذرا غور کیجئے۔ دیکھ تیرا دھیان کدھر ہے۔

شاذ اقوال پیش کرنے کے بارے میں علماء کرام کا فیصلہ

1۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس شخص نے علماء کے نادر مسائل کو لیا وہ اسلام سے نکل

حمیا۔ (سیر الاعلام النبلاء ص 125/7)

2- امام سلیمان تیمیؒ فرماتے ہیں۔ اگر تو ہر عالم کی رخصت کو لینے لگے تمہارے اندر شرع

ہو جائے۔ (المجیدات 595/1)

3- ابراہیم بن ابوعبیدہؒ نے فرمایا: جس شخص نے علماء کے شاذ مسائل حاصل کیے اس نے بہت بڑے شر کو اٹھایا۔ (شرح مل ترمذی 410/1)

4- معاویہ بن قرۃؒ نے فرمایا۔ تم شاذ علم سے بچو۔ (جامع بیان العلم 2-90-91)

5- قاضی اسماعیل بن اسحاقؒ نے فرمایا۔ ”میں غلیفہ معتقدہ کے پاس آیا تو اس نے مجھے ایک

کتاب دی جب میں نے اسے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں علماء کی لغزشوں کو ہر ایک کے دلائل کو جمع کیا گیا ہے تو میں نے کہا اسے امیر المؤمنین! اس کتاب کا مصنف تو زندیق ہے تو

معتقدہ غلیفہ نے کہا ”کیا یہ احادیث صحیحہ نہیں ہیں؟ میں نے کہا احادیث تو ایسے ہی ہیں جیسے انہیں روایت کیا گیا لیکن جو عالم مسکری یعنی بنیہ کو صباح قرار دیتا ہے وہ متعدد کو مباح نہیں سمجھتا

اور جو متعدد کی اباحت کا قائل ہے وہ غنا (گانا) اور مسکر کو حلال نہیں سمجھتا اور ہر عالم کی کوئی نہ کوئی لغزش ہوتی ہے اور جس شخص نے علماء کی لغزشوں کو جمع کر کے ان کو اپنالیا تو اس کا

دین ضائع و برباد ہو گیا۔ چنانچہ غلیفہ معتقدہ نے حکم دیا اور اس کتاب کو جلا دیا گیا۔

(سنن ابی ہریرہ 211/10)

6- امام احمد بن حنبلہؒ نے امام یحییٰ بن قفطان سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی انسان ان تمام رخصتوں

اور گنجائشوں کی پیروی کرنے لگ جائے جو احادیث میں آئی ہیں تو وہ اس کی وجہ سے ضرور

فاسق بن جائے گا۔ (العلل 219/1)

7- یحییٰ بن سعیدؒ نے فرمایا: اگر کوئی شخص ہر رخصت پر عمل کرنا شروع کر دے مثلاً

سماع میں اہل مدینہ کا قول لے لے، بنیہ کے بارے میں اہل کوفہ کے قول پر عمل کرے اور متعدد کے متعلق مکہ والوں کی بات پر عمل کرے تو وہ ضرور فاسق ہو جائے گا۔

(المسودۃ ابن ہشیمہ ص 518)

8- عبد الرزاقؒ نے معمر بن سنانؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص غناء (گانا) سننے میں اور

عورتوں کے پچھلی جانب سے جماع کرنے میں اہل مدینہ کا قول لے اور متعدد اور بیع کے

متعلق اہل مکہ کا قول لے اور مسکر (بنیہ) کے بارے میں کوفہ والوں کا قول لے تو وہ اللہ

کے بندوں میں سب سے برا ہے۔ (المنہج الحیر 187/3)

9- امام ابو بکر الازہریؒ لکھتے ہیں۔ ”پس اگر کوئی شخص شطرنج کھیلنے کی رخصت ہونے میں

دلیل پیش کرتے ہوئے یہ کہے کہ وہ لوگ جو علم سے وابستہ ہیں انہوں نے شطرنج کھیلا ہے؟

تو اسے کہا جائے گا کہ یہ تو ان لوگوں کا استدلال ہے جو اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں اور

علم کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ جن بعض علماء سے لغزش ہوئی ہے تو یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کی

اس لغزش کی پیروی کی جائے ہمیں اس سے روکا گیا ہے اور علماء کی لغزشوں کی پیروی سے

ہمیں ڈرایا گیا ہے۔ (تحریم الخمر و الاشرار و الملامی ص 170)

10- حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے۔ تین چیزیں گمراہ کرنے والی ہیں۔ گمراہ کرنے والے

امام، منافق کا قرآن کے ذریعے جنگ و جدل کرنا اور عالم کی لغزش۔ (تحریم الخمر و الملامی ص 170)

11- امام ابوالحسن الکراچیؒ نے کہا: اگر کوئی کہنے والا کہے ”یہ لوگ اہل علم میں شمار ہوتے

ہیں تو اسے کہا جائے گا کہ ایک عالم کی لغزش اسلام کو منہدم اور گرا دیتی ہے لیکن ہزار جاہلوں کی

لغزش اسلام کو منہدم نہیں کرتی۔ (طبقات العربی الثانی ص 125/2)

12- ابن عبد البرؒ نے فرمایا: حکماء نے عالم کی لغزش اور غلطی کو کشتی کے ڈوبنے سے تشبیہ دی

ہے کیونکہ جب کشتی ڈوبے گی تو اس کے ساتھ بہت سے لوگ بھی ڈوبیں گے۔

(جامع البیان و العلم 111/2)

13- یزید بن عمرہؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے پوچھا کہ اللہ آپ پر رحم کرے مجھے کیسے

ہو گا کہ حکیم گمراہی کی بات کہہ رہا ہے اور منافق حق کی بات بول رہا ہے؟

تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: حکیم کے کلام میں سے جو مشبہات ہیں جن کے

متعلق تم کو یہ کیا ہیں؟ ان سے بچو لیکن یہ چیز تمہیں اس سے دور کرنے کا سبب نہ بنے کیونکہ ہو سکتا

ہے کہ وہ مراجعت کرے اور حق بات سننے پر اس تک پہنچ جائے کیونکہ حق بات کے ساتھ ایک نور

اور روشنی ہوتی ہے۔ یعنی کتاب سنت اجماع یا قیاس کی اس پر کچھ نہ کچھ دلالت اور رہنمائی موجود

ہوتی ہے۔ امام بیہقیؒ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے بتا دیا کہ دانا شخص کی

کئی بات کو لازم نہیں قرار دیتی کہ اس سے اعراض کیا جائے بلکہ اس کی صرف وہ بات چھوڑ دی

جائے گی جس پر نور نہیں ہے کیونکہ حق پر نور ہوتا ہے یعنی کتاب سنت یا قیاس کی اس پر کچھ دلالت موجود ہوتی ہے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الریۃ 186/5 رقم 4596، المعرفۃ والتاریخ 231/2، متقی الدلیل ص 444، جامع البیان 111/2)

اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہو گیا کہ علماء کے شاذ اقوال سے استدلال کرنا باطل اور مردود ہے اور علماء کرام کی ہر بات نہ قبول ہوئی ہے اور نہ ہر بات رد کر دی جاتی ہے۔ لہذا شاذ اقوال چھوڑ کر صحیح رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ یہاں ایک دلچسپ بات عرض کر دوں کہ مسئلہ فضیلت کے بڑے پر جوش حامی ایک شاذ صاحب سے اکثر اس موضوع پر گفتگو رہی ہے۔ اگر آپ التعمید ابو شکور سامی سے مسئلہ فضیلت حوالہ دیں تو وہ اس کتاب سے کوئی دوسرے موضوع پر شاذ حوالہ پیش کر دیتے۔ امام اشعری کی کتاب مقالات اسلامیہ سے مسئلہ فضیلت پر حوالہ پیش کر دو تو کہتے تھے کہ امام اشعری رحمہ اللہ تو عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں۔ اگر مجدد الت ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر حوالہ پیش کر دیں تو جواب دیتے کہ مکتوبات میں گڑھ بڑھ جاتی ہے۔ ان کے طریقے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مسئلہ تفصیل کے حامیوں کے پاس کافی شاذ اقوال موجود ہیں اور یہ اقوال سن کر ایک عام آدمی تو کیا اچھا بھلا پڑا لکھا شخص اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اور اگر اس موضوع پر اضطراب کا شکار کوئی شخص ہو گیا تو اس کے بہکنے میں پھر زیادہ وقت نہیں لگتا۔ لہذا بزرگوں کے عقیدوں پر عمل کرنا ہی منارہ نور اور رشد و ہدایت کا قرینہ ہے۔ اگر کوئی شاذ اقوال مل بھی جائیں تو اس سے ہمارے موقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بارہواں قول: غایۃ التبجیل ص 131 پر لکھا ہے:

”ان حضرات کا مذہب جو اہل کسا حنیفہ (پنج تن پاک) کو سب پر مقدم مانتے ہیں۔“

پھر سعید مدوح نے ص 131 حاشیہ تا ص 138 تک ان کی فضیلت پر اقوال نقل کیے ہیں۔

جواب: اہل کسا حنیفہ کے بارے میں پہلے مسئلہ شخصیت علامہ نبھانی رحمہ اللہ کی بھی سن لیں۔

i- علامہ نبھانی رحمہ اللہ شرف الموبد ص 45 پر لکھتے ہیں: ”میں کہتا ہوں رسالت مآب ﷺ کی کتاب میں ان لوگوں کو کس طرح داخل کر سکتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے داخل نہیں فرمایا اور یہ دلیل خاص اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک اس آیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ آل عبارت ہیں۔“ علامہ نبھانی رحمہ اللہ مزید صفحہ 47 پر لکھتے ہیں: ”حضرت اسم سلمیٰ رضی اللہ عنہا

کی اس روایت میں امام بغوی رحمہ اللہ نے معالم التنزیل میں لفظ ہاں ذکر کیا ہے۔ یعنی میں (ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا) نے کہا یا رسول اللہ میں بھی ان میں سے ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔ مقررہ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ ”میں نے (ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا) نے کہا: کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر علامہ نبھانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ دونوں روایتیں آیت کریمہ کے سابقوں لاحقوں سمیت اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ازواج مطہرات اس کی مراد میں داخل ہیں اور اسی وقت فریقین (اہل کسا) کو شامل ہو گئی تھی پیدا کہ جمہور مفسرین کا مذہب ہے۔

ii- شیخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس مسئلہ میں فرماتے ہیں: بعض فضیلت ایسی ہوتی ہے کہ وہ جمعاً ہوتی ہے۔ ذاتی نہیں ہوتی جیسے فضیلت حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، بن محمد رسول اللہ ﷺ کی باقی سب اطفال پر ہے اور فضیلت آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں کی اور ازواج مطہرات کی باقی سب عورتوں پر ہے اور فضیلت بنی ہاشم کی باقی سب قبائل پر ہے۔ اسم قسم کی تفصیل میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ (فتاویٰ عربی ص 384)

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جسم کا ٹکڑا ہونے اور اہل بیت ہونے کی حیثیت سے فضیلت ملنا ہمارے دعویٰ فضیلت مطلقا کے بالکل خلاف نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب مزید لکھتے ہیں:

”سیادت فضل کے علاوہ ہے اس واسطے کہ کسی شخص کی سیادت اس امر پر دلالت کرتی

ہے کہ اس شخص میں کسی وجہ سے شرف ہے اسلئے ہو یا سمعاً ہو امت کے مقابلہ میں

آنحضرت ﷺ کی اولاد اس شرف کی وجہ سے جو ان میں ہے سعادت میں ہر فضل

جو اسے عمل پر موقوف نہیں اور ہر امارت موقوف فضل نہیں۔“ (فتاویٰ عربی ص 372)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس مسئلہ کو کھول کر واضح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب فضیلت کے بارے میں گفتگو ہو تو ایسا سوال نامناسب نہیں کہ عام طور پر ایک

طرح کی دو چیزیں ہوں۔ ان کے بارے میں استفسار کیا جائے کہ ان دو چیزوں

میں کون سی چیز افضل ہے۔“

اس واسطے کہ ایک چیز کی فضیلت دوسری چیز پر صرف اسی صورت میں مستحق ہو سکتی ہے کہ

ان دونوں چیزوں کی فضیلت کسی وجہ سے ہو اور وہ وہ کسی ایک چیز میں زیادہ اور دوسری چیز میں کم ہو۔ اگر ان دونوں چیزوں کی فضیلت دو وجہوں سے ہو تو ایسی دونوں چیزوں میں ایک کو دوسرے سے افضل نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں میں کون افضل نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں میں کون افضل ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز میں وصف زیادہ ہے کہ اس وصف میں یہ دونوں مشترک ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رمضان افضل ہے یا حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی افضل ہے اور ایسا یہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کعبہ شریف افضل ہے یا نماز افضل ہے۔ البتہ استقراء کر سکتے ہیں کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ افضل ہے۔ رمضان شریف افضل ہے یا ذی الحجۃ افضل ہے۔ نماز افضل ہے یا زکوٰۃ افضل ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ افضل ہے یا آنحضرت کی غصاء (ناقہ اونٹنی) افضل ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ کلام بے محل ہے کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ افضل ہیں یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اس واسطے کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کی فضیلت عمل کی بنا پر نہیں بلکہ ایک خاص خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ (فتاویٰ عربی ص 371، 370)

اس حوالہ سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی عبارات فضیلت کے مسئلہ میں پیش کرنا بے محل ہے۔ باقی نتیجہ ہم قارئین کرام پر ہی چھوڑتے ہیں۔ مزید بھی عرض کر دیں کہ یہ فیصلہ کیسے اور کس بنیاد پر ہوگا کہ اہل کساء میں کون افضل ہوگا۔ ان کی فضیلت کا تعین کیسے ہوگا۔ کیونکہ سعید ممدوح نے خود ایسی عبارتیں گزشتہ صفحات پر نقل کیں ہیں کہ اس سے فضیلت فاطمہ رضی اللہ عنہا نکلتی ہے اور کچھ ایسی عبارتیں ہیں کہ جو حسین کریمین کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اور سعید ممدوح خود بھی مسئلہ فضیلت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی طرف مائل ہے اور اسی طرح سنیوں کی صفوں میں مائل بہ تشیع مبلغ تفضیلت جناب غلام احمد رضی اللہ عنہ صاحب مصنف شرح خصائص علی بھی مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہیں تو جناب اہل کساء میں آپ فضیلت محسوس بنیاد پر وضع کر سکتے اور جو وہ آپ بیان کریں گے وہ خارجی دلیل ہوگی نہ کہ آیت قطعیہ۔ تو معلوم ہوا کہ اہل کساء کی فضیلت بھی دلائل خارجی کے ساتھ متعین ہوئے نہ کہ وہ مطلق اس آیت سے کیونکہ پھر تو سب برابر ہوئے اور مزید یہ کہ اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت مراد لی جائے تو آج کل کا ایک پتہ تو یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اہل بیت ہے لہذا وہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما جبکہ باقی تمام صحابہ سے بھی افضل ہے۔ جناب آپ جو عبارات پیش کر رہے ہیں

اس پر تو آپ کا اپنا عمل نہیں ہے ہمارے خلاف کیسے پیش کر رہے ہیں۔ ذرا ہوش نبھالیں۔

تیسرا سوال قول: غایۃ التبجیل ص 139 پر لکھا ہے۔

بعض علماء نے امہات المؤمنین کو تمام پر فضیلت دی ہے۔ ابن حزم نے اپنے رسالہ المفاضل بین الصحابہ میں اسی قول کو غالب قرار دیا ہے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ اس قول کو پیش کرنا اصول کے خلاف کیونکہ ایسے اقوال مردود اور شاذ ہوتے ہیں۔ محقق وہ ہوتا ہے کہ جو مختلف اقوال میں صحیح اور اقرب الی الصواب قول کی نشاندہی کرے اور باقی اقوال کو رد کر دے۔ سعید ممدوح ایسے اقوال سے صرف اور صرف مسئلہ فضیلت کو غلطی اور مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے جبکہ ایسے اقوال کو امت میں کسی نے بھی قبولیت کا درجہ نہیں دیا۔

مزید یہ کہ اسی قول کے حاشیہ میں سعید ممدوح نے ابن حزم کے اس قول کو اپنے شیخ المشائخ سید علوی بن طاہر حسینی شافعی کی کتاب القول الفصل فی مالینی ہاشم العرب من الفضل، اپنے شیخ علامہ سید عبدالعزیز بن صدیق الغماری کی کتاب الوقاۃ المانعة ص 7-9 اور شیخ سید عبداللہ بن صدیق الغماری کی کتاب البرہان الحلی فی تحقیق انتساب الصوفیہ الی الامام علی ص 88، 87 کے حوالوں سے سختی سے رد نقل کیا ہے۔

جناب جب خود آپ کے شیخ اور مشائخ ایسے اقوال کو مردود کہتے ہیں تو پھر ہمارے مقابلے میں پیش کرنا غلطی خیانت ہے۔ میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ قول صحیح اور قول شاذ کو گنہگار کے عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام الناس کے سامنے تمام اقوال نقل کر دیئے جائیں تاکہ وہ خود نتیجہ اخذ کر سکیں تو جناب یہ سوچ آپ کو بڑی بھاری پڑے گی۔ انہی اقوالوں میں سے اگر کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قول اٹھا کر یہ اعلان کر دے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اہل بیت سے افضل مانتا ہوں یا پھر کوئی راویوں کی تقلید کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مولا علی رضی اللہ عنہ سے افضل کہنے کا دعویٰ کر بیٹھے تو سر پکڑ کر بیٹھ جائیں گے اور فٹ سے جناب کی طرف سے ناصبی ہونے کا فتویٰ دھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ سعید ممدوح نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں اظہار کیا ہے اللہ تیری ناک خاک آلود کرے تو اپنی حیثیت تو دیکھ کر شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصیت کا الزام لگائے کچھ تو شرم آتی چاہیے

اور افسوس تو ان لوگوں پر ہوتا ہے کہ جنہوں نے غایۃ التبجیل کا ترجمہ کرتے ہوئے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ مناسب نہیں لگتا کہ غایۃ التبجیل کو سراہنے والے بڑے نامور علماء کرام شامل ہیں۔
چودھواں قول: غایۃ التبجیل 14، 1140 پر لکھا ہے:

اور عجیب ترین مذہب ہے، سیر اعلام النبلاء میں ہے۔ حضرت سالم بن عبد اللہؓ نے سیرت فاروقی لکھ کر آخر میں لکھا:

”اگر آپ اپنے زمانے میں اپنے عمال کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار فرمائیں گے جو حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے زمانے میں اپنے عمال کے ساتھ اختیار فرمایا تھا تو آپ اللہ کے نزدیک حضرت عمرؓ سے بہتر ہوں گے۔“ (سیر اعلام النبلاء 127/5)

آگے ذی ہیؓ فرماتے ہیں۔ یہ انتہائی عجیب بات ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے حضرت فاروقؓ سے کیسے افضل ہو جائیں گے؟

جواب: خود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل مترجم ص 141 پر اس قول پر علامہ ذہبی کا رد لکھ کر علامہ ذہبیؓ کے موقف کو صحیح کہا ہے۔ مگر سعید ممدوح اس سے آگے لکھتا ہے:

”لیکن قابل غور بات اثبات مذہب ہے۔“

قارئین کرام! آپ نے خود سعید ممدوح کی تحریریں دیکھیں۔ اسی مذہب کو غلط بھی کہا اور پھر اس کو اثبات مذہب بھی لکھا۔ جناب عالی! جب کوئی شخص کسی قول اور مذہب کو خود غلط لکھے جو کہ شاذ بھی ہے اور پھر اس قول کو اثبات مذہب کے نام پر پیش بھی کرے۔ ایسے شخص کو محمد شین نے شر پھیلائے والا کہا ہے۔ جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے مگر فی الحال ایک حوالے پر اکتفا کریں۔
i- امام اوزاعیؓ نے فرمایا: جس شخص نے علماء کے نادر مسائل کو لیا وہ اسلام سے نکل گیا۔

(سیر اعلام النبلاء 7/125)

ii- حضرت ابراہیم بن ابوجبلہؓ نے فرمایا: جس شخص نے علماء کے شاذ مسائل حاصل کیے اس نے بہت بڑے شر کو اٹھایا۔ (شرح عل ترمذی 410/1)

لہذا علماء کرام کی تحقیق میں علماء کے شاذ اور مرجوح اقوال کو اٹھانے والا اسلام سے خارج اور شر کو اٹھانے والا ہے جبکہ سعید ممدوح خود متعدد مقامات پر ان مذاہب کو خطا اور غلط لکھتا ہے۔ جناب نے اثبات مذاہب کے لیے نہیں بلکہ عوام الناس کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے کی

کوشش ہے۔

نکتہ: مختلف مذاہب یا ایک مسئلہ میں اختلاف ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ مگر تلاش ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور عمل بھی حق پر ہوتا ہے جبکہ فتویٰ بھی حق پر ہوتا ہے۔ اگر اختلاف مذاہب پیش کرنا مقصود ہے تو جناب یہ بھی عرض کر دیں کہ ان مذاہب کو مانا کس نے ہے؟ اور کس نے عمل کیا ہے؟ اور یہ بات واضح ہے کہ ایسے اقوال جو کہ شاذ اور نادر ہو اور پھر وہ معدوم ہو کر مرجوح ہو تو اسے اختلاف پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ اختلاف اصول کی روشنی میں غلط ہے۔ مثال کے طور پر قطعی دلیل کا اختلاف ظنی دلیل کے ساتھ کرنا بے وقوفی ہے۔ اسی طرح مرفوع کا موقوف، صحیح کا مصغیر حدیث کے ساتھ اختلاف نقل کرنا بی غلط ہے۔ لہذا شاذ مذہب کا تقابل راجح اور مشہور مذہب کے ساتھ کرنا بھی گمراہی ہے۔ ذرا غور کریں۔

مزید عرض یہ ہے کہ حضرت سالم کی بات کو غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے اور جس کا رد خود علامہ ذہبیؓ نے بھی کیا ہے۔ کیونکہ غیر صحابی کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا جس کے بارے میں تحقیق ملاحظہ کریں۔

i- نبی کریمؐ اپنے صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحابی فلو ان أحدکم أنفق مثل أحد ذہباً ما بلغ مد أحدہم ولا نصیفہ۔

ترجمہ: یعنی میرے صحابہ کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی امد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مد (۳۲۵ گرام) صدقہ کیے ہوئے بلکہ اس کے نصت کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (صحیح بخاری ۳۶۷۳، صحیح مسلم ۶۵۳۱)

ii- میدنا عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحاب محمد ﷺ فلیمقام احدہم ساعة یعنی مع رسول اللہ خیر من عمل احد کم عمرہ۔

ترجمہ: یعنی نبی کریمؐ کے صحابہؓ کو برا نہ کہو، رسول اللہؐ کے ساتھ ان کی ایک گھڑی تمہاری زندگی بھر کے اعمال سے بہتر ہے۔

(کنز الدین ماجہ: ۱۶۳۶، فضائل الصحابہ لاجلہ بن منہل ج ۱ ص ۱۰۲، السنۃ لابن ابی ماسم جلد ۲ صفحہ ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱

(ج ۷ ص ۱۲۳۹)

۳- صحابی رسول حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:

لمشهد رجل منهم مع رسول الله ﷺ يغبر فيه وجهه خير من عمل احدكم عمره ولو عمر عمر نوح.

ترجمہ: یعنی کسی صحابی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا، جس میں اس کا چہرہ خاک آلودہ ہو گیا ہو، تمہارے زندگی بھر کے اعمال سے افضل ہے اگر عمر نوح بھی دے دی جائے۔ (سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۳۲۲ منہ امام احمد ج ۱ ص ۱۸۷)

۴- حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انك في قسم! رسول الله ﷺ في معيتي في معاوية كمن في ناك في غبار عمر بن عبد العزيز رضی اللہ عنہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں پڑھیں، آپ ﷺ نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربنا لک الحمد کہا اس کے بعد اور بڑا افضل اور شرف کیا ہوگا۔"

(الشریعت لا جری ج ۵ ص ۲۳۶۶، البدیع ج ۱ ص ۱۳۹)

۵- امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ، انھوں نے جواب دیا۔

معاوية أفضل لسنا نقیس بأصحاب رسول الله أحد.

ترجمہ: یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ہم صحابہ میرا کسی کو بھی تصور نہیں کرتے۔

(الرد للخالص ص ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۴۷)

۶- امام معافی بن عمران رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان فرق کیا ہے؟ راوی کا بیان ہے کہ

فرأيتہ غضب غضبا شديدا وقال لا يقاس بأصحاب محمد ﷺ.

ترجمہ: میں نے انھیں دیکھا وہ شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا: محمد ﷺ کے صحابہ کے مقابلے میں کسی کو قیاس نہ کیا جائے۔

(الشریعت لا جری ج ۵ ص ۴۶۷، شرح اصول الاعتقاد ج ۸ ص ۱۳۳۵، تاریخ دمشق ج ۵ ص ۵۹۷، ۲۰۸)

۷- عظیم سیوطی حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خود سن رہا تھا، امام معافی بن عمران رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ؟

انھوں نے جواب دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جیسے مجھے سو لوگوں سے بھی افضل ہیں۔ (الرد للخالص ص ۳۳۵)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابی کو وہ عظمت اور فضیلت حاصل ہے جو بڑے بڑے زائدین اور عابدین کو حاصل نہیں ہے۔ ان حوالہ جات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس امت کے سلف و صالحین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا مقابلہ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہیں کرتے تھے۔ چہ چاہیے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا مقابلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا جائے۔ لہذا شیخ ممدوح کا دعویٰ کہ کثاذا اقوال اکٹھے کرنا اس کو مفید نہیں کیونکہ تحقیق کے میدان میں ایسے اقوال کی حیثیت مسلمہ نہیں ہے۔

پندرہواں قول: غایۃ التبجیل ص ۱۴۱ پر لکھا ہے۔

"بعض حضرات نے امام مہدی کو افضل قرار دیا ہے۔ امام سیوطی اپنے رسالہ العرف الوری فی اخبار المہدی جو الحاوی للفتاویٰ ۱۵۳/۲ میں شامل ہے۔ تاہم ابن ابی شیبہ نے المصنف (باب المہدی) میں ابن سیرین کا قول بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: "اس امت میں ایک عظیم الشان خلیفہ ہوگا جس پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو فضیلت نہیں دی جائے گی۔ میں (سیوطی) کہتا ہوں اس روایت کی سند صحیح ہے اور یہ الفاظ پہلے الفاظ سے زیادہ خفیہ ہیں۔"

جواب: سیوطی نے خود ان احادیث کی تاویل کی ہے اور امام مہدی کی افضلیت کے موقف کو رد کر دیا ہے۔ سیوطی رضی اللہ عنہ کا فرمان خود ممدوح نے غایۃ التبجیل ص ۱۴۲ پر لکھا کہ "اس تفصیل سے مراد کثرت ثواب اور اللہ کے ہاں رفعت منزل نہیں ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اور اجماع اس پر ہے کہ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما انبیاء و مرسلین کے بعد افضل الخلق ہیں۔" مگر علامہ سیوطی کا کلام سنی شیخ سعید ممدوح کو کچھ زیادہ پسند نہ آیا اور اس کے جواب میں لکھا ہے: "بندہ ضعیف (سعید ممدوح) کا کہنا ہے۔ اجماع کے دعووں کے بل بوتے پر اور مومنین قواعد کی بنیاد پر تناویلیں کرنا ناچھی بات نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اثبات افضلیت مہدی کا مقصد محمد بن سیرین کا قول ہے۔" جناب غرض یہ ہے کہ جہاں اپنے مقصد کی بات آئے تو وہاں تاویل کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں

اور جہاں اپنے مقصد پر حرف آئے تو تاویلوں پر تاویل کرتے ہیں جیسا کہ سعید ممدوح نے شیخین کی فضیلت کی احادیث جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے درجے لگانے اور شیخین کی فضیلت کے بارے میں کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے۔

مزید یہ کہ اس حدیث کی تاویل علامہ سیوطی نے ہی نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور سید شریف برزنجی بحوالہ الاثنا عشر ص 238 اور علامہ مناوی نے التیسرے بشرح الجامع الصغیر نے 887/2 حرف اُمیم کے تحت کی ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال المؤلف وابن حجر رحمہما هذا مما يجب تأويله وليس مراد هذا التفضيل الراجح الى زيادة الثواب و الرفعة عند الله تعالى فالأحاديث الصحيحة والاجماع على أن أبابكر وعمر أفضل الخلق بعد النبيين والمرسلين بل قال ابن حجر ان بقية الصحابة افضل منه والله اعلم قال في المطالع حكى أنه يكون في هذه الأمة خليفة لا يفضل عليه أبو بكر. (التيسير بشرح الجامع الصغیر 887/2)

ترجمہ: یعنی میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کو کب درجہ کی مانند۔ مولف اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسکی تاویل کرنا واجب ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں وہ تفضیل مراد نہیں جس سے مراد کثرت ثواب اور اللہ کے نزدیک بلندی ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ اور اجماع ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما انبیاء المرسلین کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک باقی صحابہ بھی امام مہدی سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم۔ فرمایا ہے کہ مطالع میں یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ اس امت میں ایسا علیحدہ ہوگا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی ان پر فضیلت نہیں ہوگی۔ (لیکن اس فضیلت سے مراد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی اور کثرت ثواب نہیں ہے۔)

مزید یہ ہے کہ ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول اثر مقطوع ہے۔ بھلا اس مقطوع روایت کا احادیث مرفوعہ سے کیسے تقابل ہو سکتا ہے؟ اثر مقطوع تو باب عقائد اور اصول الدین میں حجت ہی نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ایک طرف محمد بن سیرین کا مقطوع اثر اور دوسری طرف احادیث مرفوعہ اور سیدنا عمر

رضی اللہ عنہ کا اثر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فضیلت پر قول۔ محمود سعید ممدوح کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ جس قول کو علماء کرام اور امت تسلیم نہ کرے تو اسے شاذ قول کہتے ہیں اور ایسے شاذ اقوال کو نقل کرنا محدثین کے نزدیک شر پھیلا نا ہے۔

مزید یہ کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں کوئی تقابل نہیں تو پھر امام مہدی اور شیخین کا متبادل کیسے ہو سکتا ہے۔ اے سعید ممدوح! کیا تجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد نہ رہا کہ جس میں انہوں نے اپنے صحابہ کرام کو سب سے بہتر کہا۔ اے ظالم! تم از کم صحابیت کا تو خیال کر لیا ہوتا۔ عوام الناس کو محمد بن سیرین کے حوالے سے بہتر کچھ مفید نہیں ہے۔ لہذا اپنے طور طریقے پر غور کرو اور ایسے شاذ اقوال سے مذہب ثابت کرنا تجھے ہی قبول ہو۔

مزید یہ کہ ایک طرف حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے مگر دوسری طرف آقا کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحابي فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه.

ترجمہ: یعنی میرے صحابہ کو برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مد (۳۲۵ گرام) صدقہ کئے ہوئے بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۶۵۳۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لا تسبوا أصحاب محمد ﷺ فلبقاهم أحدهم ساعة يعني مع رسول الله خير من عمل أحدكم عمراً.

ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہما کو برا نہ کہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی ایک

انتہار ہواں قول: غایۃ التبجیل ص 143 پر لکھا ہے:

”ان حضرات کا ہے جو عبدالرحمن بن عوف کو تمام صحابہ کرام پر فضیلت دیتے

ہیں۔“ (بحوالہ مناقب الامۃ الاربعہ ص 294)

جواب: یہ قول بھی مرجوح اور شاذ ہے۔ لہذا مرجوح کا مقابلہ راجح کے ساتھ کیسے ممکن ہے؟ یہ اصول یاد رہے کہ جب راجح اور مرجوح میں تقابل ہوتا ہے تو مرجوح قول اگرچہ منہج کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، مسترد ہو جاتا ہے۔ اور شاذ اقوال پیش کرنے والوں پر محدثین کرام کا سخت فتویٰ موجود ہے۔ یہ ایک عجب تحقیق ہے کہ سعید ممدوح نے مسئلہ فضیلت کو الجھانے کے لیے شاذ اور مرجوح اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ اگر اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو شاذ اور مرجوح اقوال کو نقل کرنا علمی خیانت ہے۔ محدثین اور اصولیین بلکہ فقہاء کرام نے بہت سی روایات میں اگر تطبیق نہ ہو سکے تو راجح اور مرجوح کا اصول اپنایا ہے۔ اس کی مثال کچھ میں یوں عرض کر دوں کہ ناسخ روایت بھی صحیح ہو اور منسوخ روایت بھی صحیح ہو تو استدلال ناسخ روایت سے ہوتا ہے مگر کوئی شخص اسی مسئلہ کو الجھا کر عوام الناس کو یہ کہے کہ فلاں مسئلہ میں دونوں طرح کی صحیح روایات ملتی ہیں اور ناسخ اور منسوخ کی بات ترک کر دے تو عوام الناس کو گمراہی میں مبتلا کر دے گا اور اگر کوئی عقلمند ہو تو عوام الناس کے سامنے یہ ضرور بیان کرے گا کہ اگرچہ دونوں روایات صحیح ہیں مگر اصول کے مطابق منسوخ روایت پر عمل کرنا منع ہے۔ اسی طرح راجح اور مرجوح کا بھی وسیع علم ہے۔ جناب ذرا توجہ فرمائیں۔

مزید یہ کہ اس قول کی سند اور قائلین مجہول ہیں۔ لہذا مجہول اور بے سند اقوال پیش کرنا شیخ ممدوح کا ہی شیوہ ہے۔ ایک تشہ طلب طالب علم کے لیے ایسے حوالہ جات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

انیسواں قول: غایۃ التبجیل ص 144 پر لکھا ہے:

”قول (ان حضرات کا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر فضیلت دیتے ہیں۔“

(بحوالہ مناقب الامۃ الاربعہ ص 294 و مسند رک حاکم 114/3 رقم: 4568)

جواب: خود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 144 پر اسے اصولیین کا قول لکھا ہے۔ مزید یہ کہ جب کوئی اشعار پڑھے جاتے ہیں تو اس میں بڑھ چڑھ کر فضیلتیں بیان ہوتی ہیں اور یہ کہ اس قول کا مانسنے والا نہیں ہے اور اس قول سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ شعر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے ہیں۔ لہذا اس شعر سے تحقیق کر یہ بین بدایت عقل سے مستثنیٰ ہیں اور ایسے

ممدوح اور ان کے ساتھیوں کو مبارک ہوں۔

سولہواں قول: غایۃ التبجیل ص 143 پر لکھا ہے:

”ان حضرات کا ہے جو چاروں خلفاء کو فضیلت میں یکساں مانتے ہیں۔“

(بحوالہ مناقب الامۃ الاربعہ ص 294)

جواب: ایسے اقوال کا درجہ شاذ کا ہے۔ احادیث صحیح اور اہل سنت کے اجماع کے بعد ایسے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی ایسے قول ہمارے دعویٰ کے خلاف ہیں۔ ایسے اقوال تو تمہارے دعوے کے مؤید بھی نہیں ہیں۔ شیخ سعید ممدوح نے بڑی عیاری سے یہ کتاب لکھی ہے۔ جہاں فضیلت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مسئلہ ہوا اسے ایسے شاذ اقوال پیش کر کے رد کرتا ہے اور مسئلہ فضیلت کوٹنی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر جب قارئین کے ذہن میں مسئلہ فضیلت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کو افضل ماننے کا دعویٰ کر کے اس پر غیر متعلقہ دلائل دینا شروع کر دیتا ہے۔

قارئین کرام! یہ یاد رہے کہ باطل فرقوں کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے کہ کسی بھی صحیح العقیدہ سنی کے ذہن میں شکوک و شبہات ڈال کر اپنے مذہب کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار کو ہمیشہ گہری نظر سے دیکھیے گا۔

علماء کرام پر یہ مخفی نہیں کہ جب ایک قول مرجوح ہو جائے تو اسے ہرگز استدلال میں پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ایسے قول کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر چاروں خلفاء کی فضیلت یکساں ہے تو پھر اس پر خود شیخ سعید ممدوح کیوں عمل نہیں کرتا؟ جو مسلک مرجوح ہوا اسے پیش کرنا دجل اور فریب اور گمراہی ہے۔

سترہواں قول: غایۃ التبجیل ص 143 پر لکھا ہے:

”ان حضرات کا ہے جو عشرہ مبشرہ کو فضیلت میں یکساں مانتے ہیں۔“

جواب: یہ مذہب بھی شاذ اور مرجوح ہے۔ اور ایسا مذہب اور قول ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہیں۔ مروی صحیح احادیث کا مقابلہ میں شاذ قول کیسے قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ مرجوح اقوال کی حیثیت راجح اقوال کے مقابلے میں کچھ نہیں ہوتی۔ اور جس مسلک کو علماء کرام نے مردود ٹھہرا دیا ہو تو اس سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟

اقوال دشمنوں یا مخالفین کے رد میں پڑھ جاتے ہیں لہذا بصورت دیگر بھی یہ مذہب اور قول شاذ اور مرجوح ہے۔ لہذا ایسے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر بے تو پھر سب سے پہلے اس قول پر عمل شیخ محمود سعید ممدوح یا ظہور احمد فیضی کرے۔ حالانکہ ان پیش کردہ انیس اقوال میں کوئی بھی قول شیخ محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کو قابل قبول نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں احباب حضرت علی المرتضیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں۔

جناب جب خود اس کے خلاف ہیں تو پھر ایسے اقوال کو پیش کیوں کیا جا رہا ہے؟

نکتہ: قارئین کرام! یہ بات ذہن نشین رہے کہ سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی صاحب کا ان پیش کردہ مذاہب پر خود عمل نہیں ہے بلکہ کئی مذہب کو وہ رد کر چکے ہیں تو ایسے مذاہب کو پیش کرنے کا فائدہ کیا ہے جبکہ وہ خود مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کی طرف مائل ہیں۔ اگر بالفرض کسی نے مولا علی رضی اللہ عنہ سے کسی دوسرے صحابی کو افضل کہا تو یہ لوگ تو پتھر بھجھا کر پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ناصیبت کا فتویٰ تو تیار ہی ہوتا ہے ان مذاہب پر کسی ایک مذہب پر بھی عمل نہ کرنے کے باوجود ان کو پیش کرنا امت میں فتنہ فساد کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ لہذا عوام الناس کو ان 19 مذاہب کو پڑھ کر تشویش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ تفصیلات کا خود ان تمام مذاہب سے اختلاف ہے۔ لہذا ایسے مذاہب جو کہ شاذ ہیں ان کو پیش کرنا عوام الناس اور امت میں شر پھیلانے کے مترادف ہے۔



چھٹے باب کا جواب

افضلیت علی رضی اللہ عنہ میں مذاہب پر تحقیق جائزہ

اس امر سے قبل کہ مسئلہ افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی نظر ڈالی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نقطہ کی تصحیح کر دی جائے کہ اہل سنت و جماعت کی کتب معتبرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے اکثر مزین نظر آتی ہیں اور ان فضائل و مناقب کو نقل کرنے میں محدثین کرام بھی نے کسی طرح بھی کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور یہ احادیث مبارکہ میں اکثر احادیث معتبرہ اسناد کے ساتھ بھی مروی ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور امام اسماعیل قاضی، امام نسائی اور ابوالوعلی نیشاپوری رضی اللہ عنہ کی اس تصریح سے عیاں ہے کہ

قال أحمد و اسماعیل القاضی و النسائی و أبو علی النیسابوری لم

یرد فی حق احد من الصحابة بالأسانیة الجیاد اکثر ما جاء فی علی

ترجمہ: امام احمد، امام اسماعیل القاضی، امام نسائی اور ابوالوعلی نیشاپوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمدہ

سندوں کے ساتھ جس کثرت سے مولیٰ علی کی شان میں احادیث وارد ہوئیں اتنی کسی

دوسرے صحابی کی شان میں وارد نہیں ہوئیں۔

(فتح الباری للعسقلانی، قول فی باب مناقب علی بن ابی طالب جلد 71/7)، (فیض اللہ ریلکناوی، جرت العین، جلد 4

صفحہ 355 تحت رقم 5589)، (مرقاۃ المفاتیح لفتاویٰ، باب مناقب علی بن ابی طالب جلد 421/17)

علاوہ ازیں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اللہ عزوجل نے ایسے فضائل سے بھی نوازا جو کہ اس امت میں کسی اور شخص کے حصہ میں نہ آئے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ

کانت لعلی ثمانیۃ عشر منقبة ما کانت لاحد من حفدة الامۃ

ترجمہ: مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اٹھارہ منقبتیں ایسی تھیں کہ اس امت میں دوسرے کے حصے نہیں۔

(المعجم الاوسط باب من امر محمود، جلد 6، صفحہ 180، رقم 84302)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اصول میں مبرہن ہے کہ بیان عدد زیادتی کے منافی نہیں لہذا

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مناقب کو 18 کے عدد سے محصور فرمانا زیادتی فضائل و کمالات کے منافی نہیں۔

لیکن یہ بات بھی اس مقام پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح نواصب نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب پر احادیث وضع کیں ایسے ہی روافض نے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل و مناقب میں احادیث وضع کیں بقول امام غزالی اور امام ابو یعلیٰ ان احادیث کی تعداد کم و بیش تین لاکھ کے قریب قریب ہے شاید اسی وجہ سے فن اسماء و رجال میں ملکہ تمام رکھنے والی شخصیت امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

قلت قد أغنى الله عليهما عن ان تقرور مناقبه بالا كاذيب والأباطيل.

ترجمہ: میں کہتا ہوں اللہ عزوجل نے علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس بات سے مستغنی فرمادیا ہے کہ ان کے مناقب کا ذیبا اور اباطیل سے ثابت کئے جائیں۔

(میزان الاعتدال، ابن اسمعہ اللہ بن داہر بن یحییٰ بن داہر الرازی، جلد 4، صفحہ 286)

اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی (لسان المیزان، جلد 3، صفحہ 214) پر یہی تصریح فرمائی ہے لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کے باب میں فن اسماء و رجال ایک بنیادی حیثیت کا حامل قرار پایا بالخصوص سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں مروی احادیث کو اس فن سے گزارنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بالعموم باقی صحابہ کرام کے فضائل مناقب میں مروی احادیث بھی اسی قبیل سے ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ روایت کہ

أبو بكر وعمر خير الأولين وخير الآخرين وخير أهل السموات وخير أهل الأرضين إلا النبيين والمرسلين.

ترجمہ: ابو بکر و عمر بہتر ہیں سب انگوں پچھلوں سے اور بہتر ہیں سب آسمان والوں اور سب زمین والوں سے سوا انبیاء و مرسلین کے۔ (العلل المتاحیلة لابن جوزی، جلد 198، رقم: 311)

اس حدیث مبارک پر امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے شدید جرح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال، ابن اسمعہ جبرون بن واقد الافرقی، جلد 1 ص 257۔

قطع نظر اس کے یہ حدیث کس کے فضائل و مناقب میں مروی ہے احادیث کو قبول و رد کرنے کیلئے محدثین نے کچھ اصول وضع فرمائے ہیں جس کی روشنی میں احادیث مبارک کی صحت کا تعین کیا گیا لہذا سطحی قسم کی اس ذہنیت کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ محدثین کرام صرف ذاتی اور قبلی رجحان کے باعث احادیث کو قبول و رد کرتے رہے جیسا کہ بعض حضرات نے قلت مطالعہ کی بنا پر یہ نظریہ اپنا رکھا ہے اللہ عزوجل ہمارے بزرگان دین کے مسئلہ میں بدگمانی سے محفوظ فرمائے۔

اس مختصری تمہید کے بعد میں اپنے زیر بحث مسئلہ کی طرف لوٹتا ہوں اور اس سے قبل کے میں مسئلہ افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر اپنی ناقص رائے پیش کروں چند اصول و ضوابط بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں سب سے پہلے یہ کہ احادیث مبارک کا مفہوم و بیان وہی معتبر سمجھا جاتا ہے جو کہ بزرگان دین، ائمہ کرام اور محدثین کرام سے مروی ہو۔

ثانیاً: احادیث مبارک کو فن اسماء و رجال کی کمیٹی پر رکھا جائے۔

ثالثاً: ایسے شاذ اقوال جو اجماع اہل سنت کے خلاف ہوں ان کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے چاہے وہ کسی صحابی کا قول ہی کیوں نہ ہو۔

رابعاً: اس بات کا ثبوت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے متعلقہ اقوال خلفاء ثلاثہ کی موجودگی میں وارد ہوئے ہوں۔

ناماً: فضیلت اور افضلیت کا فرق ملحوظ خاص رکھا جائے جو احادیث مسئلہ فضیلت و مناقب میں مروی ہوں ان سے مسئلہ افضلیت مطلقہ پر استشہاد نہ کیا جائے۔ نیز اس کے علاوہ دلائل میں بوقت تعارض و جوہر تہجمات کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا محض بظاہر احادیث میں ظاہری طور پر تعارض ہونے سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے قطع نظر اصول و ضوابط اپنی رائے سے ایک حدیث کو ترجیح نہ دی جائے۔

افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ میں مذاہب پر گفتگو

شیخ محمود سعید مددوح فرماتے ہیں کہ

”قتل و تشدد، سب و شتم اور ذہنی حراست کا اہل بیت کرام کی احادیث اور ان کی فقہ کو منظر عام سے غائب کرنے میں بڑا ہاتھ رہا ہے جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

افضلیت کے متعلق اسلاف کرام کی نصوص منظر عام سے غائب ہو گئیں۔

(غایۃ التبجیل صفحہ 147 [مترجم])

الجواب بتوفیق الوہاب:

ایک کھلا تضاد: شیخ محمود سعید ممدوح کی اس تصریح سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر اسلاف کی تصریحات اہل سنت و جماعت کی کتب سے غائب ہیں مقام تعجب تو یہ ہے کہ جس حدیث طائر سے موصوف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں افضلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر استشہاد فرمایا کیا وہ اہل سنت کی معتبر کتب سے نقل نہیں کی گئی اگر دلائل مستحضر نہیں ہیں تو یہ احادیث مبارکہ اور وہ اقوال جو شیخ محمود سعید نے نقل فرمائے وہ کن کتب کا حصہ ہیں جن سے موصوف نے افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ثابت فرمانے کی سعی لا حاصل فرمائی مزید براں خود موصوف فرماتے ہیں کہ متعدد حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں اہل بیت اظہار صحابہ کرام اور تابعین عظام جملہ کی ایک عظیم الشان جماعت خصوصاً ہاشمی کو فی بعض اہل سنت اور معتزلہ کی اکثریت اس کی قائل ہے۔ (ملاحظہ ہو غایۃ التبجیل صفحہ 116 [مترجم])

شیخ محمود کو ان اہل بیت اظہار صحابہ کرام اور تابعین کی افضلیت کی تصریحات کس کتاب سے مل گئیں؟ جبکہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ اسلاف کرام کی نصوص اس بات (مسئلہ افضلیت) سے منظر عام سے غائب ہو چکی ہیں۔

اہل بیت کرام سے مروی کتب کا تحقیقی جائزہ

شیخ ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۱۵۸ [مترجم] پر لکھتا ہے۔

”ان کتب سے روگردانی جو اہل بیت کرام کا ورثہ ہیں وہ کتب متروک قرار دی گئیں۔ انہیں طاق نیان میں رکھ دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مابین دور یاں پیدا ہو گئیں۔“

پھر جناب ممدوح صاحب ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں:

”لیکن ہمارے سامنے امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار کی قیمتی کتب موجود ہیں۔ اور

ان میں معجم المؤمنین الزیدیہ کے آخر طبع کا مطالعہ کیا۔ یقیناً وہ ایک بڑا علمی ورثہ ہے جس سے ہم نے پہلو تہی کر رکھی ہے اور اسے متروک کر دیا ہے۔“

شیخ ممدوح اسی صفحہ ۱۵۹ پر لکھتا ہے:

”الروض الشفیہ شرح مجموع الفقہ الکبیر، مطبوعہ مصر پر جو متعدد علماء اہل سنت کی تصدیقات و تقریحات مرقوم ہیں وہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی فقہ سے استفادہ پر ابھارتی ہیں۔“

جواب: عرض یہ ہے کہ مجموع الفقہ الکبیر المشہور مسند زین بن علی رضی اللہ عنہ منسوب ہے۔ یہ کتاب جس حد سے مروی ہے اس میں متروک راوی ابو خالد عمرو بن خالد القرشی الواسطی ہے۔ اگر علی جرأت ہے تو اس کی توثیق ثابت کر دیں۔ اس کتاب کی مروی سند میں دوسرا راوی نصر بن مزاحم متہم اور فروج راوی ہے۔ مزید اس کتاب کی سند میں تیسرا راوی ابراہیم بن الزبرقان ضعیف راوی ہے۔ اگر بالفرض اسکی سند صحیح بھی مان لی جائے تو انہیں ایسے مسائل میں جسکی مخالفت خود زید یہ کرتے ہیں، جس سے اس کتاب کی حیثیت اور مشکوک ہو جاتی ہے۔

امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف بہت سارے گمراہ لوگوں نے کتابیں منسوب کر دیں تھیں۔ جن میں محمد بن الحسن بن ازہر نے کتاب الحید، کچھ لوگوں نے کتاب الوصیۃ، کتاب القرآت منسوب کر دیں تھیں۔ لہذا گھڑی ہوئی کتابوں کی امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا علی جہالت کا بین ثبوت ہے۔

حدیث الطیر سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کا تحقیقی جائزہ:

سب سے پہلے تو شیخ محمود سعید ممدوح نے ”حدیث الطیر“ سے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی افضلیت پر استدعا فرمایا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

عن أنس بن مالك قال قال عند النبي ﷺ طير فقال اللهم ائتني

بأحب خلقك اليك يا كلل معي هذا الطير فجاء علي فأكل معه.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک

(بھنا ہوا) پرندہ تھا آپ نے دعا فرمائی اے اللہ تیری مخلوق میں جو تجھے زیادہ محبوب

ہو اس کو میرے پاس بھیج دے وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے پس حضرت علی

آئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کھایا۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث 3721)

شیخ ممدوح اس حدیث سے کچھ یوں توجہ فرماتے ہیں کہ

کیونکہ مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہونا فقہ دینی اعتبار سے ہوتا ہے اور اس صورت میں محبوب ترین شخص کا افضل ہونا لازم ہے۔ (نایہ التعمیل صفحہ 161)

الجواب بتوفیق الوہاب: شیخ ممدوح نے اس مقام میں احب سے افضل ہونا ثابت فرمایا جو کہ انتہائی کمزور ہے۔ کیونکہ احب ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ امام زین الدین عبد الرزاق المناوی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت امامہ بن زید بن حارثہ کے احب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر افضلیت دی جائے۔ (أسبامة) ابن زید بن حارثہ (أحب الناس) من موالی (الی) وكونه أحبهم اليه لا يستلزم تفضيله على غيره۔

(التبصرة شرح جامع الاسفیر جلد 1 صفحہ 289)

ترجمہ: یعنی کہ امامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا تمام لوگوں سے محبوب ہونا ان کے موالی سے انکی غیر پر تفضیل کو مستلزم نہیں ہے۔

ثانیاً: نیز اصیبت سے کسی غیر سے افضلیت کا اثبات بھی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ امام مناوی رحمہ اللہ نے تصریح سے ثابت ہے کہ

أحب الناس (الی) ولا يعارضه أن غيره أفضل منه۔

(فيض القدير للمناوي، ج 1، جلد 4631 تحت 964)

ترجمہ: یعنی مجھے لوگوں میں وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ کسی غیر کے افضل ہونے کے معارض نہیں ہے۔

نیز اگر اصیبت کو افضلیت کی علت تسلیم کر لیا جائے تو حضرت امامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے افضل ہونا لازم آئے گا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أحب أهل ألي من قد أنعم الله عليه و أنعمت عليه أسامة بن زيد قال ثم من قال ثم علي بن أبي طالب۔

(سنن ترمذی، باب مناقب امامہ بن زید رضی اللہ عنہ جلد 5 ص 678 رقم: 3819)

ترجمہ: یعنی میرے اہل بیت میں سے وہ زیادہ محبوب ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام اور میں نے بھی انعام کیا وہ امامہ بن زید ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کون آپ ﷺ نے فرمایا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ جو کہ کسی صورت میں بھی فریقین کھلنے قابل قبول نہیں ہے۔

اس کے علاوہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا اعلیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے فرمایا:

والذي نفسي بيده أنكم أحب الناس ألي مرتين۔

(صحیح البخاری جلد 5 ص 32۔ 3786)

ترجمہ: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو۔

اصیبت سے اگر افضلیت کا اثبات ہو تو پھر تمام مہاجرین صحابہ پر انصاری صحابہ کرام کی افضلیت لازم آئے گی۔ لہذا ثابت ہوا کہ احب سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا يلزم من كونه أحب أن يكون أفضل۔ (مرقات جلد 11 ص 567)

ترجمہ: احب ہونا افضل ہونے کو مستلزم نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

باب قول النبي ﷺ للأتصار أنتم أحب الناس ألي هو على طريق الإجمال أي مجموعكم أحب ألي من مجموع غيركم فلا يعارض قوله في الحديث الباضی في جواب من أحب الناس إليك قال أبو بكر الحديث۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج 4 ص 113)

ترجمہ: یعنی باب نبی کریم ﷺ کا انصار کو فرمانا کہ تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو علی طریق الإجمال ہے یعنی تم مجموع من حیث المجموع مجھے تمہارے غیر کے مجموع سے محبوب ہو۔ پس یہ گزری ہوئی اس حدیث کے معارض نہیں ہے کہ جس میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

(المہدی رجل من ولدی وجہہ کالکوکب الدی) قال المؤلف وابن حجر هذا مما يجب تأويله وليس المراد بهذا التفضیل الراجع الی زیادة الثواب والرفعة عند الله تعالی فالاحادیث الصحیحة والاجماع علی أن أبا بکر وعمر أفضل الخلق بعد النبیین والمرسلین بل قال ابن حجر ان بقیة الصحابة أفضل منه والله أعلم قال فی المطامح حکي أنه یکون فی هذه الأمة خلیفة لا یفضل علیه أبو بکر۔

(التبیر بشرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۸۸۷ ح ۱۰۷)

ترجمہ: یعنی میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کوکب دری کی مانند۔ مولف اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسکی تاویل کرنا واجب ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں وہ تفضیل مراد نہیں جس سے مراد کثرت ثواب اور اللہ کے نزدیک بلندی ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ اور اجماع ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انبیاء المرسلین کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک باقی صحابہ بھی امام مہدی سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم

بالفرض یہ امر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس حدیث متذکرہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات ہوتا ہے تو بھی شیخ ممدوح کہنے یہ بات بھی مفید نہیں کیونکہ مسئلہ افضلیت کے باب میں انہما احادنا کافی ہیں۔

☆ نیز یہ حدیث مبارک اجماع اہل سنت کے مخالف بھی ٹھہرے گی جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اتفق اهل السنة علی ان افضلهم ابو بکر ثم عمر۔

ترجمہ: اہل سنت کا اتفاق ہے کہ افضل صحابی ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(شرح النووی علی صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۱ ص ۱۵ ص ۱۴۸)

نیز علامہ فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

الاجماع علی افضلیة سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنه علی الصحابة رضی اللہ عنہم۔ (مطالع السیرات صفحہ: 290)

ترجمہ: ہمارے آقا سیدنا صدیق اکبر کے تمام صحابہ کرام سے افضل ہونے پر اجماع ہے۔ لہذا اجماع جو کہ دلیل قطعی ہے ایسی تمام احادیث (ظنی) کو ان کے معارض نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ یعنی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں۔

والظن لا یعارض القطع۔ (عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ 468)

ترجمہ: اور ظن قطعیت کے معارض نہیں آسکتا۔ نیز امام قسطلانی رحمہ اللہ سے بھی اجماع (افضلیت شیخین کریمین) پر تصریح موجود ہے وہ فرماتے ہیں کہ

لکن اجماع اهل السنة والجماعة علی افضلیة وهو قطعی۔

(ارشاد الساری جلد ۱ صفحہ: 107)

ترجمہ: لیکن اہل سنت و جماعت کا افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع ہے اور اجماع قطع ہے۔ لہذا ظن اور قطعیت کا معارضہ ممکن نہیں۔

نیز زیر بحث حدیث مبارک کو علی الاطلاق تسلیم کرنا بھی محال ہے۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیر نبی سے افضل ہیں اور یہ بات بھی حتمی اور قطعی ہے جب اس حدیث مبارک میں تخصیص اولی ثابت ہے تو ایسے دلائل جو کہ قطعیت کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں ان کی بنا پر شیخین کریمین کی تخصیص جائز کیوں نہ ہوگی۔ اسی لئے شارحین حدیث نے اس حدیث مبارک کی مختلف طریقوں سے تخصیص فرمائی ہے۔

حدیث طبرہ شیخ محقق رحمہ اللہ کا تبصرہ

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے محبوب ترین لوگوں کے گروہ میں سے ہے۔

"جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹوں میں سے محبوب ترین ہے۔"

"جو آپ کے رشتہ داروں میں سے محبوب ترین ہے۔"

کیونکہ یقینی بات ہے کہ علی العموم تمام مخلوق مراد نہیں ہے۔" (اشعۃ المعات جلد 7 صفحہ 456)

حدیث طبر پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

مزید یہ کہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
 ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطلق کلام بھی فرمایا کرتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ
 مقید مراد ہوتا تھا اور یوں بھی ہوتا کہ کلام میں تعمیم ہوتی تھی مگر محسوس مراد ہوتی تھی
 اصحاب فہم و بصیرت قرینہ حالیہ، وقت کی نزاکت اور معاملہ کی نوعیت پر اعتبار سے
 ایسی چیزیں کما حقہ سمجھ لیتے تھے۔“ (مرقات، جلد ۱۱ صفحہ ۴۷۲)

حدیث طبر پر امام عبد الوہاب شرعانی کا تبصرہ

امام عبد الوہاب شرعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
 ”اور رد افض نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولیت پر جس سے
 پہل لی ہے وہ حدیث پاک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو
 آپ نے عرض کیا یا اللہ اپنی مخلوق میں سے جو تجھے زیادہ پیارا ہو اسے میرے پاس بھیج
 دے جو میرے ساتھ مل کر کھائے پس پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔“

(الہدایۃ والحواس، صفحہ ۵۰۲)

نیز محل نزاع مسئلہ افضلیت مطلقہ کا اثبات ہے جس کی علت احییت نہیں ہے بلکہ اس کی علت
 خدا کے نزدیک بزرگی و کثرت ثواب ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت اس پر شاہد ہے۔
 الکلام فی الأفضلیۃ بمعنی الکرامة عند اللہ و کثرة الثواب۔
 ترجمہ: کلام فضیلت میں ہے بمعنی خدا کے نزدیک بزرگی و کثرت ثواب کے۔

(شرح مقاصد، الفصل الرابع فی الامامة، المبحث السادس، ۵۲۳/۳)

حدیث طبر پر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
 وهو التمسك بخبر الطبر، فالاعتراض عليه: أن نقول: قوله
 ”بأحب خلقك“ يحتمل أحب خلق الله في جميع الأمور، أو يكون

أحب خلق الله في شيء معين. والدليل على كونه محتملاً لهما: أنه
 يصح تقسيمه اليهما. فيقال: أما يكون أحب خلقه اليه في
 الأمور، أو يكون أحب خلقه اليه في هذا الأمر الواحد. وما به
 الاشتراك غير ما به الاشتراك، و غير مستلزم له. فاذن هذا
 اللفظ لا يدل على كونه أحب الى الله تعالى في جميع الأمور فاذن
 هذا اللفظ لا يدل الا على أنه أحب في بعض الأمور. وهذا يفيد
 كونه أزيد ثواباً من غيره في بعض الأمور. ولا يمتنع كون غيره
 أزيد ثواباً منه في أمر آخر. فثبت: أن هذا لا يوجب التفضيل. و
 هذا جواب قوی۔ (الاربعین فی اصول الدین ج ۲ ص ۳۱۹)

ترجمہ: حدیث طبر سے استدلال پکڑنے پر اعتراض یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان
 بأحب خلقك میں یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تمام امور میں زیادہ محبوب ہے
 یا کسی معین چیز میں اس حدیث کے محتمل ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کی ان
 دونوں احتمالات کی طرف تقسیم صحیح ہے تو پس کہا جائے گا کہ وہ مخلوق سے تمام امور میں
 زیادہ محبوب ہیں یا اس ایک امر میں؟ اور اس میں وجہ اشتراک کیا ہے؟ اس وجہ
 اشتراک کے ماسواہ جو کہ اسے مستلزم نہ ہو۔ بتا تو ایسا لفظ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام امور میں
 زیادہ محبوب ہونے پر دلالت نہیں کرے گا تو پھر یہ لفظ صرف بعض امور میں زیادہ محبوب
 ہونے پر دلالت کرے گا اور یہ لفظ بأحب خلقك صرف ان کے بعض امور میں
 زیادتی ثواب کا فائدہ کرے گا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ (حضرت علی المرتضیٰ) کا
 غیر آپ سے بعض دوسرے امور میں از روئے ثواب زیادہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث
 طبر سے استدلال تفضیل کو ثابت نہیں کرتا اور یہ بڑی قوی مضبوط جواب ہے۔

حدیث طبر پر علامہ عضد الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

هو قوله حين أهدى إليه طائر مشوى اللهم ائتني بأحب خلقك

إليك يأكل معي هذا الطير فأق على وأكل معه الطائر والمحبّة من الله كثرة الثواب والتعظيم فيكون هو أفضل وأكثر ثواباً وأجيب بأنه لا يفيد كونه أحب إليه في كل شيء لصحة التقسيم وإدخال لفظ الكل والبعض ألا ترى أنه يصح أن يستفسر ويقال أحب خلقه إليه في كل شيء أو في بعض الأشياء وحينئذ جاز أن يكون أكثر ثواباً في شيء دون آخر فلا يدل على الأفضلية مطلقاً.

(كتاب المواقيت للإمام محمد بن عبد الرحمن بن أحمد الماليني ج ٣ ص ٢٢٢)

ترجمہ: وہ قول نبی کریم ﷺ کہ جب آپ ﷺ کو بھنا پرندہ ہدیہ کیا گیا تو آپ نے دعا دی کہ اللہ تو ایسے آدمی کو بھیج جو تیری مخلوق میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تاکہ میرے ساتھ ہو یہ پرندہ کھائے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اور آپ کے ساتھ وہ پرندہ کھایا اور اللہ سے محبت کثرت ثواب اور عظمت و بزرگی ہے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کثرت ثواب کی وجہ سے افضل ہوئے۔

اور میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ یہ ہر شئی میں محبوب ہونے کا فائدہ نہیں دیتا لفظ کل اور بعض کی طرف تقسیم کرنے کی وجہ پر کیا گیا تو نہیں دیکھتا کہ بے شک اس طرح اس کی تفسیر بیان کرنا صحیح ہے؟ کی کہا جائے وہ اللہ تعالیٰ کو اسکی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب میں۔ تو یہ محبوبیت تمام اشیاء میں ہے یا بعض اشیاء میں اور اس وقت جائز ہے کہ وہ کثرت ثواب کسی دوسری شئی میں ہو لہذا یہ حدیث (طیر) افضلیت مطلقہ پر دلالت نہیں کرتی۔

حدیث طیر پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا تبصرہ

وسألت ابن أبي داود عن حديث الطير، فقال: إن صح حديث الطير فنسبة النبي ﷺ باطل، لأنه حكى عن حاجب النبي ﷺ خيانة - يعني أنسا - وحاجب النبي لا يكون خائناً.

قلت: هذه عبارة ردية، وكلام نحس، بل نبوة محمد ﷺ حق

قطعی، إن صح خبر الطير، وإن لم يصح، وما وجه الارتباط؟ هذا أنس قد خدم النبي ﷺ قبل أن يحتلم، وقبل جريان القلم، فيجوز أن تكون قصة الطائر في تلك المدة.

فرضنا أنه كان محتلماً، ما هو بمعصوم من الخيانة، بل فعل هذه الجناية الخفيفة متأولاً، ثم إنه حبس علياً عن الدخول كما قيل، فكان ماذا؟ والدعوة النبوية قد نفذت واستجيبت، فلو حبسه، أو رده مزارت، ما بقي يتصور أن يدخل ويأكل - - - - -
المصطفى سواة إلا، اللهم إلا أن يكون النبي ﷺ قصد بقوله: "إيتني بأحب خلقك إليك، يأكل معي" عدداً من الخيار، يصدق على مجموعهم أنهم أحب الناس إلى الله، كما يصح قولنا: أحب الخلق إلى الله الصالحون، فيقال: فمن أحبهم إلى الله؟ فنقول: الصديقون والأنبياء.

فيقال: فمن أحب الأنبياء كلهم إلى الله؟ فنقول: محمد و إبراهيم وموسى، والخطب في ذلك يسير.

و أبو ليابة مع جلالتة - بدت منه خيانة، حيث أشار لبني قريظة إلى حلقه، وتاب الله عليه.

وحاطب بدت منه خيانة، فكاتب قريشا بأمر تخفى به نبي الله ﷺ من غزوهم، وغفر الله لحاطب مع عظم فعله - رضي الله عنه -
وحديث الطير على ضعفه - فله طرق حجة، وقد أفردها في جزء ولم يثبت، ولا أنا بالبعث بطلانه، وقد أخطأ ابن أبي داود في عبارته وقوله، وله على خطئه أجر واحد، وليس من شرط الثقة أن لا يخطئ ولا يغلط ولا يسهو.

والرجل فمن كبار علماء الإسلام، ومن أوثق الحفاظ - رحمه الله تعالى - (سير أعلام النبوة ج ٣ ص ٣١٣)

ترجمہ: اور میں نے ابن ابی داؤد سے حدیث طبر کے متعلق سوال کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر حدیث طبر صحیح ہے تو حضور ﷺ کی نبوت باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ جو حضور ﷺ کی دربان کی خیانت پر حکایت نقل کی گئی ہے۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کا دربان خائن نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا کہ یہ عبارت ردی ہے اور عجیب کلام ہے۔ بلکہ محمد ﷺ کی نبوت حق اور قطعی ہے اگرچہ حدیث طبر صحیح ہو یا نہ ہو۔ اور ربی ان دونوں میں وجہ تطبیق تو وہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت کی بالغ اور مملکت ہونے سے پہلے تو ممکن ہے یہ پرندہ والا قصہ اسی مدت کا ہو۔ اور اگر ہم فرض کریں کہ وہ اس وقت بالغ تھے تو پھر بھی خیانت سے معصوم نہیں تھے۔ بلکہ آپ نے یہ جنایت خفی کی ہو، تاویل کی وجہ سے۔ پھر ان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روکنا جیسا کہ کہا گیا ہے تو اسی کی وجہ کیا تھی۔ اور مصطفیٰ کریم ﷺ کی دعا قبولیت کی وجہ سے نافذ ہو گئی۔ اور اگر ان کو روکا یا کئی مرتبہ لوٹایا تو پھر اس کا کیا تصور باقی رہ جاتا ہے کہ وہ داخل ہوئے اور حضور کریم ﷺ کے ساتھ پرندہ کھایا یا قطع نظر اس کے۔ مگر یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ساتھ کہ اے اللہ اس شخص کو بھیج جو تجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے کے علاوہ کارادہ فرمایا ہو۔ بہترین لوگوں میں سے شمار کرتے ہوئے یہ مجموعہ من حیث المجموع صادق آتا ہے۔ اس پر کہ بے شک وہ لوگوں میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب انبیاء کرام تھے۔ جیسا کہ ہمارا قول صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب صاحبین میں پس پھر یہ سوال کیا جائے کہ صاحبین میں کون محبوب ہیں۔ تو ہم کہیں گے صدیقین اور انبیاء کرام۔ پس کہا جائے کہ تمام انبیاء کرام میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ تو ہم کہیں گے محمد ﷺ، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور خطیبہ اس میں آسان ہے۔ اور ابولہاب رضی اللہ عنہ سے باوجود جلالت شان کے ان سے خیانت کا ظہور ہو گیا جس وقت انہوں نے بنو قریظہ کو اپنے حلقے کی طرف اشارہ کر کے بتایا اور پھر اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی کی اور مطالب سے بھی خیانت کا ظہور ہوا کہ قریش کو غزوہ کے متعلق لکھا حالانکہ حضور ﷺ اس کو مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ معاف فرمایا مطالب رضی اللہ عنہ کو باوجود اس

بڑے فعل کے۔ اور حدیث طبر کا اس کے ضعف پر اس کے لیے متعدد طرق ہیں اور میں انکو ایک جزء میں جمع کر دیا ہے۔ اور یہ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کے بطلان کا اعتقاد رکھتا ہوں اور تحقیقی خطائی ہے ابن ابی داؤد نے اپنی عبارت اور قول میں۔ اور ان کے لیے ان کی خطا پر بھی ایک اجر ہے۔ اور ثقہ کے لیے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اس سے خطا یا غلطی اور سہو صادر نہ ہو۔ پھر وہ ایسے شخص میں جو بڑے علماء اسلام اور ثقہ مطلقہ میں سے تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

حدیث طبر پر علامہ سبکی رحمہ اللہ کا تبصرہ:

ذكر ابن طاهر أنه رأى بخط الحاكم حديث الطبر في جزء ضم جمعه وقال وقد كتبتہ للتعجب قلنا وغاية جمع هذا الحديث أن يدل على أن الحاكم يحكم بصحته ولولا ذلك لما أودعه المستدرک ولا يدل ذلك منه على تقديم على رضى الله عنه على شيخ المهاجرين والأنصار أبي بكر الصديق رضى الله عنه إذ له معارض أقوى لا يقدر على دفعه وكيف يظن بالحاكم مع سعة حفظه تقديم على ومن قدمه على أبي بكر فقد طعن على المهاجرين والأنصار فعاد الله أن يظن ذلك بالحاكم ثم ينبغي أن يتعجب من ابن طاهر في كتابه هذا الجزء مع اعتقاده بطلان الحديث ومع أن كتابته سبب شيعاع هذا الخبر الباطل واغترار الجهال به أكثر مما يتعجب من الحاكم ممن يخرجوه وهو يعتقد صحته. (طبقات الشافعية الكبرى لمام السكيت ج ٢ ص ١٦٥)

ترجمہ: ابن طاہر نے ذکر کیا ہے کہ بے شک انہوں نے حاکم رحمہ اللہ کی حدیث طبر کے متعلق ایک ضخیم جزء لکھی ہے اور میں نے تعجب کی بنا پر کہا کہ ہم کہتے ہیں اس حدیث کے جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امام حاکم نے اس پر صحت کا حکم لگایا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس کو مستدرک میں ذکر نہ کرتے۔ اور یہ میدان علی المرتضیٰ کی تقدیم شیخ المهاجرين

والانصار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ اس پر اس سے اقویٰ دلائل معارض موجود ہیں۔ اس حدیث میں ان دلائل کے رد کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اور حاکم نے اس وجہ سے اس نے باوجود صحت حفظ کے تقدیم علیٰ جہت گمان کیا ہے۔ پس تحقیق اس نے طعن کیا ہے تمام مباجرین اور انصار پر۔ پس معاذ اللہ کہ اس کا نام سے گمان کیا جائے۔ پھر لائق ہے کہ تعجب کیا جائے ابن طاہر پر کہ اس نے اس حدیث کے بطلان کا اعتقاد رکھنے کے باوجود اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے باوجود اس کے کہ اس کی کتابت کا کیونکہ سبب ظاہر ہے اس خبر کے باطل ہونے کا اور جابوں کا اس روایت سے دھوکہ دینا امام حاکم سے بھی زیادہ متعجب ہے۔ جس نے اس کی تخریج کی ہے اور صحت کا اعتقاد رکھتا ہے۔

حدیث طبر پر محدث سندھ ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ کا تبصرہ

علامہ ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ اس حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر یہ کہا جائے کہ چلیں یہ (انا مدینۃ العلم، بمنزلی ہارون) احادیث تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں وارد ہونے والی احادیث کے معارض نہیں۔ کیونکہ ان میں اسم تفضیل یا اس کے قائم مقام کوئی صیغہ وارد نہیں۔ لیکن متعدد حدیثیں ایسی بھی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں افضل التفضیل کے صیغے سے بھی وارد ہوئی ہیں۔ لہذا اب تو معارضہ پایا جائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس بھنے ہوئے پرندے کا گوشت لایا گیا تو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ اے اللہ! اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب شخص کو میرے پاس بھیج کہ وہ میرے ساتھ اسے کھائے تب حضرت علی آگئے اور حضور ﷺ کے ساتھ اسے تناول کیا۔ اس کو امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور یہاں پر احباب سب سے بڑھ کر محبوب ہونے سے مراد اللہ کے ہاں سب سے بڑھ کر ثواب والا ہونا ہے اور اسی کو افضلیت کہتے ہیں۔“

جواب: میں (ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ) کہتا ہوں اس کے ۹ جواب ہیں:

- ۱۔ حافظ ابن جوزی نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں اور حافظ ابو العباس حرائی نے دینی کتاب ”منہاج“ میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔
- ۲۔ برہیل تنزل بالفرض اگر موضوع نہ بھی ہو تو اس کے ضعیف ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ جیسا کہ اس کی صراحت علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں کی ہے۔ اور حدیث ضعیف احکام میں حجت نہیں بالخصوص اس مقام میں کہ جہاں رائے واجتہاد سے مذکورہ مسئلہ معلوم بھی نہیں کیا جاسکتا۔
- ۳۔ (برہیل) چلو یہ بھی ماننا کہ ظاہر آیہ حدیث ضعیف نہیں لیکن باطناً اس کے ضعیف ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک معنوی اور پوشیدہ علت ہے جو اس کے ضعف کو ثابت کر رہی ہے۔ وہ یہ کہ اے اللہ! تیری مخلوق کے الفاظ عام ہیں جو کہ انبیاء و مرسلین کو بھی شامل ہیں۔ اور اس حدیث میں کوئی خاص لفظ بھی نہیں جس کے سبب یہ عمومیت خاص ہو سکے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان میں وارد ہونے والی احادیث میں الانبیاء والمرسلین اور اسی طرح کے دیگر الفاظ وارد ہیں۔ اور اس پر اجماع ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے علاوہ سب پر افضل ہیں۔ پس یہ حدیث اجماع کے مخالف ہوگی مزید یہ کہ اس میں کسی لفظ مخصوص کا نہ ہونا اس کی کمزوری اور اس کے ثابت ہونے میں ایک باطنی ممانعت کو ثابت کر رہا ہے۔
- ۴۔ اگر ہم یہ بھی جان لیں اور فرض کر لیں کہ یہ حدیث ظاہر او باطناً دونوں طرح ضعیف نہیں ہے تب بھی ہم یہ نہیں مانتے کہ لفظ (احب) لفظ افضل کے قائم مقام ہے۔ اس پر دلیل ترمذی، نسائی، حاکم باقاعدہ تصحیح کی اور ابن حبان کی روایت ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”افضل ذکر لا الہ الا اللہ“ ہے اور مسلم کی روایت حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب سے احب (پسند بات) بحان اللہ و بحمدہ کہنا ہے۔ (یہاں افضل اور احب کا فرق ہے)۔ اس وجہ سے علامہ نووی رحمۃ اللہ نے اپنی شرح مسلم میں بخاری و مسلم شریف کی اس حدیث کے تحت (کہ جب حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا کی گئی مردوں میں سے فرمایا ان کے باپ عرض کی گئی پھر کون فرمایا حضرت عمر) فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ افضل بھی ہوں۔ اسی

طرح ان کے باپ (حضرت ابو بکر) کا حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہونا حضرت عمر سے افضل ہونے کو لازم نہیں۔ بلکہ آپ کی افضلیت اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے جن میں لفظ افضل اور لفظ خیر صراحتہ وارد ہوئے ہیں اتنی۔

اور علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ صحابہ میں کثیر افضلیت کے حوالے سے ہے اور افضلیت کا معنی اللہ کے ہاں زیادہ ثواب والا ہونا ہے۔ اور اصیبت (زیادہ پسندیدہ) افضلیت کا غیر ہے۔ جیسا کہ افضلیت اور اصیبت کے درمیان فرق کا قول علماء کی طرف سے مشہور و معروف ہے۔

۵۔ پھر اگر ہم ان کی مراد مطابقت مان لیں تب بھی اس سے قوی دلیل اس کے معارض ہے۔ اور وہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا یہ فرمانا ہے "مردوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ابو بکر ہیں پھر عمر ہیں" اور اس میں کوئی خفاء نہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہوگا وہی اللہ کو بھی زیادہ محبوب ہوگا۔

اعتراض: پھر اگر کہا جائے کہ آپ نے ابھی تو پیچھے دونوں صاحبوں کی شان میں وارد ہونے والی روایات کے درمیان معارضہ ہونے کی نفی کی تھی اور یہاں آپ نے معارضہ ثابت کر دیا ہے تو یہ دونوں باتیں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں؟

جواب: ہم کہتے ہیں وہاں جو ہم نے نفی کی تھی وہ معنی مساوات کے اعتبار سے کی تھی کہ جو مساوات مطلقہ کو ثابت کرنے والی تھی۔ اور یہاں ہم نے جو اثبات کیا ہے وہ جانیں میں سے ایک کے ثابت ہونے کے متعلق ہے اور وہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حکم دوسری جانب سے زیادہ راجح اور زیادہ قوی ہے۔

۶۔ احب وافضل کی مراد کو تسلیم کرنے کا ایک جواب علامہ تھکازانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں یہ دیا ہے کہ اس صورت میں حضور ﷺ کا فرمانا (احب غلک) حضرت علی سے شیخین کی تخصیص کا احتمال رکھے گا۔ ان دلائل کی بناء پر جو شیخین کی افضلیت کے حوالے سے وارد ہوئے ہیں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں اس کی تائید صحیحین کی مذکورہ حدیث سے ہوتی ہے کہ مردوں میں مجھے سب سے محبوب ابو بکر ہیں پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہما۔

مزید اس کی تائید حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے دہلوی نے

"مسند فردوس اعلیٰ" میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں میں سب سے محبوب ابو بکر ہیں اور ان کے بعد عمران کے بعد عثمان اور ان کے بعد علی ہیں رضی اللہ عنہم۔

تسلیم مترادف کے بعد وہ تمام احادیث جو خلفائے ثلاثہ کی افضلیت میں وارد پہلے گزر چکی ہیں وہ اس حدیث میں وارد اصیبت کی تفسیر ہو جائیں گی کیونکہ جب مراد احب مان لیں گے تو دونوں لفظوں کا معنی متحد ہو جائے گا۔ لہذا ان کثیر احادیث سے ثابت ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کے بعد ہے (کیونکہ وہ اس کی تفسیر کر دیں گی)۔ کہا لا ینحی۔

۸۔ وہ ہے جو شیخ عضد الدین، موافق اور سید شریف رحمہما اللہ نے اس کی شرح میں بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ (احب) جناب امیر کے ہر شے میں محبوب اکبر ہونے کو مفید نہیں کہ اس کو تقسیم بھی کیا جاسکتا ہے اور لفظ کل اور بعض سے اس کی تفسیر بھی کہہ سکتی ہے (کیا دیکھتا نہیں) کہ اس کو تقسیم کر کے یوں کہنا صحیح ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبوب مخلوق میں سب سے اچھے فیصل ہونے میں ہیں یا صادق ہونے میں ہیں یا خوبصورت ہونے میں ہیں یا بہادر ہونے میں ہیں یا کفار پر غالب آنے میں ہیں یا اس چیز میں ہیں وغیر ذلک اسی طرح کل اور بعض سے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ مخلوق میں ہر شے میں زیادہ محبوب ہیں یا بعض اشیاء میں زیادہ محبوب ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ وہ ایک شے میں زیادہ ثواب والے ہوں لیکن دوسری میں نہ ہوں۔ لہذا علی اعلان یہ افضلیت پر دلیل نہیں۔ اتنی۔

۹۔ علامہ تھکازانی رحمۃ اللہ نے شرح مقاصد میں فرمایا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اس بندے کو بھیج کر جو اس پر بندہ کو میرے ساتھ کھانے میں تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تبصرہ۔ اعتراض۔ اگر کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں مذکورہ سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (الطریقۃ المحمدیہ قلمی)

شیخ محمود سعید ممدوح کا امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے "اعلیٰ" پر

استدلال افضلیت

شیخ محمود سعید ممدوح نے مندرجہ ذیل حدیث مبارک سے بھی افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر استدلال فرمایا ہے۔

”امام احمد نے سند اور فضائل میں ابن سعد نے طبقات میں امام نسائی نے الخصائص میں ابن ابی عاصم نے ”السنن“ میں طبرانی نے الکبیر میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے بطریق ابی اسحاق شیبی از حمیرہ بن مریم نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا:

”حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہماری طرف تشریف لائے ان کے سر مبارک پر کالا حصہ تھا انہوں نے فرمایا گل تمہارے درمیان وہ عظیم الشان ہستی موجود تھی جس سے رو تو پہلے والے آگے بڑھ سکے اور نہ ہی بعد میں آنے والے اس اسکے مقام کو پاسکیں گے۔“

(سند احمد، جلد ۱ صفحہ ۱۹۹)

امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ کوفہ میں ایک جمع غفیر کے سامنے بیان فرمایا جو کہ افضلیت علی رضی اللہ عنہ پر ایک نص ہے۔ (غایۃ التبجیل صفحہ ۱۶۷-۱۶۸)

الجواب بتوفیق الوہاب: شیخ محمود سعید ممدوح کا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے استدلال غلط ہے کیونکہ اول تو امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عقیدہ افضلیت شیخین کا تھا۔ جلیل اللہ ربانی امام شیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أدرکت خمس مائة من أصحاب النبي ﷺ كلهم يقولون أبو بكر و عمر و عثمان و علي. (تتم این امقری، رقم: ۲۰۵)

ترجمہ: یعنی میں نے پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی اور تمام صحابہ کرام کہتے تھے کہ حضرت ابو بکر، (پھر) اور حضرت عمر اور (پھر) حضرت عثمان اور (پھر) حضرت علی۔ امام شیبی رحمہ اللہ کے اتنا دلوں میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

(تہذیب الکمال، رقم: ۳۰۳۲)

لہذا امام شیبی رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوا کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ دیگر ائمہ اہل بیت کی طرح افضلیت شیخین کے ی قائل تھے۔

دوم یہ کہ مذکورہ بالا حدیث موقوف کو شیخ محمود سعید ممدوح نے افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر دال بتایا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے اعلیٰ کو باب فضائل و مناقب میں تو شمار کیا جاسکتا ہے لیکن اعلیٰ سے افضلیت پر استدلال کرنا محل نظر ہے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے علم کی وسعتیں اور بے پایاںیاں اہل علم و نظر سے ہرگز پوشیدہ نہیں لیکن اعلیٰ سے امام حسن بن علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کسی بھی

اہل علم نے آپ کی افضلیت پر استدلال نہیں فرمایا۔

اگر اعلیٰ سے افضلیت ثابت کرنی ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ملاحظہ کریں۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور تمام آدمیوں کا علم بھاری ہوگا۔ (امد الغاب ج ۲ ص ۶۳۸)

۲- حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا کہ خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے بڑھ کر کہا۔ میں نے (ابی وائل رحمہ اللہ) پوچھا کیا کہا ہے۔ انہوں نے کہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے جاتے رہے۔ (امد الغاب ج ۲ ص ۶۳۸)

۳- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی وہ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے حالت رویاء میں دیکھا کہ ایک پیالہ دودھ کا مجھ کو دیا گیا میں نے اس میں پیا اور باقی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی کیا تادیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: علم۔ (امد الغاب ج ۲ ص ۶۳۸)

اعلیٰ سے افضلیت پر استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں:

۱- امام بدرالدین العینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”زیادتی علم افضلیت کو واجب نہیں کرتی کیونکہ کثرت ثواب کے اسباب دوسرے ہیں جو کہ تقویٰ اخلاص اور کلمہ حق بلند کرنا وغیرہ ہیں اور کتاب اللہ کے اعلیٰ ہونے سے مطلقاً اعلیٰ لازم نہیں آتی کیونکہ احتمال ہے کہ غیر (اعلم بالکتاب) سے زیادہ اعلم بالسنة ہو۔

إن زيادة العلم لا توجب الأفضلية لأن كثرة الثواب لها اسباب أخر من التقوى والإخلاص وإعلاء كلمة الله وغيرها مع أن الأعلیٰ کتاب الله لا تستلزم الأعلیٰ مطلقاً لاحتمال أن يكون وغيره أعلم بالسنة. (عمدة القاری للعینی، جلد ۸ صفحہ ۳۳۳)

ترجمہ: بے شک زیادتی علم افضلیت کو لازم نہیں کرتی اس لیے کہ کثرت ثواب کے لیے دوسرے اسباب ہیں تقویٰ، اخلاص، اعلاء کلمۃ اللہ وغیرہ۔ باوجود اس کے بے شک اعلیٰ کتاب اللہ مطلقاً اعلیٰ کو مستلزم نہیں۔ اس احتمال کی وجہ سے ممکن ہے اس کا

غیر اعلم بالسنة ہو۔

۲- نیز امام ابو ذر کریم اللہ علیہ بن شرف بن مری النووی رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ جانتے والا ہوں اور اگر میں اپنے سے زیادہ کسی بھی احل علم کو جانتا تو حصول علم کیلئے اونٹ پر سفر کر کے جاتا۔" کی تاویل میں کچھ یوں فرمایا۔
 "حضرت عبداللہ بن مسعود کا فرمان کہ میں اعلم ہوں اور اس سے مراد کتاب امہ کا علم ہے جیسا کہ تصریح موجود ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ اعلم بالسنة اور اللہ کی بارگاہ میں ان حضرات سے افضل ہوں اور بسا اوقات ایک شخص کسی خاص جہت اور کسی خاص نوع کا اعلم ہوتا ہے جبکہ دوسرا اور اس کا غیر کسی دوسری جہت اور کسی خاص علم کے اعتبار سے اعلم ہوتا ہے اور فضیلت کا مدار زیادتی تقویٰ، خشیت، ورع، زہد اور طہارت پر منحصر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔" (المنہاج شرح صحیح مسلم، جلد 16 صفحہ 17)

۳- ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"امام نووی رحمہ اللہ اپنے عقاوی میں فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعلم من غیرہ ہونے سے انکا افضل ہونا لازم نہیں۔ یعنی فضیلت میں بڑھ جانا ثواب میں بڑھ جانے کو مستلزم نہیں۔"

عربی متن ملاحظہ ہو۔

أن يكون أعلم من غيره ولا يلزم من كونه أعلم كونه أفضل
 یعنی لا يلزم من كونه أكثر فضيلة كونه أكثر متوبة كذا في
 الاظهار۔ (مرقات للعلی القاری، جلد 11 صفحہ 503)

۴- امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"کسی صفت فضیلت میں زیادہ فضیلت مطلقہ کا تقاضا نہیں کرتی۔"

إن الزيادة في صفة من صفات الفضل لا تقتضي الأفضلية
 المطلقة۔ (فتح الباری للعسقلانی جلد 9 صفحہ 49)

ان حديث للعامل منهم أجر خمسين منكم لا يدل على
 أفضلية غير الصحابة على الصحابة لأن مجرد زيادة الأجر لا
 يستلزم ثبوت الأفضلية المطلقة۔ (فتح الباری للعسقلانی جلد 7 صفحہ ۷)

ترجمہ: یعنی بے شک یہ حدیث کہ عامل کے پچاس گنا اجر ہے، غیر صحابہ پر افضلیت پر
 دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ مجرد زیادتی اجر افضلیت مطلقہ کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہے۔
 أن يفوق بعض المفضولين بخصلة لا تستلزم الأفضلية
 المطلقة۔ (فتح الباری للعسقلانی جلد 7 صفحہ ۷۵۵)

ترجمہ: یہ کہ فوقیت رکھتے ہوں بعض مفضولین کسی خاص مادت میں یہ افضلیت مطلقہ کو مستلزم
 نہیں ہے۔

۵- علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"کسی خاص فضیلت سے مختص ہونا افضلیت علی الاطلاق کو مستلزم نہیں۔"

الاختصاص بفضيلة لا يستلزم الأفضلية على الإطلاق

(عمدة القاری، جلد 1 صفحہ 364)

جیسا کہ افضلیت کا مدار واضح ہے کہ

أن المراد من الأفضلية الخيرية وأكثرية الثواب

(عمدة القاری، جلد 1 صفحہ 364)

افضلیت سے مراد خیریت اور کثرت ثواب ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علمیت کے چند اقوال بھی ملاحظہ کریں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وقد أمر النبي ﷺ في مرضه أن يؤمهم أبو بكر ﷺ، ففي ذلك
 دلالة على أنه كان أعلمهم بالسنة مع ما دلت عليه آثار عليه
 وزيادة فضله ﷺ۔ (المعجم لابن أبي عمير، ج 1 ص ۳۳ رقم الحديث: ۳۲)

ترجمہ: اور نبی کریم ﷺ نے اپنی بیماری کی حالت میں حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
 امامت کروائیں۔ اس روایت میں اس بات پر دلالت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

سنت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ آثار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم اور افضلیت پر دلالت کرتے ہیں۔

۲۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وكان الأمر بعد رسول الله ﷺ إلى أبي بكر الصديق رضي الله عنه وأفضلهم (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ج ۱ ص ۱۳)

ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ کے بعد معاملہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا اور آپ ﷺ سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ فضیلت والے تھے۔

۳۔ امام ابو بکر بن ابی عامر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

و أبو بكر الصديق أعلمهم عندی بعد رسول الله ﷺ، وأفضلهم وأزهدهم وأشجعهم وأسخاهم۔ (السنن لابن عامر)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑے عالم، سب سے افضل، سب سے بڑے زاہد، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

وكان أبو بكر رضي الله عنه أعلمهم وأفقههم في كل أمره۔ (عمدة القاری، جلد ۸ ص ۳۳۳)

۴۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وهي أن عليا كان أعلم. فلنا: لم يجوز أن يقال: إنه حصل له هذه العلوم الكثيرة، بعد أبي بكر. وذلك لأنه عاش بعده زمانا طويلا، فلعله حصلها في هذه المدة. فلم قلت: إنه في زمان حياة أبي بكر كان أعلم منه.

ترجمہ: ان (اہل تشیع) کی تیسری دلیل یہ ہے کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلم تھے۔

”ہم (اہل سنت) کہتے ہیں کہ کیا یہ کہنا ممکن نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ علوم کثیرہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حاصل ہوئے۔ پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان سے اعلم تھے۔ یعنی ایسا کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلم تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے۔“

لہذا شیخ محمود سعید مدوح کا اعلیت مولا علی رضی اللہ عنہ پر دلائل مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی افضلیت مطلقہ کا اثبات نہیں کر سکتے اور اجماع اہل سنت میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ امام محمد عبد الرحمن السخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وليس في هذا كله ما يقدح في إجماع أهل السنة من الصحابة والتابعين ضمن بعد هم على أن أفضل الصحابة بعد النبي على الإطلاق أبو بكر ثم عمر رضي الله عنهما۔ (المقامہ الحمد، صفحہ 71 تحت رقم الحدیث: 189)

من كنت مولا فعلي مولاة تحققي جائزه

شیخ سعید مدوح غایۃ التبجیل ص ۱۵۶ کے حاشیہ پر لکھتا ہے:

میں کہتا ہوں: حدیث مولات، متواتر ہے۔ حجتہ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مشہور و معروف مقام پر نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔

جواب: میں اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر اس مقام پر کوئی کلام کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ بالفرض اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس حدیث سے افضلیت مراد لینا محل نظر ہے۔

امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا تبصرہ

اس حدیث کے بارے میں امام المفسرین امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا تبصرہ ملاحظہ کریں: حدیث کی صحت تو ہمیں تسلیم ہے لیکن ہم لفظ مولیٰ سے اولیٰ کے احتمال کو تسلیم نہیں کرتے۔

اور استدلال اللہ تعالیٰ کے فرمان ”آگ تمہاری رفیق ہے۔“ (الحجہ: ۱۵)

وہ تمہارے زیادہ قریب کے معنی میں ہے، وہ معارض ہے اس کے بے شک ان دو لفظوں میں سے ایک دوسرے کے قائم مقام کرنا درست نہیں۔ پس کہا جاسکتا ہے کہ یہ اولیٰ (قریب) اس سے اور یہ نہیں کہا جاسکتا یہ مولیٰ ہے اس سے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فلاں کا مولیٰ (مندگار) ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فلاں کے اولیٰ میں سے ہے۔

ہمیں تسلیم ہے مولیٰ کا لفظ اولیٰ کا احتمال رکھتا ہے لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ مولیٰ کا بیان ہو۔ پس اس پر محمول کرنا واجب ہو، ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل غنی ہے تو قطعیات میں غنی دلیل

قول کی جاسکتی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں لفظ مولیٰ کو اولیٰ پر محمول کیا جائے گا لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ان کے اولیٰ (قریب) ہوں ہر شے میں۔ بلکہ ممکن ہے کہ وہ اس کے بعض اشیاء میں ان کے اولیٰ (قریب ہوں) اور وہ ان کی تعظیم و محبت کا واجب ہونا ہے۔ اور قطعی طور پر ان کا باطن کا سلامت ہونا۔ پس بے شک نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ کلام حضرت علی المرتضیٰ سے حضرت زید جی ﷺ کے مابین ہونے والے جھگڑے کے درمیان فرمایا۔ حضرت علی جی ﷺ نے حضرت زید جی ﷺ سے فرمایا تو میرا مولیٰ ہے۔ تو حضرت زید جی ﷺ نے فرمایا کہ آپ کا مولیٰ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا مولیٰ ہوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے یہ کلام فرمایا۔ (الایمین فی اسول الدین ج ۲ ص ۲۹۸)

أنت منی بمنزلة هارون کا تحقیقی جائزہ:

شیخ سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۵۵ احادیث پر لکھتا ہے:

اور فضائل علی جی ﷺ میں جو صحیح احادیث ہیں وہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد "أنت منی بمنزلة هارون من موسیٰ إلا أنه لا نبی بعدی" تیری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک حضرت ہارون کی الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

جواب: اس حدیث سے مسئلہ افضلیت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل ائمہ اعلام کی تصریحات سے واضح ہے۔

امام المفسرین فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا تبصرہ:

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا نسلم أن هارون عليه السلام كان بحيث لو بقي. لكان خليفة لموسى عليه السلام. قوله: لأنه استخلفه. فلو لا يجوز أن يقال: إن ذلك الاستخلاف كان إلى زمان معين. فانتفى ذلك الاستخلاف بانتفاء ذلك الزمان.

و بالجملة: فهم مطالبون بإقامة الدليل على لزوم النقصان

عند انتفاء هذا الاستخلاف. بل هذا بالعكس أولى. لأن من كان شريك الإنسان في منصب. ثم يصير نائباً له و خليفة له. كان ذلك يوجب نقصان حاله. فاذا أزيلت تلك الخلافة زال ذلك النقصان، وعاد ذلك الكمال.

سلمنا: أن هارون كان بحيث لو عاش. لكان خليفة له بعد وفاته. لكن لم قلت: إن قوله: أنت منی بمنزلة هارون من موسى.

يتناول جميع المنازل. و دليل الاستثناء معارض بحسن الاستفهام و حسن التقسيم و حسن إدخال لفظ الكل و البعض عليه.

ترجمہ: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اگر حضرت ہارون علیہ السلام حیات رہتے تو ضرور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوتے۔ مخالفین (اہل تشیع) کا یہ کہنا کہ حضرت موسیٰ نے ان کو خلیفہ بنایا اور اگر وہ ان کو معزول کرتے تو یہ بات حضرت ہارون علیہ السلام کے حق میں امانت سمجھی جاتی۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ ان (اہل تشیع) کی یہ بات ہم نہیں تسلیم کرتے۔ پس یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ بے شک ان کی خلافت معین مدت تک تھی۔ زمانے کی انتہا کے ساتھ یہ خلافت بھی منتهی ہو گئی۔

غلامہ کلام یہ ہے کہ وہ نقصان (کمی) کے لازم ہونے پر اقامت دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس خلافت کے انتہا کے وقت بلکہ اس کالٹ تو زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ بے شک وہ شخص جو کسی منصب میں انسان کا شریک تھا پھر وہ اس کا نائب اور خلیفہ ہو گیا۔ یہ تو حالت نقصان کو ثابت کرتا ہے۔ پس جب خلافت ختم ہو گئی تو یہ نقصان بھی زائل ہو گیا اور کمال لوٹ آیا۔

ہم کو یہ بات تسلیم ہے کہ بے شک حضرت ہارون علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو وہ ضرور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوتے لیکن تم (اہل تشیع) یہ کیوں نہیں کہتے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان انت منی بمنزلة هارون من موسى جمع منازل

کو شامل ہے۔ اور استثناء کی دلیل تو حسن استفہام کے بھی معارض اور حسن تقسیم کے بھی معارض ہے اور لفظ کل اور بعض کے اس پر داخل ہونے کے حسن کے بھی معارض ہے۔ (الاربعین فی اصول الدین ج ۲ ص ۳۰۰)

شیخ ممدوح اور شیخ عبد اللہ الغماری کی جہالت:

شیخ ممدوح غایۃ التّجلیل ص ۲۳۹ [مترجم] کے حاشیہ میں لکھتا ہے:

کیونکہ استثناء معیار عموم ہے۔ پس ہر وہ مرتبہ جو رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت ہے وہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ہے، ماسوا اس کے جسے دلیل سے خاص کر دیا گیا، پس حدیث کا ظاہر افضلیت مرتضوی کا فائدہ دیتا ہے۔

اس کے بعد شیخ ممدوح غایۃ التّجلیل ص ۲۴۰ کے حاشیہ میں اپنے شیخ عبد اللہ بن صدیق الغماری کے حوالہ سے لکھتا ہے۔

حدیث أنت منی بمنزلة هارون من موسى اس بات کی تقاضہ کرتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ سے وہی مرتبہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کا اخوت اور خلافت میں تھا۔ ارشاد الہی ہے:

و قال موسى لأخيه هرون اخلفني في قومي وأصلح ولا تتبع سبيل المفسدين.

ترجمہ: اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فساد یوں کی اتباع نہ کرنا۔

اور اخلاق و علوم اور ہر اس خوبی میں جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے مابین مشترک تھی سوائے نبوت کے، اس لیے حضور ﷺ نے ان الفاظ میں خود استثناء فرمایا:

إلا أنه لا نبی بعدی.

ترجمہ: مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور استثناء عموم کا معیار ہے۔ جیسا کہ علم اصول سے ثابت ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ امت کے سب سے بڑے عالم ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت ہارون

ﷺ سب سے بڑے عالم تھے۔ (حوالہ البرہان الحلی)

جواب: شیخ ممدوح اور ان کے شیخ علامہ عبد اللہ بن صدیق الغماری نے اس حدیث سے جو استدلال پیش کیے ہیں۔ بعینہ استدلال اہل تشیع کے معروف و مشہور عالم محمد حسن ذکوان نے اپنی کتاب تنزیہ الامامیہ میں نقل کیے ہیں۔ ان استدلال کی ۳ بنیادیں ہیں۔

۱۔ عموم الفاظ کا ہونا

۲۔ استثناء نبوت کی تصریح

۳۔ استثناء کا دلیل عموم ہونا

لہذا مناسب ہوگا کہ ان استدلال کا رد محقق العصر مناظر اہل سنت شیخ الحدیث قبلہ محترم اشرف سیالوی صاحب کی کتاب تحفہ حینیہ سے پیش کر دیا جائے۔

عموم الفاظ کی بحث

شیخ الحدیث قبلہ اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

ذرا اسی انداز استدلال اور طرز فکر کو دیکھیں کہ تعصب اور عناد نے کس طرح ان کی مت مار رکھی ہے، اور دعویٰ عموم میں موجود واضح اور آشکار خرابیاں ان کی نظروں سے کس طرح اوجھل اور پوشیدہ ہو گئیں۔

اول: جب حضور سرور عالم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو جو اقتدار و اختیار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سونپ گئے تھے، وہ خود سنبھال لیا یا نہ؟ دوسری صورت کا بطلان واضح ہے، کیونکہ اگر اقتدار صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، تو حضور سید عالم ﷺ کا محروم اقتدار ہونا لازم آگیا، جس کا کوئی مسلمان تو کجا کوئی عقلمند کافر بھی قول نہیں کر سکتا اور اگر دونوں حضرات متصرف اور مقتدر رہے تو یک وقت دو بادشاہ اور حاکم تسلیم کرنے لازم ٹھہرے، اس کا بطلان بھی ظاہر اور واضح ہے۔

لہذا پہلی صورت متعین ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو تفویض کیا ہوا اقتدار اختیار آپ ﷺ نے خود سنبھال لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کرام علیہم السلام کی طرح اور حسب سابق حضور اقدس ﷺ کی رعیت اور تابع فرمان بن گئے۔ اور جس و مشاہدہ نے اس عموم کو ختم کر دیا۔ اسے سید عالم ﷺ کے رجوع تک کے ساتھ مخصوص اور مقید کر دیا۔ لہذا اس اور مشاہدہ کی دلالت کو نظر انداز کر کے محض عموم لفظ پر نظر رکھنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔ (تحفہ حینیہ ج ۲ ص ۳۲)

شیخ الحدیث اشرف سیالوی صاحب مزید لکھتے ہیں:
 "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خلافت میں زمانہ کے لحاظ سے عموم ثابت کرنا تو دور کی بات ہے، مطلقہ اثر اور دائرہ اختیار کے لحاظ سے اس محدود وقت میں عموم ثابت کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ کے علاوہ دیگر موانضعات اور امصار و بلاد کے عمال اور گورنر آپ کے ماتحت نہیں تھے۔ اور نہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں شریک غزوہ مجاہدین اسلام ہی آپ کے ماتحت تھے۔" (تحفہ حنیف ج ۳ ص ۲۵)
 شیخ الحدیث اشرف سیالوی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عورتوں اور بچوں پر مدینہ پاک میں خلیفہ مقرر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ یہاں کلام میں قطعاً عموم نہیں ہے، بلکہ کلام ہی مخصوص حالت (یعنی عورتوں اور بچوں پر صرف مدینہ کا خلیفہ) میں ہے۔ اور اول تا آخر اسی کا بیان ہے، تو اس کو مقصد متکلم اور سیاق و سباق سے الگ کر کے عموم پر کس طرح محمول کیا جاسکتا ہے۔ (تحفہ حنیف ج ۳ ص ۲۹)

استثناء نبوت کی بحث:

قبلہ محترم شیخ الحدیث صاحب اُنت منی بمنزلہ ہارون من مونی میں نبوت کی تخصیص کے بارے میں لکھتے ہیں:

جابل سے جابل آدمی پر بھی یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ حضرت ہارون رضی اللہ عنہ اور حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ جملہ کمالات میں شریک نہیں تھے اور نہ مراتب و کمالات میں برابر بلکہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ اصلی نبی تھے اور حضرت ہارون رضی اللہ عنہ تابع، وہ حقیقی ماکم تھے اور صاحب اختیار و تصرف اور حضرت ہارون رضی اللہ عنہ اُن کے وزیر۔ وہ کلیم اللہ کے منصب پر فائز تھے اور یہ اس منصب پر فائز نہ تھے۔ لہذا جب مقیس علیہ میں ہی تمام مراتب و منازل میں اشتراک اور مساوات ثابت نہ ہوئی تو مقیس میں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور نبی اکرم ﷺ میں کس طرح برابری اور اشتراک ثابت ہو سکتا ہے؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قول مصطفوی ﷺ بمنزلہ ہارون من مونی تو حکایت ہے اس منزلت کی جو قول موسیٰ رضی اللہ عنہ: اخلفنی فی قومی سے ثابت ہو رہی تھی، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ اس قول سے اپنے کمالات اور منازل و مراتب میں حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی شرکت اور

مساوات بیان کرنا چاہتے تھے یہ آپ ﷺ اپنے طور پر سے واپسی تک ان کو قوم کی دیکھ بھال اور نگرانی و نگہبانی سونپ رہے تھے۔ کوئی معمولی عقل و دانش کا مالک بھی یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ رضی اللہ عنہ کا اس قول سے انہیں عارضی طور پر اور محدود وقت کے لیے قائم مقام بنانا مقصود تھا نہ کہ نبوت اور دیگر منازل و مراتب میں ان کی مساوات بیان کرنا تو جب نبی الانبیاء ﷺ نے بمنزلہ ہارون من مونی فرمایا تو لا محالہ اس میں بھی وہی عارضی اور محدود نیابت اور قائم مقام مراد ہوئی۔ ورنہ توجیہ الکلام بحالاً یوضی بہ القائل لازم آئے گی، جبکہ کلام قائل کو اس کی مرضی کے برعکس معنی پر محمول کرنا اور اپنی مرضی سے اس میں تصرف کر دینا عام آدمی کو زیب نہیں دیتا چہ جائیکہ خاتم الانبیاء و المرسلین اور امین خدا اور امین خلق ﷺ کو زیب دے۔ لہذا جب ثابت ہو گیا کہ منزلت وہاں پر عام نہیں ہے تو یہاں بھی عام نہیں ہوگی، بلکہ صرف توک سے واپسی تک کے لیے ماضی نیابت اور نگرانی و نگہبانی میں قائم مقام ہونے کے معنی میں ہوگی۔ (تحفہ حنیف ج ۳ ص ۳۱)

استثناء کا دلیل عموم ہونا پر بحث

جناب شیخ الحدیث اشرف سیالوی صاحب رضی اللہ عنہ اس استدلال کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 علامہ موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے نبی اکرم ﷺ کے جملہ کمالات ثابت کرنے کے لیے إلا أنه لا نبی بعدی کے استثناء کا سہارا لیا ہے کہ استثناء دلیل عموم ہوا کرتا ہے، لہذا نبوت اور اس کے خصائص کے علاوہ تمام مراتب و منازل میں اشتراک اور مشارکت ثابت ہوگی۔ لیکن یہاں بھی موصوف نے دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، کیونکہ ہر جگہ استثناء کو عموم کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا، بلکہ جہاں مستثنیٰ منہ میں عموم کی صلاحیت موجود ہو، صرف وہاں استثناء کو دلیل عموم سمجھیں گے۔ مثلاً کوئی شخص کہے: لہ علی مائتہ درہم إلا عشرة۔ یہاں استثناء تو موجود ہے لیکن مائتہ درہم کو عام نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اعداد اپنے تمام تر مراتب میں الفاظ خصوص ہوتے ہیں، ان کا تعلق دہائیوں سے ہو یا سینکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں سے نہ کہ الفاظ عموم۔ ہاں البتہ قول باری تعالیٰ: إن الإنسان لفی خسر الا الذین آمنوا۔ الآیۃ میں انسان میں احتمال خصوص اور عہدیت کا بھی تھا اور عموم کا بھی تو استثناء سے عموم ثابت ہو گیا۔ اور عہدیت یعنی بعض معین انسان مراد ہونے کا احتمال ختم ہو گیا۔ لیکن جب مستثنیٰ منہ کا لفظ پہلے ہی متعین اور مخصوص معنی میں ہو تو

پھر استحضار دلیل عموم نہیں ہوگا۔

اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ (أنت منی بمنزلة هارون من موسى) منزلت کے لئے میں عموم نہیں ہے۔ نہ مقیس علیہ میں اور نہ ہی مقیس میں۔ لہذا یہ خود فریبی کا مظاہرہ بھی ہے اور عوام فریبی کا بھی اور حقائق و واقعات سے آنکھیں بند کر کے بی علامہ موصوف نے یہ سب کچھ سپرد قلماس کیا ہے اور اس کو کہتے ہیں تعصب اور عناد جو انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔ (تحدید ص ۳۲ ص ۳۲)

اہم نوٹ: جناب قبلہ اشرف سیالوی صاحب رحمہ اللہ کی ان عبارات سے لوگوں کو بے زار کرنے کے لیے چند لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ شیخ الحدیث صاحب نے تو مسئلہ نبوت پر غلطی کی ہے اور عجیب عجیب سی باتیں کہیں۔ اس کے جواب میں اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ قبلہ سیالوی صاحب کے مسئلہ نبوت پر لوگوں کو ان سے شدید اختلاف ہو۔ مگر قبلہ سیالوی صاحب نے جو اس حدیث کے بارے میں کلام اور استدلال پیش کیے ہیں ان سے کوئی بھی اہل سنت سے تعلق رکھنے والا شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ ان کے دلائل اپنی جگہ مضبوط اور مدلل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال کرنا

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۱۷۲ پر فرماتے ہیں کہ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو افضل جانتے تھے جیسا کہ ان کا ارشاد مبارک ہے کہ کنا نتحدث أن افضل أهل المدينة علی بن ابی طالب۔ ترجمہ: ہم کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(فضائل الصحابہ، رقم: 1097)

الجواب بتوفیق الوہاب: حضرت میدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے تفصیل الشیخین کی نفی لازم نہیں آتی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک 32 ہجری میں ہوا ملاحظہ ہو۔ (امد الغابہ، جلد 6 صفحہ 366)

لہذا ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات شیخین کریمین کے وصال کے بعد فرمائی ہوئی ہو یا کہ جبل الحفظ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس اثر کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

وهو محمول علی أن ذلك قاله ابن مسعود بعد قتل عمر۔

(فتح الباری، جلد 7 صفحہ 58)

نیز امام محب طبری رحمہ اللہ اس قول کی توجیح کچھ یوں فرماتے ہیں کہ

وهو محمول عند من يقوم بالترتيب المتقدم علی انه كذلك

بعدهم۔ (اریاض العفراء، جلد 1 ص 274)

اس مقام پر شیخ محمود سعید ممدوح کا امام ابن حجر عسقلانی اور محب طبری رحمہ اللہ جیسی شخصیات کا مفہوم و تاویل تسلیم نہ کرنا اور اپنا مفہوم و بیان پیش کرنا کسی طرح بھی ہمیں مضر نہیں ممدوح کا موقف تو تب ثابت ہوتا کہ وہ ثابت کرتے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول شیخین کریمین کی حیات میں تھا۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات تو وہ اہل سنت و جماعت کے ہاں بھی مسلم ہے جب یہ بات متفقہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بلا شک و شبہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد (اہل کوفہ کے اختلاف کیساتھ) افضل ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول پیش کرنا ہمیں کسی صورت مضر نہیں۔

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمہ اللہ نے کیا خوب تصریح فرمائی ہے:

ولی الخلافة خمس سنین و قیل خمس سنین إلا شهرا بویع بالخلافة فی مسجد رسول اللہ ﷺ بعد قتل عثمان رضی اللہ عنہ لکونه أفضل الصحابة حينئذ و ذلك فی ذی الحجة سنہ خمس و ثلاثین۔ (تہذیب الاسماء و اللغات للنووی، جلد 1 صفحہ 490)

نیز امام زرقانی رحمہ اللہ اہل سنت و جماعت کے موقف کی ترجمانی کا حق کچھ یوں ادا فرماتے نظر آتے ہیں کہ

و رجح جماعة أنه أول من أسلم أمير المؤمنين مناقبه كثيرة جداً حتى قال أحمد والنسائي وإسماعيل القاضي لم يرد في حق أحد بالأسانيه الجياد ما ورد في حق علي، مات في رمضان سنة أربعين وهو يومئذ أفضل الأحياء من بني آدم بالأرض بإجماع أهل السنة۔ (شرح الزرقانی علی موطا مالک، جلد 1 صفحہ 241)

ثانیاً: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر یعنی "کنا نتحدث أن أفضل أهل المدينة علي بن أبي طالب" (فصل الصحابة رقم: 1097) میں شعبہ سے تراخ ہوا ہے جبکہ صحیح متن کچھ یوں ہے۔

"کنا نتحدث أن أقضي أهل المدينة علي بن أبي طالب" ہے۔

(معجم الصحابة للبخاری رقم: 32)

اس بات کا اقرار خود امام ابن عبد البر نے اپنے الفاظ میں کچھ یوں فرمایا ہے کہ
وهذا عندی حدیث فیہ تضعیف ممن رواه عن شعبه هكذا
إنما المحفوظ فیہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ أنه قال کنا نتحدث أن
أقضي أهل المدينة علي بن أبي طالب هكذا من القضاء لا من
الفضل۔ (الاستیعاب رقم: 20203)

مزید برآں علامہ ابن عبد البر نے الاستعیاب فی معرفۃ الصحابة جلد 1 صفحہ 340 پر حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگرد ابی مسیرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مندرجہ ذیل متن سے روایت کیا
ہے کہ "إن أقضي أهل المدينة علي ابن طالب"

نیز اقضی ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ ملاحظہ ہو۔ (مرقاۃ للعلى القاری جلد 11 صفحہ 503)

خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلیفہ اور شیخین کریمین کے افضل ہونے کے قائل ہیں۔

اہم نکتہ: مزید یہ کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

لقد أمرنا خير من بقي ولم نألوا

مفہوم: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے درمیان رہنے والوں کے متعلق خیر کا حکم دیا ہے اور جو گذر
چکے ہیں وہ ان سے افضل ہیں یا اچھے تھے۔

(شرح اصول الاعتقاد رقم: ۲۵۵۵، معجم النجاشی رقم الحدیث: ۸۷۵۱، الاستیعاب رقم: ۵۴۲، ۵۵۸، ۵۶۳، تاریخ ابن
سعد ج ۳ ص ۶۳، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۵۳۳۳، جلد ۹ ص ۸۸، درہال الصبح جلد ۱ ص ۲۳۴، المدخل الی
السنن ج ۱ رقم: ۱۳۹۱، اصول السنن رقم: ۱۹۸، تہذیب الآثار منذ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رقم الحدیث: ۱۳۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور حدیث مروی ہے کہ

جاءت بيعة عثمان عنه قال عبداللہ: ما أعلو عن إعلاناذا فوق

ترجمہ: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبر ملی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ لوگوں نے ہمارے اعلیٰ و افضل کے بنانے میں کوتاہی نہیں کی یعنی اسی کو

خلیفہ بنایا جو ب میں اعلیٰ و افضل تھا۔ (مسند رک مام رقم الحدیث: ۴۵۳۵)

۲۔ امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

احتج بمن فضل عثمان علي علي، فذكر ابن مسعود

ترجمہ: یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کو حضرت علی المرتضیٰ پر فضیلت دیتے

تھے۔ (مصابرہ للفتح رقم: ۵۶۳)

یہ قول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شیخین کے بعد
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ اور اس کے برعکس جو قول ہے وہ مطلق نہیں بلکہ مقیید
ہے۔ جو کہ تفضیلیہ کو قائمہ مند نہیں اور ہمیں مضر نہیں ہے۔

۳۔ نیز خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم رضی اللہ عنہ کے بعد فضیلت حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل تھے۔ جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ

اجعلوا إمامكم خيراً كما فيان رسول الله ﷺ جعل إمامنا خيراً

بعد۔ (الاستیعاب لابن عبد البر، جلد ۱ ص ۲۹۷، ترجمہ ابوبکر صدیق)

ترجمہ: اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس کو

اپنے بعد بہتر پایا ہمارا امام مقرر فرما دیا۔

نیز اس حدیث موقوف سے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نظریہ ظاہر ہے کہ وہ آقا کریم

ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل اور بہتر جانتے تھے۔

مزید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں موقف ملاحظہ کریں۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم قرآن کے ایک پلہ میں

رکھا جائے اور تمام آدمیوں کا علم بھاری ہو گا۔ (امد الغاب ج ۲ ص ۶۳۸)

۶۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا کہ خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے بڑھ کر کمال میں نے (ابن وائل رضی اللہ عنہ) کو چھانک دیا کہ اس نے کہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے جاتے رہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۸۴۸)

اس مذکورہ بالا تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل تھے۔ اور ان واضح تصریحات کے مقابل تفضیلیہ کا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضلیت شیخین کے قائلین میں شمار نہ کرنا علمی اور فکری غلطی ہے۔

حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے افضلیت پر استدلال

شیخ ممدوح فرماتے ہیں کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالفضل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر افضل جانتے تھے۔ جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر تقدیم دیا کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ

وكان ثقة مأموناً يعترف بفضل الشيخين إلا أنه كان يقدم علياً۔ (الاستيعاب في معرفة الأصحاب۔ جلد ۱ ص ۲۴۱)

الجواب بتوفيق الوهاب: امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے قبل حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت کا قول کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکا۔ جبکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی ولادت 368 ہجری ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ، جلد 3 صفحہ 217۔

جبکہ سیدنا عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک 107 ہجری یا 110 ہجری بمطابق اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 143 ہے۔ لہذا امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ تک حضرت عامر بن واثلہ کی سند بھی الاستیعاب میں مذکور نہیں ہے لہذا ایسے اقوال قابل التفات نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

الإسناد من الدين ولو لا الإسناد من شاء وما شاء۔

ترجمہ: اسناد دین ہے اگر اسناد نہ ہوتا تو جس کا جی چاہتا اور جو کچھ کہنا چاہتا کہہ دیتا۔

(شرح اصحاب الحدیث للخطیب ص ۹۱)

نیز امام اوذاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ماہ حساب العلم الاذهاب الاسناد۔

ترجمہ: علم کے اٹھ جانے کا مطلب اسناد کا غائب ہونا ہے۔ (شرح طلل الترمذی جلد ۱ صفحہ 58)

عقائد کے باب میں بلا سند اقوال کی کیا حیثیت ہے یہ اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حاجی: ممکن ہے کہ یہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا اپنا فہم ہو کہ حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس قول کو حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی جانب نہیں بلکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو شیخین پر مقدم فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

قال ابو عمر (ابن عبدالبر) كان يعترف بفضل أبي بكر وعمر۔

لكنه يقدم علياً۔ (الاصحاب في تميز الصحابة، جلد 7 ص 230)

لہذا اباب العقائد میں حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے فہم کو جگہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے نیز حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بعض مقامات پر فضیلت اور افضلیت کا فرق بھی نظر انداز فرما دیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے اول اسلام قبول کرنا جو کہ (فضیلت) کے باب سے ہے اس کو افضلیت کے باب میں شمار فرمایا ہے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول اسلام قبول کرنے کے قائل ہیں انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائلین میں شمار فرمایا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر افضلیت کا مدار قبول اسلام کی تقدیم و تاخیر پر منحصر ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا افضلیت میں چالیسواں نمبر شمار کیا جاتا۔

علاوہ ازیں خود امام ابن البر رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ سے ناقل ہیں کہ

قال ونا إسماعيل بن اسحاق القاضي، قال نا أبو مصعب قال نا

عبد العزيز بن أبي حازم قال سألت مالكا فيما بيني وبينه من

تقدم بعد رسول الله قال اقدام ابا بكر وعمر لم يزد علي هذا۔

(الانتقاء لابن عبدالبر صفحہ 82)

حاجی: بالفرض اگر اس قول کا انتساب حضرت سیدنا عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس قول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم علی شیخین ثابت نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر عقیدہ کے قائل ہوں جیسا کہ ملا علی

قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”اور یہ بات محضی نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینا اہلسنت وجماعت کے مذہب کے خلاف ہے اور اس پر تمام اسلاف کا اجماع ہے اور بعض غلط حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت کے مذہب کی طرف گئے ہیں ان میں صحابہ میں سے حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ ہیں۔“ (شرح فہرست ص 139-140)

مزید عرض یہ ہے کہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الاستعیاب میں کئی مقامات پر تسامح برتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریباً ۱۳۸ مقامات پر فتح الباری میں ابن عبد البر رحمہ اللہ پر گرفت اور تنقید کی ہے۔ اس کے علاوہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کے رد اور انکے اوہام پر مذکورہ کتابیں لکھیں گئی ہیں۔

الرد علی ابن عبد البر لعقیل بن عطیہ المراكشي الطرطوشي
التمکمل لابن البارج ۳ ص ۲۸
استدراک محمد بن عبد الواحد الغرناطی

الاکمال التذیل لابی بکر بن فحون علی کتاب الاستعیاب
الاکمال اور الاستدراک لابی العباسی احمد بن عمر الرکان

ان معروضات کو پیش کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی ذات کو مجروح کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جلیل القدر محدث تھے مگر ہر شخص سے خطا ممکن ہے اور ہمارے اکابرین نے ہمیں اپنے سلف و صالحین کی قدر اور عزت کرنے کا درس دیا ہے۔

شیخ ممدوح نے جتنی عبارات ابن عبد البر رحمہ اللہ سے اپنی کتاب میں نقل کیں ہیں ان سب پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب فتح الباری میں تعاقب کر کے حق ادا کر دیا ہے۔ مسئلہ فضیلت پر ابن عبد البر رحمہ اللہ کی رائے سے اکابرین متفق نہیں ہیں اور جگہ جگہ انکا تعقب فرمایا ہے۔

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کی تحقیقی جائزہ

شیخ سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۷۶ پر لکھتا ہے:

اور جلیل القدر صحابی حضرت ابو حنیفہ وہب بن عبد اللہ بن عبد اللہ السوائی رضی اللہ عنہ المشہور وہب النخیر سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت مرتضوی رضی اللہ عنہ کی تصریح اسامید مشہورہ صحیحہ کے ساتھ منقول ہے ان میں سے ایک روایت سند احمد ج ۱ ص ۱۰۶ میں موجود ہے۔

الجواب بتوفیق الوہاب: عرض یہ ہے کہ شیخ ممدوح نے حضرت ابو حنیفہ وہب بن عبد اللہ کی روایت قارئین کے سامنے بیان نہیں کی کہ صرف حوالہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو مکمل نقل کیا جائے۔

حضرت وہب سوائی ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ یہ فرمایا اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین شخص کون ہے؟ میں (حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ! آپ ہی ہیں، انہوں نے فرمایا نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہترین شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے بہترین شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور ہمیں اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر سکینہ بولتا تھا۔ (سند امام احمد، رقم الحدیث ۸۳۳)

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کا قول بیان کیا مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس قول کو رد کر کے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا قول کیا۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا قول کو حق قرار دیا تو پھر اس کے بعد سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی شرعی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ اور عجیب تو یہ ہے کہ شیخ ممدوح نے اپنی کتاب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر علم کی بناء پر فوقیت دی ہے۔ مولانا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جلالت کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول نہ ماننا اور حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو پیش کرنا علمی فریب ہے۔ اور ایک یہ بھی سوال ابھرتا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے بعد سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کون سا عقیدہ اپنایا ہوگا؟

اس سوال کا جواب شاید شیخ محمود سعید ممدوح کے پاس نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کا جواب دینا پرہیز کرے۔ ہم قارئین کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دیتے ہیں کہ جناب سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا عقیدہ تھا۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اصلاح کے بعد فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما کا ہی عقیدہ اپنایا تھا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کوئی بات کریں اور ان کے اصحاب اس کو دل و جان سے نہ مانیں۔ اس بات کی شائد ایک دلیل بھی ہے۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مضت السنة بتفضیل ابي بکر وسبق حب علی الى القلوب۔

ترجمہ: یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت سلف کی سنت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت قلوب پر غالب ہے۔ (شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۲۶۱۱)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح کا یہ روایت پیش کرنا دجل و فریب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اس دجل اور فریب کی علمی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حضرت ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عدی الطائی رضی اللہ عنہ کی روایات سے استدلال

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ ۱۷۶ پر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائلین میں سے آپ کے پروردہ اور آپ کے معاون فرزند صدیق رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔۔۔۔۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور معاونت کے متعلق ان کے اقوال مشہور و معروف ہیں۔ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تصریح فرمائی تھی۔ (بحوالہ الاستیعاب ج ۳ ص ۲۳۸ اور الاشراف ج ۳ ص ۱۹۱)

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۷۷ پر لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم و تفضیل کے قائلین میں جلیل القدر صحابی حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی ہے۔ تاریخ طبری اور نصر بن مزاحم کی کتاب صفین میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا:

اما بعد: معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے اس امر کی طرف بلائیں جس سے اللہ ہماری امت اور ہماری دعوت کو ایک کر دے۔ اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرمادے۔ اور ہم تجھے سبقت میں امت کے افضل ترین اور اسلام میں اتباع کے لحاظ سے بہترین شخصیت کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی کو سمجھنے کی ہدایت دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، صرف تم اور تمہارے ساتھی ہی باقی رہ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۴ صفین نصر بن مزاحم ص ۱۹۷)

الجواب بتوفیق الوہاب: ۱۔ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی روایت جو بحوالہ الاستیعاب ج ۳ ص ۲۳۸ اور الاشراف ج ۳ ص ۱۹۱ بیان کی ہے اس سے کسی طور پر افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثبات نہیں ہوتا۔ پیش کردہ حوالہ جات میں کسی بھی لفظ سے افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تحقیق کریمین رضی اللہ عنہ ثابت

نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ اس قول کی سند پیش نہیں کی گئی۔ لہذا ایسے بے سند اقوال سے استدلال مردود ہے۔

۲۔ حضرت عدی بن طائی کے قول کی اسناد کی تحقیق انتہائی ضروری ہیں۔ اس کی سند میں چند راویوں کے حالات مشکوک ہیں۔ تاریخ طبری میں اس قول کی سند کچھ یوں ہے:

ہشام بن محمد عن ابی مخنف الأزدی قال حدثنی سعد أبو المجاہد الطائی عن المحل بن خلیفہ الطائی۔

ہشام بن محمد الکلبی:

ہشام بن محمد الکلبی کے بارے میں محدثین کی رائے ملاحظہ کریں۔

امام دارقطنی نے کہا: متروک۔ (الضعفاء والمتروکین، رقم: ۳۶۰۲)

ابن حبان نے کہا:

کان غالباً فی التشیع. أخبارہ فی الأغلو طات أشهر من أن یحتاج الا اغراق فی وصفها. (الحریمین ج ۳ ص ۹۱)

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

أحد المتروکین لیس بشقة لم ادخله بین الحفاظ الرافضی۔ (تذکرۃ الحفاظ، رقم: ۳۲۶)

ابن العماد الحنبلیؒ لکھتے ہیں:

حافظاً علامة الا إنه متروک الحدیث فیہ رفض۔

(تذرات الذهب ج ۲ ص ۱۲)

ابن عساکر نے کہا: رافضی لیس بشقة۔ (لسان المیزان رقم: ۷۰۰)

ابن جبار نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (لسان المیزان رقم: ۷۰۰)

ابن السکن نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (لسان المیزان رقم: ۷۰۰)

امام عقیلی نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (لسان المیزان رقم: ۷۰۰)

ابن ابی مخنف:

ابن ابی مخنف کے بارے میں محدثین کی جرح ملاحظہ کریں۔

امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے کہا: مختلف متروک الحدیث۔ (المرح والتعدیل رقم: ۱۰۳۰)

امام ترمذی بن معین رحمہ اللہ نے کہا: لیس بشقہ۔ (المرح والتعدیل رقم: ۱۰۳۰)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ساقط ترکہ۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۵۱۲۱)

امام درقطنی رحمہ اللہ نے کہا: اخباری ضعیف۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۳۵۰۰)

ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا: شیعہ محترق صاحب اخبار ہم۔ (اکامل ابن عدی رقم: ۱۲۲۱)

علامہ ذہبی نے کہا: متروک۔ (دیوان الضعفاء رقم: ۳۵۰۰)

۳۔ کتاب صفین سے پیش کردہ قول کی سند کچھ یوں ہے۔

نصر عن عمر بن سعد عن ابی مجاہد عن المحل بن خلیفہ۔

سند مذکورہ کے راویوں کی تحقیق پیش خدمت ہے۔

نصر بن مزاحم (مصنف کتاب صفین)

کتاب صفین کے مصنف نصر بن مزاحم کے بارے میں محدثین کی جرح ملاحظہ کریں۔

امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے کہا:

واھی الحدیث، متروک الحدیث لا یکتب الحدیث۔

(المرح والتعدیل رقم: ۲۱۳۳)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا: کذاباً۔ (الضعفاء والمتروکین للبخاری رقم: ۳۵۱۸)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: رافضی مسلت ترکہ۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۶۶۲۱)

امام محمد بن حنین ابوالفتح رحمہ اللہ نے کہا: غالی فی مذہبہ غیر محمود۔

(تاریخ بغداد رقم: ۷۲۳۵)

امام عقیلی نے کہا:

کان یذهب الی التشیع وفیه حدیثہ اضطراب وخطاء کثیر من

حدیثہ۔ (الضعفاء للعقلمی رقم: ۱۸۹۹)

امام عقیلی رحمہ اللہ نے کہا: کان رافضیاً غالیاً۔ (لسان المیزان رقم: ۵۵۱)

حافظ خلیلی رحمہ اللہ نے کہا: لئین۔ (لسان المیزان رقم: ۵۵۱)

امام ابن عدی نے کہا:

هذه و غیرهما من أحادیث غالیہما غیر محفوظ۔ (اکامل ابن عدی رقم: ۱۹۷۲)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: رافضی جلد، ترکہ۔ (لسان المیزان رقم: ۹۰۳۶)

عمر بن سعد بن ابی الصید الاسدی:

عمر بن سعد کے بارے میں محدثین کی آراء ملاحظہ کریں۔

امام ابو حاتم نے کہا: شیخ قدیم من عتق الشیعۃ متروک الحدیث۔

(المرح والتعدیل رقم: ۵۹۵)

علامہ ذہبی نے کہا: شیعہ بغیض۔ (میزان الاعتدال رقم: ۶۱۱۸)

حافظ ابن حجر نے کہا: شیعہ بغیض۔ (لسان المیزان رقم: ۸۶۳)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ ممدوح کی پیش کردہ روایات کذاب، رافضی اور شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہیں۔ شیخ ممدوح اور جناب ظہور احمد فاضلی صاحب کا یہ فرض بنتا ہے کہ ان روایات کی تصحیح کر کے دکھائیں تاکہ آپ لوگوں کی نام نہاد محمدییت کا بھرم باقی رہ جائے۔ اور خیر سے تفصیلیہ کے فن اسماء الرجال کے امام جناب ظہور احمد فاضلی صاحب لوگوں کو ضعیف روایات کی فضائل میں تجیت کے دلائل دے کر عوام الناس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرینگے۔ جناب عالی! یاد رہے کہ یہ تمام تر گفتگو مسئلہ افضلیت کی ہے۔ جس میں صرف اور صرف قوی اور مضبوط دلائل ہی درکار ہوں گے۔ اشکل بچو سے اس مسئلہ پر گفتگو ناممکن ہے۔

شیخ ممدوح نے افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ثابت فرمانے کی جو سعی لاماصل فرمائی ہے وہ افضلیت شیخین کریمین کے ہرگز منافی نہیں ہے کیونکہ امت مسلمہ بالاتفاق شیخین کریمین کو حضرت علی رحمہ اللہ پر افضل تسلیم کرتی آئی ہے۔ حضرت علی رحمہ اللہ کی افضلیت کے اقوال حضرات شیخین کریمین کے وصال کے بعد مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہیں۔ شیخ ممدوح کا موقف تو تب ثابت ہوتا جب یہ اقوال شیخین کی موجودگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہوتے۔ حضرت علی رحمہ اللہ اپنے دور خلافت میں یقیناً موجود تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے افضل تھے۔ لہذا ایسے اقوال پیش فرما کر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شیخین سے افضل ثابت فرمانا

دعویٰ بلا دلیل ہے۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات بعد از وصال سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم تو وہ بہر حال متنازع فیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ابو زکریا محیی الدین شرف النووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ولی الخلافة خمس سنين وقيل خمس سنين إلا شهراً بويح بالخلافة في مسجد رسول الله ﷺ بعد قتل عثمان رضي الله عنه لكونه أفضل الصحابة حينئذ. (تذیب الاسماء والصفات، جلد ۱ صفحہ ۴۹۰)

ترجمہ: یعنی آپ پانچ سال خلافت کے والی رہے اور کہا گیا ہے کہ ایک ماہ کم پانچ سال۔ آپ کی خلافت کی بیعت مسجد نبوی ﷺ میں کی گئی۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہے اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل تھے۔ نیز امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ورجح جماعة أنه أول من أسلم أمير المؤمنين مناقبه كثيرة جداً حتى قال أحمد والنسائي وإسماعيل القاضي لم يرد في حق أحد بالأسانيه الجياد ما ورد في حق علي مات في رمضان سنة أربعين و هو يومئذ أفضل الأحياء من بني آدم بالأرض يا جماعة أهل السنة. (شرح الزرقاني على مؤلف مالك جلد ۱ صفحہ ۲۴۱)

ترجمہ: اور رجح کیا ایک جماعت نے کہ بے شک سب سے پہلے اسلام لانے والے امیر المؤمنین ہیں جنکے مناقب کثیر تعداد میں ہیں۔ یہاں تک کہ امام احمد رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، قاضی اسماعیل رحمہ اللہ نے کہا کہ جید اسناد کے ساتھ جو فضائل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئے ہیں، کسی ایک کے حق میں وارد نہیں ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رمضان میں شہید کئے گئے اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ روئے زمین پر آدم کے زندوں سے افضل تھے، اجماع اہل سنت کے ساتھ۔

لہذا ایسے اقوال جو خلفائے ثلاثہ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تائید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر خلفائے ثلاثہ کسی صورت بھی پیش نہیں کئے جاسکتے۔ (اللہ ورسولہ اعلم بالصواب)

ادھر دیکھ تیرا دھیان کدھر ہے؟

شیخ ممدوح نے غایۃ التبجیل ص ۱۱۷ پر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال پیش کیا ہے۔ اس دلیل کو ذرا ایک بار پھر دھیان سے ملاحظہ کریں۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا:

اما بعد: معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے اس امر کی طرف بلائیں۔ سے اللہ ہماری امت اور ہماری دعوت کو ایک کر دے۔ اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرما دے۔ اور ہم تجھے بھقت میں امت کے افضل ترین اور اسلام میں اتباع کے لحاظ سے بہترین شخصیت کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی کو سمجھنے کی ہدایت دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، صرف تم اور تمہارے ساتھی ہی باقی رہ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲، مشفق نصر بن مزاحم ص ۱۹۷)

اس خط کشیدہ عبارت میں یہ واضح ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کی وجہ ان کا افضل اور بہترین شخصیت ہونا بیان کیا ہے۔ یعنی کہ بیعت کی وجہ افضل اور بہترین ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس شیخ ممدوح نے اپنی کتاب میں پورا ایک باب نقل کیا ہے کہ خلافت کے لیے افضلیت شرط نہیں ہے۔ اور اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے پورا زور لگا دیا۔ مگر اس باب میں اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ایسے دلائل زبردستی بھرتی کر رہا ہے جس کو خود رد کر چکا ہے۔

کچھ اپنی ادا بہ بھی غور کیجئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب سے استدلال کا تحقیق جائزہ

شیخ محمود سعید ممدوح نے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل و مناقب اور کثرت خصائص کا وجہ افضلیت قرار دیا ہے ملاحظہ ہو۔ (غایۃ التبجیل صفحہ ۱۶۱ تا صفحہ ۱۸۲)

الجواب بتوفیق الوہاب: الحمد للہ اہل سنت و جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور مناقب کا بھی وسیع اقبالی سے اعتراف فرماتے رہے ہیں۔ جس کا بین ثبوت مولا علی رضی اللہ عنہ کی شکل کشا کے فضائل و مناقب کا کثرت سے کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔ لیکن مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے

فضائل و مناقب کو افضلیت شیخین کے منافی جاننا کسی صورت بھی صحیح نہیں۔ جیسا کہ امام سخاوی رحمہ اللہ مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل و مناقب نقل فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں کہ

ولیس فی هذا کلمہ ما یقدح فی إجماع أهل السنة من الصحابة و التابعین ضمن بعد ہم علی أن أفضل الصحابة بعد النبی علی الإطلاق أبو بکر ثم عمر رضی اللہ عنہما۔ (المقام المحمد صفحہ 71 تحت رقم الحدیث: 189)

حاصل کلام یہ کہ مولانا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اجماع اہل سنت جو کہ اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ افضل حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں کھلتے قدح نہیں کر سکتے۔

امام اسماعیل بن محمد الجراحى نے کشف الخفاء و مزمل الالباس (جلد 1 ص 205) پر بھی یہ تحریر فرمایا ہے۔

نیز امام ابن حجر مقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

إن الزیادة فی صفة من صفات الفضل لا تقتفی الأفضلیة المطلقة۔ (فتح الباری۔ جلد 9 ص 49)

ترجمہ: یعنی صفات فضل میں کسی ایک صفت کی فضیلت، افضلیت مطلقہ کا تقاضا نہیں کرتی۔

نیز امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

فقلنہ ولا حجة فی ذلك کلمہ علی تفضیلہ علی الشیخین کہا مصو مقرر یملجہ من فن الاصول۔ (فیض اللہ للسخاوی جلد 6 صفحہ 217)

ترجمہ: یعنی ہم کہتے ہیں اس مقام پر تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ متعدد بار گذر چکا ہے اور فن اصول بھی اسی کا متقاضی ہے۔

ابن حزم کے استدلال کا تحقیقی جائزہ

شیخ محمود سعید ممدوح نے علامہ ابن حزم کے حوالہ سے مسئلہ افضلیت مابین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ امر ثابت کرنے کی سعی لا حاصل فرمائی ہے کہ مسلمانوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے بعد لوگوں میں افضل ترین شخص کون ہے اور اس ضمن میں انہوں نے ابن حزم کی کتاب الفضل فی الملل والنحل سے مختلف مذاہب نقل فرمائے ملاحظہ ہو۔ (نایہ التعمیل ص 183 تا 186)

الجواب بتوفیق الوہاب: ما قبل اس کے کہ ابن حزم کی شخصیت پر علماء اعلام کی کتب سے روشنی ڈالی جائے یہ بات قابل توجہ ہے کہ ابن حزم کی ولادت 384 ہجری اور وصال 452 ہجری ہے۔ لہذا ابن حزم کا مسئلہ افضلیت میں صحابہ کرام کے حوالہ سے اختلاف کرنا جب تک باسند ثابت نہ ہو جائے گا قابل التفات نہ سمجھا جائے گا۔ نیز نایہ التعمیل کے محشی مولانا ظہور احمد فیضی صاحب کے بقول "ابن حزم صاحب اطلاع نہیں" (ملاحظہ ہو نایہ التعمیل ص 156 ماہیہ)

مسائل اعتقادیہ میں ابن حزم کا بلاسند اقوال سے استدلال کرنا اہل حق کو ہرگز مضر نہیں اور ابن حزم کی شخصیت اور ان کی آراء کو اہل سنت و جماعت کے کسی بھی معتبر عالم نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ امام ابن حجر مکی (المتوفی 974 ہجری) علامہ ابن حزم کے متعلق فرماتے ہیں کہ

قال الأئمة فی الحط علیہ ان له مجاز فأت کثیرة امور شنیعة نشأت من غلظہ وجمودہ علی تلك الظواهر ومن ثم قال المحققون انه لا یتقام له وزن ولا ینظر لکلامہ ولا یعول علی خلافہ۔ (کت الرامع جلد 1 صفحہ 145 طبع مصر علی ہاشم الزواہر)

ترجمہ: یعنی ائمہ نے ابن حزم کی تذلیل کرتے ہوئے فرمایا کہ ابن حزم کی بہت سی بے بنی باتیں ہیں اور امور قبیحہ میں جو ان کی سختی اور غلو اور ہر جمود کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اسی لئے محققین نے فرمایا ابن حزم کا کوئی وزن نہیں اور اس کے کلام کی طرف نظر کی جائے گی۔ اور اس کے خلاف پر (جو اہل سنت سے کیا) کوئی اعتبار و اعتماد کیا جائے گا۔

نیز قطب ربانی امام عبد الوہاب شرعانی رحمہ اللہ (المتوفی 973 ہجری) فرماتے ہیں کہ ولیحدز کل الحذر من مطالعة کتب (ابی) محمد بن حزم الظاہری الا بعد التفلع من علوم الشریعة لاسیما فیہا مما یتعلق بأصول الدین و قواعد العقائد والمعانی والحقائق لانه رحمة الله تعالی لم تکن له یدفی هذه العلوم و إنما اخذها بألفهم فلم یحسن کلامہ فیہا۔ (الطائفة المن، جلد 2 صفحہ 29 مطبوعہ مصر)

ترجمہ: ابن حزم ظاہری (غیر مقلد) کی کتابوں کے مطالعہ سے پوری طرح احتراز کرنا چاہیے البتہ جب علوم شریعت میں کمال حاصل ہو جائے خاص طور پر علوم شریعت کی ان

باتوں میں جن کا تعلق اصول دین، عقائد، معانی اور حقائق سے ہے کیونکہ اس کو ان علوم میں پوری دسترس حاصل نہ تھی ان کو اس نے محض اپنی سمجھ سے نکالا ہے اسی وجہ سے ان علوم میں اس سے اچھا کلام صادر نہ ہوا۔

بقول امام عبد الوہاب شرعی رحمۃ اللہ علیہ ابن حزم کی کتب سے اجتناب کرنا لازم ہے کیونکہ ابن حزم کو اصول دین اور اعتقادی مسائل میں ملکہ تام حاصل نہ تھا جس کی وجہ سے اس سے اعتقادی مسائل میں شدید خطائیں سرزد ہوئیں۔ یہ بات یاد رہے ابن حزم نے اس مسئلہ افضلیت کے ضمن میں جتنے مذاہب نقل کیے اور جن جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال نقل کیے ہیں وہ تمام اقوال اسناد سے منزہ ہیں لہذا ابن حزم کی اپنی شخصیت اور پھر بلا اسناد اقوال کو اجماع اہلسنت کے مقابل لا کھرا کر نا کوشی دینا نہ اری کا تقاضا کرتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور امام حن رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 185 مترجم پر لکھا ہے:

از ابراہیم بن محمد البصری از ابو ایوب سلیمان بن داؤد الشاذکونی وہ فرماتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور امام حن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ سیدنا علی ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے۔ (بحوالہ الفصل فی الملل والنحل 4/209)

جواب: اس قول کی سند چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے۔

۱- سلیمان بن داؤد الشاذکونی کا سماع نہ تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ہے اور نہ امام حن بن علی رضی اللہ عنہ سے اس کے سماع کا ثبوت ہے اور یہ کہ درمیان میں تقریباً ایک سے ڈیڑھ صدی کا فرق ہے لہذا اسے مرسل کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ منقطع ہے۔

۲- سلیمان الشاذکونی کے بارے میں کچھ نقل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ روایت حدیث اور اس کا مذہب سب پر واضح ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

المحافظ مشہور، رماہ ابن معین بالکذب، و قال البخاری: فیہ

نظر۔ (المعنی فی الضعفاء رقم: 2581)

سلیمان بن داؤد الشاذکونی کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔

دیوان الضعفاء رقم: ۱۷۴۲، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۸۸، المیزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۵، لان المیزان ج ۲ ص ۸۳)

کچھ لوگوں نے سلیمان بن داؤد الشاذکونی کی تعریف بھی کی ہے مگر اگر سلیمان بن داؤد مختلف فیہ راوی بھی ثابت ہو جائے تو اس کا یہ قول اس لیے نہیں مانا جاسکتا کہ اس قول کی سند ہی موجود نہیں ہے۔ لہذا بے سند اقوال کو اس مسئلہ میں پیش کرنا اصول کے خلاف ہے۔ جبکہ اس قول کے برعکس امام حن بن علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ صحیح سند کے ساتھ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ سند کے ساتھ ثابت ہے۔ یہ کہاں کا اصول ہوا کہ ثابت شدہ اسناد کی مخالفت کی جائے اور ضعیف اور منقطع اسناد کے ساتھ استشہاد کر کے اپنے مخالفت کے خلاف پیش کیا جائے۔

۳- اس سند میں ابراہیم بن محمد البصری کے مکمل حالات اور سماع کا ثبوت بھی پیش کریں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ افضلیت:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ شیخین کی افضلیت کا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خیر هذه الأمة بعد نبیہا أبو بکر ثم عمر۔ (شرح اصول الاعتقاد رقم: ۲۵۳۳)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک دوسرے قول میں فرماتے ہیں:

من فضل علی ابی بکر و عمر أحداً من أصحاب رسول اللہ ﷺ

أزری علی اثنی عشر الفأ من أصحاب رسول اللہ ﷺ۔

(شرح اصول الاعتقاد رقم: ۲۶۱۰)

حضرت امام حن بن علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ افضلیت:

قال (امام شعبی) أدرکت خمس مائة من أصحاب النبی ﷺ

كلهم يقولون أبو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ۔

(معجم ابن المقرئ رقم: ۳۰۵)

ترجمہ: امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی اور تمام

صحابہ کرام کہتے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، (پھر) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور (پھر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور (پھر) حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

امام شعبی رحمہ اللہ کے استادوں میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

(تہذیب الکمال، رقم: ۳۰۳۲)

لہذا معلوم ہوا کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عقیدہ تفضیل شیخین کا ہی تھا۔ لہذا ضعیف سندوں سے مروی روایات کی وجہ سے صحیح عقیدہ سے دور رکھنا داخل اور فریب ہے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق:

ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 187 تا ص 192 علامہ باقر رضی اللہ عنہ سے 15 اقوال نقل کیے ہیں:

۱- کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک فضیلت علی رضی اللہ عنہ کا قول مشہور تھا۔

(مناقب الامۃ الاربعہ ص 294)

۲- اور فضیلت علی رضی اللہ عنہ کا قول کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور تھا جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، خدیجہ بن یمان رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، اوس بن حنیفہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔ (مناقب الامۃ الاربعہ ص 294)

۳- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور ان کے مابعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا علی الاعلان اظہار کیا کرتی تھی ان میں سے ایک عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ انہوں نے خوارج سے کہا تھا "میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے اور قول اسلام میں سب سے مقدم ہے اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "اللہ کی قسم وہ (علی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر البشر تھے۔

پھر ابو ایشم بن تیمان رضی اللہ عنہ سے فضیلت کا بیان نقل کیا ہے۔

۴- حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی غایۃ التبجیل ص 190 پر کہ:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنے قیام کے آخری دور میں فرمایا تھا: اولین اسلام میں ایسی سبقت نصیب ہوئی جو کسی کو نہ ہوئی، لہذا تم ان کی طرف قدم بڑھاؤ۔

پھر غایۃ التبجیل ص 191 پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

میں تم (خوارج) لوگوں کے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو لوگوں میں سب سے

بہترین اور سب سے پہلے اسلام کو قبول کرنے والا ہے۔ (مناقب الامۃ الاربعہ ص 480 تا ص 481)

۵- غایۃ التبجیل ص 192 پر علامہ باقر رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، امام حسن بن علی، ابی زید، زید، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، جابر بن عبد اللہ ابوالہشیم بن تیمان انصاری، خدیجہ بن یمان، عمرو بن اشم، ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ضروری ہے کہ وہ فرماتے تھے "بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی خیر البشر اور لوگوں میں سب سے بہترین شخص میں اور صحابہ میں سب سے بڑے عالم، اسلام میں سب سے اول اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں۔ صحابہ کا یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو واجب کرتا ہے۔ (مناقب الامۃ الاربعہ ص 306)

جواب: ۱- علامہ باقر رضی اللہ عنہ کی پہلی عبارت میں یہ واضح نہیں کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کن سے افضل کہہ رہے ہیں؟ یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ تفضیل میں تقابل یعنی دیگر صحابہ کرام کے مقابلے میں افضل کہنا ایک اہم بات ہے۔ کیونکہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت منقول ہے وہ جنگ جمل کے دوران مولا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یہ اقوال وارد ہوئے ہیں۔ اس کو مطلقاً فضیلت پر معمول کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ محمود سعید ممدوح ان اقوال سے مطلقاً فضیلت بر شیخین کا مفہوم نکالنا چاہتا ہے۔

۲- علامہ باقر رضی اللہ عنہ کی دوسری عبارت میں صرف اور صرف دعویٰ ہے۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل ذکر نہیں کی لہذا اس پر کلام کرنا مناسب نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ بطور تنزل ایسے اقوال کی فنی حیثیت تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فضیلت کے اقوال سے محل وقت کا تعین کیسے ثابت ہوگا؟ یعنی کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ اقوال شیخین کریمین رضی اللہ عنہم کے زندگی اور حیات کے اقوال ہیں یا کہ شیخین کریمین کے وصال کے بعد کے ہیں۔ لہذا ایسے مبہم اقوال سے اس مسئلہ فضیلت میں استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔

۳- علامہ باقر رضی اللہ عنہ کی تیسری عبارت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ قول بکے "میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو تمام

لوگوں سے بہتر ہے اور قبول اسلام میں سب پر مقدم ہے اس قول کی سند جب تک موجود ہو اس کے بارے میں رائے دینا مناسب نہیں ہے۔

علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ خیر البشر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ کی قسم وہ علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر البشر تھے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث کتب احادیث میں موجود نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے نہ ملی ہو جس دوست کو ملے مجھے اس کی سند اور متن سے ضرور آگاہ کرے تاکہ حقیقت سامنے آ سکے۔

علی خیر البشر، یا خیر البشر کے الفاظ کے ساتھ مروی احادیث ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اس مقام پر یہ واضح کر دینا مناسب ہو گا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس حدیث کی 2 یا 3 سندیں موجود ہوں تو وہ حدیث حسن درجہ کی بن جاتی ہے مگر عرض یہ ہے کہ یہ اصول مطلقاً ہر جگہ لاگو نہیں ہوتا لہذا اس اصول کو ہر جگہ لاگو کرنا غلط ہے۔

مزید یہ کہ علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری عبارت میں ابوالہیثم بن تہیان رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت حماد رضی اللہ عنہ کی روایات کی سندیں مذکور نہیں ہیں لہذا ایسی بے سند اقوال سے استدلال کرنا صحیح نہ ہو گا۔ مزید یہ کہ ان حوالہ جات میں یہ معلوم نہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کن سے افضل کہہ رہے ہیں۔ شیخ ممدوح کے پیش کردہ حوالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایسی باتیں اور اقوال ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے کیلئے لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے کہے تھے۔ جس سے واضح ہو گیا کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں افضلیت علی رضی اللہ عنہ سے مراد بعد از شیخین رضی اللہ عنہما ہی میں اور ان کی فضیلت کا دعویٰ ان کے دور کے موجودہ حضرات پر تھا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور کے موجودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے۔ اس بات کی تائید اور وضاحت خود علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مناقب الامۃ الاربعہ ص 481 پر کیا ہے۔ علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”یتحمل ان یکون ممن بقی“ یعنی اس بات کا احتمال ہے کہ لوگوں سے مراد وہ حضرات ہوں جو موجود تھے۔

اس عبارت کے ضمن میں شیخ ممدوح غایۃ التبجیل ص 191 کے حاشیہ پر لکھتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی عبارت میں کوئی احتمال نہیں عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ

کے ایک ہی قول کے ایک حصہ کو مانتا ہے جبکہ اسی قول کے دوسرے حصے (یعنی اس بات کا احتمال ہے کہ لوگوں سے مراد وہ حضرات ہوں جو موجود تھے) کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اسے کہتے ہیں میٹھا میٹھا پپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔ مزید قارئین کرام خود ہی سوچیں اور ممدوح کے مذموم ارادوں پر غور کریں۔

۴۔ علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں عبارت میں علی خیر البشر کی روایت ضعیف ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد 421/7 پر اسے منکر بھی کہا ہے۔ دیگر روایات صحابہ میں سب سے بڑے عالم اسلام میں سب سے اول اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہونے کے بارے میں تفصیلی جائزہ گزشتہ صفحات پر موجود ہے۔ لہذا اس سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ مزید یہ کہ خود علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الانصاف ص 61 پر میدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں۔

علامہ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الاسکانی کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 192 و ص 193 پر لکھا ہے۔ ”الاسکانی کی تفصیل علی پر مستقل ایک مطبوع کتاب ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ انبیاء و مرسلین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام عالمین سے افضل ہیں۔ اس کتاب کا نام المعیار والموازنہ ہے اس میں ایسی عمدہ اور نفیس ابحاث ہیں جنہیں پانے کے لیے شد الرحال (لمبا سفر کرنا) چاہیے تاہم یہ کتاب تحفظات سے خالی نہیں“ (قرآن مجید کے علاوہ کوئی بھی کتاب تحفظات سے خالی نہیں ہے۔ فیضی)

جواب: سعید ممدوح کا یہ فرض بنتا ہے کہ صاحب قول کے مذہب کا تعین کرے کیونکہ اگر قول کرنے والا شیعہ، رافضی یا معتزلی ہے تو اس کی عبارت ہم پر کیسے محبت کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ باتیں تو صرف اس لئے نقل کی جارہی ہیں کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قول کس کس سے وارد ہیں۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ ابتداء سے شیعہ اور رافضی کا عقیدہ ہی یہی رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ لہذا شیعہ کے اقوال ہم اہل سنت کے خلاف نقل کرنا ایک علمی دھوکا اور خیانت ہے۔ محدثین کرام کی ابو جعفر الاسکانی کے بارے میں حیارائے ہے؟ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء 550/10 پر الاسکانی کو شیعہ لکھا ہے۔

۲- حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان رقم: 773 پر الاسکانی کو معترلی لکھا ہے۔

لہذا ایسے شیعہ اور معترلی کا قول آپ ہی کو مبارک ہو اور رہا ظہور احمد فیضی صاحب کا حاشیہ میں یہ لکھنا کہ کون سی کتاب تحفقات سے خالی ہے۔ تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ جناب فیضی صاحب کو تو اپنے مطلب کا حوالہ چاہیے۔ چاہے وہ کتاب تحفقات سے خالی ہو یا نہ ہو۔ اس کتاب کی اسناد چاہے مشکوک ہوں یا منقطع ہوں اس سے کوئی عرض نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا تحقیقی معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی پیروی سے محفوظ فرمائے۔

قاضی عبد الجبار اسد آبادی کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 193 پر لکھا ہے:

”قاضی عبد الجبار اسد آباد معترلی شافعی نے المغنی 120/2/20 میں لکھا ہے: رہے ہمارے مشائخ میں تو ان میں اکثر بغدادی حضرات تو وہ میدان علیؒ کو افضل مانتے ہیں۔“

جواب: عبد الجبار الاسد آبادی معترلی ہے۔ لہذا اس کے قول سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ معترلیوں کے اقوال تفصیلیوں کو ہی مبارک ہوں۔ اہل سنت کے مد مقابل ایسے اقوال پیش کرنا تسلی بطل ہے۔

علامہ سبکیؒ نے اپنی کتاب طبقات الشافعیہ الکبریٰ 97/5 رقم 444 پر اسے معترلی لکھا ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے تاریخ بغداد رقم: 5806 پر اسے معترلی لکھا ہے۔

حافظ ابن صلاحؒ نے طبقات الفقہاء الشافعیہ رقم: 191 پر اسے معترلی لکھا ہے۔

علامہ احمد بن محمد الدانوریؒ نے طبقات المفسرین رقم: 137 پر اسے معترلی لکھا ہے۔

لہذا ایسے معترلی جس کا مذہب ہی تفصیل علیؒ ہو اس کو ہمارے خلاف نقل کرنا ایک علمی دھوکا ہے۔ جبکہ بدعتوں کے اقوال سے استدلال کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔

ابن ابی الحدید کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 195 تا ص 197 تک ابن الحدید کی کتابوں سے استفادہ کر کے لکھا

ہے حضرت علیؒ کی افضلیت کا قول قدیم ہے کثیر صحابہ اور تابعین نے قول کیا ہے۔ ابن ابی الحدید پھر کہتے ہیں اور بنو امیہ کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل تھی۔ خالد بن سعید بن عاص اور عمر بن عبد العزیز کا تعلق اسی جماعت سے ہے۔ (بحوالہ شرح نہج البلاغہ 402/20)

ابن ابی الحدید ایک اور مقام پر لکھتے ہیں..... اور اس دور میں لفظ شیعہ کا اطلاق فقط ان حضرات پر کیا جاتا تھا جو تفصیل علیؒ کے قائل تھے..... لفظ تفصیل کے قائلین کا نام ہی شیعہ تھا۔ اسی لئے ہمارے اکابرین معترلی اپنی کتب و تصانیف میں کہتے ہیں: نحن الشیعۃ حقاً۔ (صحیح شیعہ ہم ہیں)۔

جواب: ابن ابی الحدید بڑا معترلی تھا اور معترلی حضرت علیؒ کو ہی افضل سمجھتے تھے۔ یہ معترلیوں کا مذہب تھا۔ لہذا ان حوالوں کو ہمارے خلاف نقل کرنا اصول کے خلاف ہے۔

ابن ابی الحدید کو حافظ ابن تغری بردی نے المنہل الصافی رقم: 1363

ابن ناصر الدین الدمشقی نے توضیح المثلثہ 150/3

اور زرکلی نے الاعلام 289/3 پر اسے معترلی کہا ہے۔

لہذا معترلیوں کے اقوال سے استدلال کرنا غلط اور اہل سنت کے مد مقابل پیش کرنا جہالت ہے۔ مزید یہ کہ ابن ابی الحدید نے لفظ شیعہ پر تفصیل علیؒ کے قائل ہونے کا اطلاق کیا ہے جو کہ غلط ہے۔ کیونکہ لفظ شیعہ کا غلط استعمال کیا گیا ہے۔ پیش کردہ حوالہ کے حاشیہ میں غایۃ التبجیل صفحہ 196 پر سعید ممدوح نے ایک اہم بات لکھی ہے کہ

”ابن ابی الحدید کے قول میں غور فرمائیے اور اس زمانے میں لفظ شیعہ ان لوگوں کے بارے میں معروف تھا جو افضلیت علیؒ کے قائل تھے یہ بات امام اشعریؒؒ اور ابن حزم کے اس قول کے موافق ہے جو پیچھے گزر چکا ہے اور یہ زمانہ صفین اور اس کے بعد کا زمانہ پس اس زمانے میں صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد (مذکورہ صورت میں) شیعہ تھی۔“

شیخ ممدوح نے خود اعتراف کر لیا ہے کہ یہ اقوال زمانہ جنگ صفین اور اس کے بعد کے زمانہ کے ہیں۔ ہم نے بھی اس نکتہ کے بارے میں متعدد مقامات پر وضاحت کی ہے۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے جو اقوال وارد ہوئے ہیں یا جس میں فضیلت کا ذکر ہے وہ اہل زمانہ

کے لوگوں میں سے افضل ہونے کا قول ہے یعنی شیخین کے بعد کے دور کے اقوال میں۔ جیسے علامہ باقلانی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے لہذا ایسے اقوال سے استدلال کر کے مولا علی رضی اللہ عنہ کو مطلقاً افضل کہنا غلط ہے۔ اور ایسے حوالہ جات شیخ محمود سعید ممدوح کو مفید نہیں جبکہ ہمارے دعویٰ کے منافی نہیں۔ لہذا ایسے حوالہ جات سے صفحے تو کالے کیے جاسکتے ہیں مگر شیخ ممدوح اپنا عقیدہ ثابت نہیں کر سکتا۔

مزید عرض یہ کہ محدثین کرام میں سے چند ایسے تھے محدثین بھی ہیں جن پر شیعہ ہونے کا الزام بھی ہے جیسے حکم بن عتیبة، سلمہ بن کھیل، حبیب بن ابی ثابت اور منصور وغیرہ۔ مگر ان کے محدثین کرام کا انہیں ثقہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ محدثین کرام ان کے عقیدہ کو قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی تشیع کہتے ہیں اور تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر یحییٰ کو بھی تشیع کہتے ہیں۔ لہذا ان محدثین کرام کا تشیع کی نوعیت جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کس عقیدے پر تھے۔ صرف لفظ تشیع سے ان کا مذہب متعین نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب سیر الاعلام النبلاء رقم: ۱۸۱ پر منصور بن المعتمر کے بارے میں لکھا ہے کہ قلت: تشیع حب و ولاء فقط یعنی کہ میں ذہبی رحمہ اللہ کہتا ہوں کہ ان کی تشیع محبت اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

حافظ عبید اللہ بن عبد اللہ المعروف بالحرکانی کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص ۱۹۸ پر حضرت ابوالفضل رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو جو مناقب حاصل تھے اگر ان میں ایک حقیقت (خوبی) مخلوق میں تقسیم کی جائے تو سب کی بھلائی کھلنے وسیع ہوگی۔ (شواہد التنزیل لقواعد التفضیل للحرکانی ص ۱۸)

جواب: عرض یہ ہے کہ اس قول کو نقل کرنے والا حرکانی رافضی تھا اور صحابہ کرام پر سب دشتم بھی کرتا تھا۔ اس کے تشیع پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تصریح تذکرۃ الحفاظ رقم: ۱۰۳۱ پر موجود ہے۔ اس کی کتاب بشواہد التنزیل لقواعد التفضیل کی سند میں گڑبڑ بھی ہے۔ اور اس کی کتاب کو روایت کرنے والے راوی بھی گڑبڑ ہیں۔ تفضیل کھلنے فتاویٰ سبکی ۵۹۰/۲ ملاحظہ کریں۔ قطع نظر اس کے الحرکانی کی کتاب شواہد التنزیل علمی اور تحقیقی خرابیوں کا شکار ہے۔

اس قول کی ایک اور سند مصنف ابن ابی شیبہ رقم: ۱۲۱۷۷۷ پر بھی ہے۔ مگر اس کی تمام

سندوں میں ایک راوی فطر بن خلیفہ ہے۔ اس کے بارے میں محدثین کی رائے ہے کہ حدیث روایت کرنے میں تو ثقہ ہے مگر اس کا مذہب شیعہ اور جہمیہ ہے۔ محدثین کرام کی آراء ملاحظہ کریں۔

- ۱- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: خبیثی مفرط۔ (تہذیب المعجزات رقم: ۵۵۰)
 - (خبیثی: هو الرافضی فی عرف السلف۔ المشتبہ للذہبی ۲۱۷/۱)
 - ۲- امام عجل رحمہ اللہ نے کہا: فیہ تشیع قلیل۔ (معرفۃ الثقات رقم: ۱۴۸۹)
 - ۳- امام ساجی نے کہا: وکان یقدم علیاً علی عثمان۔ (تہذیب المعجزات رقم: ۵۵۰)
 - ۴- امام السعدی نے کہا: زائع غیر ثقہ۔ (تہذیب المعجزات رقم: ۵۵۰)
 - ۵- امام قطبہ بن العلاء نے کہا: یروی أحادیث فیہا أذراء علی عثمان۔ (تہذیب المعجزات رقم: ۵۵۰)
 - ۶- علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: شیعہ جلد۔ (الاکشاف رقم: ۴۴۹۴)
 - ۷- امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا: زائع لا یتبع بہ۔ (المنہج فی الضعفاء رقم: ۴۹۶۶)
 - ۹- ابو بکر بن عیاش نے کہا: ماترکت الراویۃ عن فطر إلا بسوء مذہبہ۔ (سیر اعلام النبلاء ۳۱/۷۳)
 - ۱۰- امام یحییٰ بن معین نے کہا: ثقہ شیعہ۔ (میزان الاعتدال رقم: ۶۷۷۹)
- لہذا مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ فطر بن خلیفہ صرف شیعہ نہیں بلکہ امام احمد بن حنبل کے قول کے مطابق رافضی بھی تھا۔ اور فطر بن خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ثقہ یم دیتا تھا۔ لہذا محدثین کرام کے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت ہی اس کی روایت لینا غلط ہے۔
- مزید یہ کہ ہمیں مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتوں اور عظمتوں کا بھرپور احساس اور علم ہے۔ ہمیں کسی شیعہ راوی کی روایت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ کہ پیش کردہ حضرت ابوالفضل رضی اللہ عنہ کی روایت سے تو مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے جو کہ ہمیں تسلیم ہے۔ مگر جناب مسئلہ فضیلت اور مسئلہ فضیلت میں بڑا فرق ہے۔ لہذا اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھ کر دلائل دینے چاہئیں۔ یہ حوالہ آپ کو مفید نہیں اور ہمارے خلاف نہیں۔ بہر حال ایسے حوالہ جات سے اپنے حواریین کو ہی خوش کر سکتے ہیں۔ مگر ایسے حوالوں کا علمی میدان میں کوئی مقام نہیں۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول:

غایۃ التبجیل ص 199 پر لکھا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب عظیم المرتبت صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جب معرکہ کا حکم مقرر فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا لوگوں ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے بعد بہتر ہیں۔ (بحوالہ تاریخ الملوک والاہم لابن جریر الطبری ص 66/3 فیضی)

جواب: جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے تاریخ الملوک کا حوالہ تو بتا دیا۔ مگر بہتر ہوتا کہ وہ اس کی سند بھی نقل کر دیتے تاکہ عوام الناس مزید استفادہ کر سکتے۔ ایسے بے سند اقوال شیخ ممدوح اور ظہور احمد فیضی کو ہی مبارک ہوں۔ اس قول کو نقل کر کے شیخ محمود سعید ممدوح نے اپنی تاویلات کی کمر خود ہی توڑ کر رکھ دی ہے۔ کیونکہ اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تاویل یہ کی تھی کہ خلفاء ثلاثہ خلافت میں افضل ہیں نہ کہ مطلقاً افضل ہیں۔ اس نقل کردہ عبارت میں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی اسی وجہ سے کی جا رہی ہے کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ معلوم ہوا کہ خلافت کیلئے افضل شخص کا ہونا ضروری ہے اور یاد رہے کہ خلفاء اربعہ کی خلافت سے مراد خلافت خاصہ ہے نہ کہ خلافت عامہ۔ خلافت خاصہ اور خلافت عامہ کی تفصیل کے بارے میں فاتح قادیانیت قبلہ حضرت سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتاب تصفیہ مابین سنی و شیعہ کا مطالعہ فرمائیں تاکہ آپ کی بند آنکھیں کھل سکیں۔

جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تاویل آپ اپنی مرضی سے کر سکتے ہیں تو اگر ہم جواباً عرض کریں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضیلت میں پیش کردہ اقوال میں فضیلت سے مراد خلافت میں فضیلت ہے تو پھر آپ بڑا شور مچائیں گے۔ اور پھر نا صبی کہ فتویٰ فوراً اپنے دربار عالیہ سے جاری کر دیں گے۔ مگر خود بخفی کریمین رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا انکار کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جناب ایسی باطل تاویلات اپنی پٹاری میں ہی رہنے دیں تو بہتر رہے گا۔ لہذا ایسے بے سند اقوال سے استدلال مردود اور غلط ہیں جس کا مسئلہ فضیلت سے کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔

مقدسی کے حوالہ کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 199 پر لکھا ہے:

مقدسی اپنی کتاب البدء والتاریخ میں لکھتے ہیں: "بان لو کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ میں شیعہ کے تین فرقے تھے۔

- ۱۔ ایک فرقہ کا اوڑھنا بچھونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خصوصی وابستگی
- ۲۔ دوسرا فرقہ حضرت عثمان کے معاملے میں کچھ غلو کا مرتکب ہو اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے قدرے کنارہ کش ہوا۔
- ۳۔ تیسرا فرقہ شدید غالی تھا۔" (البدء والتاریخ ص 52، 129، 125)

جواب: البدء والتاریخ کے مولف ابن مظہر مقدسی ہیں اور یہ کتاب امام ابی زید احمد بن سہل البغلی کی طرف منسوب ہے۔ مزید یہ کہ اس حوالہ میں فرقہ اولیٰ جن کا اوڑھنا بچھونا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خصوصی وابستگی تھا یہ فرقہ اہل سنت و جماعت کا تھا اور جبکہ دوسرا اور تیسرا فرقہ شیعہ اور رافضیوں کا تھا جیسا کہ عبارت سے واضح ہے۔ مگر یاد رہے کہ فرقہ اولیٰ کا تعلق ایسے صحابہ کرام سے تھا جو کہ جنگ صفین میں ان کے ساتھ یعنی کہ 37ھ کے بعد کا یہ دور ہے اور اس وقت خلفاء ثلاثہ اس دنیا سے وصال کر چکے تھے۔ لہذا ایسے حوالے ہمارے موقف کے خلاف نہیں بلکہ مفید ہیں۔ کیونکہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اکثر اقوال جنگ صفین اور اس کے بعد کے اقوال ہیں جس کا اقرار خود شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 199 پر کیا۔ لہذا ایسے اقوال کو ہمارے خلاف پیش کرنا سراسر بے وقوفی ہے۔

جلیل القدر صحابی ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کے قول کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 200 پر لکھا ہے:

مرزبانی نے کہا، جب حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اہل کوفہ کو پہنچی تو ہاشم نے ابو موسیٰ اشعری کو کہا: اے ابو موسیٰ ہم اس امت کی بہترین ہستی علی کی بیعت کریں۔ (بحوالہ الامالیہ 3/593)

جواب: حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے قول میں "اس وقت کے بہترین شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں" کے الفاظ واضح موجود تھے۔ مگر تحریف معنوی کرتے ہوئے "اس وقت" کا ترجمہ نہیں کیا۔ جب کہ پیش کردہ حوالہ میں بھی ان الفاظ کا واضح قرینہ اور ثبوت موجود ہے۔

مزید یہ کہ اول تو اس قول کی سند نقل کریں۔ تاکہ عوام الناس پر اس پیش کردہ حوالہ کی حقیقت آشکار ہو سکے۔ مرزبانی سے لے کر صحابی رسول ہاشم بن عتبہ کے درمیان صدیوں کا فرق ہے۔ ایسے

بے سند اقوال کی کیا حیثیت ہے۔ جسے علماء کرام کی تائید تک حاصل نہیں ہے۔

دوم اس قول کے راوی مرزبانی کے بارے میں وضاحت کریں کہ یہ کون ہیں؟ اور ان کا مقام کیا ہے؟ اگر محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی ہے تو خطیب البغدادی نے اس کو تاریخ بغداد ج ۳ ص ۵۳ پر رافضی کہا ہے۔ لہذا رافضیوں کے عقیدے اور حوالہ جات آپ کو اور آپ کے حواریین کو ہی مبارک ہوں۔

سوم یہ کہ اس پیش کردہ قول سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ قول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد کا ہے (یعنی کے خلفاء ثلاثہ کے دور کے بعد کا ہے) اور ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت کے تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ جو کہ آپ کو مفید نہیں اور ہمیں مضر نہیں۔

چہارم یہ کہ حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ قول (اگر اس کی سند ثابت ہو جائے) سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خلافت کا حق دار افضل شخص کو مانتے تھے جس پر ان کا یہ قول شاہد ہے۔ لہذا یہ پردہ پیچھڑا کر نا کہ خلافت اور افضلیت مستلزم نہیں بالکل غلط ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے تو اپنی کتاب تصفیہ مابین سنی و شیعہ میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ خلافت خاصہ کے لیے افضل کا ہونا ضروری ہے۔

صحابی حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ بھی خلافت کیلئے افضل شخص کے ہونے کی تصریح کر رہے ہیں۔ جو کہ ہمارے موقف کو ثابت کرتا ہے۔ لہذا ممدوح کا یہ شور مچانا کہ خلافت کیلئے افضلیت شرط نہیں ہے۔ اس شور کا توڑ شیخ ممدوح نے اس قول کو پیش کر کے کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ افضلیت کا شرط ہونا خلافت خاصہ کیلئے ہے نہ خلافت عامہ کیلئے۔ لہذا ایسے اقوال پیش کر کے ممدوح خود اپنے موقف کی نفی کر رہا ہے۔ اور اپنا رد خود ہی کر رہا ہے۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ابی لہب کے قول کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 201 پر لکھا ہے:

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ابی لہب بن عبد المطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ معاملہ پہلے بنو ہاشم سے پھر ابو الحسن سے رخ موز جائے گا۔ کیا وہ پہلے شخص نہیں جس نے تمہارے قبیلہ کی طرف نماز پڑھی اور کیا وہ تمام لوگوں سے

بڑھ کر عالم کتاب و سنت نہیں۔ (عوالد الغابہ 40/4)

جواب: اس قول کی سند پیش کریں۔ مجہول اور بے سند اقوال تحقیقی مسائل میں قابل قبول کیسے کیے جاسکتے ہیں۔ مزید یہ کہ اشعار و اقوال عتبہ بن ابی لہب کے نہیں بلکہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بن عتبہ کے ہیں۔ اس پیش کردہ قول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول موجود نہیں اور یہ قول خلفاء ثلاثہ کے دور کے بعد کا ہے۔ لہذا اس قول کو ہمارے موقف کے خلاف نقل کرنا مردود ہے۔ جو کہ ہمارے منافی نہیں اور آپ کو قطعاً مفید نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 201، 202 پر لکھا ہے:

حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیہ میں فرمایا تھا۔

کاش میں جانتا کہ کون ہماری ذمہ داری اٹھائے گا اور کیا قریش میں امام کے بارے میں ہرجا ہوگا؟ اس امر کو سننے والے کے لیے تین قریشی افراد میں اللہ بہتر کرنے والا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ یا صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اہل میں اور ان تین کے بعد کوئی چوتھا اس کا اہل نہیں۔ (عوالد الطبقات الصغریٰ 410/2)

جواب: حافظ ابن سعد نے اس پیش کردہ قول کی سند کچھ یوں دی ہے۔

ہشام بن محمد الکلبی عن عثمان بن عبد الملك أن عمر بن

بلال بن عبد الله بن انیس قال سمعتہما۔

ترجمہ: ہشام بن محمد الکلبی کے بارے میں تقریباً سبھی کو معلوم ہے کہ وہ کیسا راوی ہے۔ لہذا

اس کذاب اور رافضی پر مزید کلام کرنے کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس سند میں دوسرا راوی عثمان بن عبد الملك ضعیف ہے:

ابو حاتم یوسف نے کہا: منکر الحدیث۔ (المروج و تعدیل رقم: 870)

امام دارقطنی نے کہا: منکر الحدیث۔ (الضعفاء و المتروکین رقم: 2275)

علامہ ذہبی نے کہا: ضعیف۔ (الکاشف رقم: 3721)

لہذا معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف ہے اور اس کے راوی ہشام بن محمد الکلبی اور عثمان بن عبد الملك

بھی بخروج میں۔ اس لئے اس قول پر اعتماد کرنا غلط ہے۔ شیخ سعید ممدوح کو چاہیے کہ وہ صحیح سند کے ساتھ اقوال نقل کریں کیونکہ ایسے اقوال سے استدلال کرنا مسئلہ افضلیت میں قابل قبول نہیں ہیں۔ اس پیش کردہ حوالہ میں کون سی ایسی بات ہے جو کہ تفضیلیوں کے موقف کو ثابت کرتی ہے۔ لہذا ایسے اقوال پر بغلیں بجانا عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

حضرت سلیمان بن سرد الخزامی رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص 202 پر لکھتا ہے:

تفضیلیوں میں سے ایک صحابی طلیل، شیعہ اہل بیت حضرت سلیمان بن سرد الخزامی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ تمام جنگوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاون رہے۔ انہوں نے جنگ صفین میں بعض نواصب کی تردید میں فرمایا تھا۔

تیرے لیے یہ سختی ظاہر کرنے والا دن ہے، یہ وہ دن ہے جو تاروں کو پوشیدہ نہیں کرتا۔

اے تذبذب کے شکار زندہ! ہم کسی ظالم جماعت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔

اس لیے کہ ہمارے درمیان ماہر بہادر موجود ہیں، ابن بدیل غضبناک شیر کی طرح ہے۔

علی رضی اللہ عنہ ہمیں محبوب ہو گئے، ہم ان پر ماں باپ کو قربان کرتے ہیں۔

جواب: حضرت سلیمان بن سرد الخزامی رضی اللہ عنہ کو تفضیلی کہنا مردود ہے۔ کیونکہ پیش کردہ قول میں

کوئی لفظ بھی مسئلہ تفضیل کے بارے میں نہیں ہے اور ان کو اصطلاحی شیعہ کہنا باطل اور مردود ہے۔

جناب والا کوئی سنی عالم یا ایک عام شخص اپنے آپ کو شیعہ کہلوانا پسند نہیں کرتا جبکہ آپ تو صحابی

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شیعہ کے لفظ کا اطلاق کر رہے ہیں۔ لہذا ان کو تفضیلی کہنا تسامح سے کم

نہیں ہے اور پیش کردہ قول میں کسی مقام پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شلاح سے افضل کہنا ثابت نہیں

ہوتا۔ ایسے اقوال نقل کرنا فضول ہے کیونکہ یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں جبکہ آپ کے دعویٰ کو

ثابت بھی نہیں کرتا۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 203 اور ص 204 پر لکھا ہے:

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیعت کی گئی تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے۔ ترجمہ:

”جب ہم نے علی کی بیعت کی تو ہمیں کافی ہیں ابو الحسن ان فتنوں سے بچانے کیلئے جن

سے ہم خوفزدہ ہیں ہم نے انہیں دوسرے لوگوں سے زیادہ لوگوں کا محبوب پایا۔ بے

شک وہ کتاب و سنت کی رو (یا فہم) سے قریش کی عمدہ ہستی ہیں۔ بے شک قریش کا

رعب اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ وہ کبھی کمزور پر چڑھائی نہیں کریں

گے۔ ان (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں وہ ساری خوبیاں ہیں جو تمام لوگوں میں ہیں اور ان

میں محاسن نہیں جو تنہا ان میں ہیں۔“ (بحوالہ مترک ماکم ج 3 ص 115، 114)

جواب: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ان اشعار سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہ اشعار حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے بیعت کے وقت پڑھے گئے تھے۔ جبکہ ہمارا بھی یہ موقف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ

کے بعد اپنے وقت کے تمام لوگوں سے افضل تھے۔ شیخ سعید ممدوح جس جگہ کوئی تفصیلت کی بات

پڑھتا ہے تو اسے فوراً مسئلہ افضلیت میں درج کر دیتا ہے۔ جناب عالی! نفس مسئلہ سمجھیں اور پھر دلائل

کی بھرتی کریں۔ خواہ مخواہ ایسے دلائل دینا جس میں اختلاف ہی نہیں، جہالت ہے۔ اختلاف تو یہ

ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شیخین کریمین رضی اللہ عنہما افضل ہیں یا کوئی دوسرے صحابی افضل ہیں۔ ہم تو

مولانا علی رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلاثہ کے بعد افضل مانتے ہیں لہذا یہ اشعار ہمارے موقف کی تائید کر رہے

ہیں۔ لہذا ایسے اقوال جو خلفاء ثلاثہ کے بعد ہیں ہمارے خلاف نقل کرنا تسامح ہے۔

مزید یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی وضاح بن یحییٰ انصاری کی توثیق ثابت کریں۔

خود علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال رقم: 1694

اور دوسری کتاب المغنی فی الضعفاء رقم: 6840 پر ضعیف لکھا ہے۔

جبکہ ابن جوزی نے الضعفاء و المتروکیں رقم 3638 پر درج کیا ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لسان المیزان رقم: 8348 پر ضعیف کہا ہے۔

لہذا اس کی توثیق بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ ایسی ضعیف اور اپنے دعویٰ پر دلالت نہ

کرنے والی روایات سے آپ اپنے حواریین کو خوش تو کر سکتے ہیں مگر ایسے حوالوں کی علمی میدان

میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ابوالاسود دؤلی کے موقف کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 204 پر لکھا ہے۔

حضرت ابوالاسود دؤلی صادق تابعی کا نصرت حق میں موقف مشہور ہے۔ انہوں نے سیدنا علیؑ کی جدائی میں کہا تھا:

(آگے ابوالاسود دؤلی کے اشعار نقل کیے ہیں۔ جن میں سے چند اشعار یہ ہیں کہ) "اور اے (قتل کر دیا) جس میں تمام عمدہ مناقب جمع ہیں اور جو رب العلمین کے رسول کا محبوب ہے۔

یقیناً! قریش جانتے ہیں وہ جو بھی ہوں کہ وہ حب اور دین کے لحاظ سے ان سب سے بہتر ہیں۔" (بحوالہ انساب الاشراف ج 3 ص 245، دیوان ابوالاسود الدؤلی ص 143)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوالاسود دؤلی مولیٰ علیؑ سے محبت کرتے تھے۔ مگر اس پیش کردہ حوالہ سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ خلفاء ثلاثہ سے بھی حضرت علیؑ المرتضیٰ سے بھی افضل سمجھتے تھے۔ حالانکہ مسئلہ بھی یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ ہم اس بات کا اعادہ بار بار کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ اپنے وقت میں خلفاء ثلاثہ کے بعد سب سے افضل تھے۔ اور ابوالاسود دؤلی کے اشعار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ کیا عجیب مذاق ہے کہ حب علیؑ کو تفضیل کا نام دے دیا گیا ہے اور اس قول یہ میں بھی صراحت نہیں کہ یہ تفضیل علیؑ برعثمانؑ ہے یا تفضیل حضرت علیؑ برحضرت ابوبکرؑ ہے۔ افضلیت میں تقابل اور زمانہ کی بڑی اہمیت ہے۔ شیخ سعید ممدوح کے پیش کردہ اقوال میں ابہام ہی ابہام ہے۔ کوئی چیز واضح نہیں ہے۔ اختلافی مسئلہ کچھ اور ہے اور دلائل کچھ اور ہیں۔ دعویٰ خاص ہے جبکہ دلیل عام ہے۔ جبکہ خود شیخ ممدوح نے یہ واضح کر دیا کہ یہ اشعار حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد کے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابوالاسود دؤلی بھی حضرت علیؑ المرتضیٰ کو خلفاء ثلاثہ کے بعد افضل مانتے تھے۔

جناب عالی! کچھ تو خیال کریں کہ کیا ثابت کرنا تھا اور دلائل کیا پیش کر رہے ہیں۔ اور دلی بھی ان اشعار کی نسبت ابوالاسود الدؤلی کی طرف ہے۔ لہذا ایسے اقوال سے ہمارے موقف پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جبکہ یہ دلائل شیخ سعید ممدوح کو مفید ہی نہیں ہیں۔ یاد رہے کہ معنوی شیعہ، لفظی شیعہ

اور اصطلاحی شیعہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ابن حنظلہ معتزلی نے ابوالاسود دؤلی کو شیعہ کہا تھا۔ اس پر حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ

وقال غیرہ: قتال أبو الأسود يوم الجمل مع علي بن أبي طالب

جملہ وکان من وجوہ الشیعۃ۔ (سیر اعلام النبلاء رقم: ۲۸)

ترجمہ: یعنی کہ مولانا علیؑ کے ساتھ جنگ جمل میں ہونے کی وجہ سے شیعہ کا اطلاق ہوا تھا۔ کہ ان کی مراد اصطلاحی شیعہ تھا۔

لہذا معلوم ہوا کہ ابوالاسود الدؤلی کے قول سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اور ہمارے مدعی کے خلاف نقل نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت ام سنان بنت خنیسہ مذحجیہ کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 206 پر حضرت ام سنان بنت خنیسہ سے چند اشعار نقل کئے ہیں:

"اے آل مذحج رکھنے کا مقام نہیں، جلدی کرو! آل احمدؑ کا دشمن پر تول رہا ہے۔

یہ علیؑ ہیں اس بار کنت چاند کی طرح جسے وسط آسمان میں کواکب نے گھیرا ہوتا ہے۔

تمام مخلوق سے بہتر میں اور نبی ﷺ کے چچا زاد ہیں اگر وہ تمہیں نور محمدی ﷺ سے ہدایت دینا چاہتے ہیں تو تم حاصل کرو۔

جب سے انہوں نے جنگوں میں شرکت کی مسلسل فحیاب رہے، فتح ان کے پرچم پر سایہ فگن رہی۔" (بحوالہ مقداد الغریبہ 1/214، بیج الامنی ج 1 ص 258)

جواب: پیش کردہ اشعار بھی خلفاء ثلاثہ کے بعد جنگوں (صفین، نہروان) کے درمیان میں وارد ہوئے ہیں۔ جن سے ثابت ہوا کہ حضرت ام سنان بنت خنیسہ بھی حضرت علیؑ کو خلفاء ثلاثہ کے بعد افضل مانتی تھیں۔ جو کہ ہمارے دعویٰ کی تائید ہے۔ لہذا یہ قول تو آپ کے مدعا کے منافی ہے۔ شیخ ممدوح کے پیش کردہ قول میں سیدنا علیؑ المرتضیٰ کو شیخین کریمینؑ سے افضل نہیں کہا گیا۔ ایک اہم بات یاد رہے کہ ایسے ہزاروں اقوال محدثین کرام سے منقول ہیں کہ ہم نے فلاں سے افضل نہیں دیکھا یا ہم نے فلاں سے اعلم نہیں دیکھا یا ہم نے فلاں سے متقی نہیں دیکھا۔ ان اقوال سے یہ مراد لینا کہ وہ شخص سب امت میں سے افضل یا اعلم یا متقی ہوگا، جہالت اور بے وقوفی ہے۔

مزید یہ کہ اس قول کی سند تو العقد الفرید میں ہے اور نہ ہی صحیح الاثنی میں ہے بلکہ اس کی سند اختیار الوافدات 21/1 پر موجود ہے۔ اور یہ العباس بن بکار الضبی کی تصنیف ہے۔ اس کو محمد شہین کرام نے کذاب اور ضعیف تک کہا ہے۔

۱- ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا: منکر الحدیث۔ (اکامل ابن عدی رقم: 184)

۲- دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا: کذاب۔ (لسان المیزان رقم: 1052)

۳- عقیلی رحمہ اللہ نے کہا: الغالب علی حدیث الوهم و المنہ کثیر۔

(ضعفاء عقیلی رقم: 1399)

۴- ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: الغالب علی حدیث الوهم و المنہ کثیر۔

(الضعفاء عقیلی رقم: 1399)

۵- زبوعیم نے کہا: بیرونی المنہ کثیر لا شیء۔ (لسان المیزان رقم: 1052)

۶- علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: یتھم بحدیثہ۔ (میزان الاعتدال رقم: 4168)

۷- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اتھم بحدیثہ۔ (لسان المیزان رقم: 4099)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ العباس بن بکار الضبی ضعیف بلکہ کذاب تھا۔ اس کی کتاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور مزید یہ کہ اس کی کتاب اخبار الوافدات کی مروی سند بھی مشکوک ہے۔ لہذا ایسے اقوال پر بغلیں بجانا جس سے مدعا تو بالکل ثابت نہیں ہوتا شیخ سعید ممدوح اور ان کے حواریین کا یہی کام ہے۔

حضرت سودہ بنت عمارہ کے قول کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل ص 207 پر حضرت سودہ بنت عمارہ رضی اللہ عنہا سے منسوب اشعار اور فرمان لکھے ہیں کہ

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی مدد کرو اور آہستگی سے ہند اور اس کے پیٹے کا قصد کرو۔“

بیٹک خلیفہ اللہ کے نبی محمد ﷺ کے بھائی ہیں، جو ہدایت کی علامت اور مینار ایمان ہیں۔ (بحوالہ صفین نصر بن مزاحم ص ۱۶)

جواب: عرض یہ ہے کہ کتاب صفین کا مصنف نصر بن مزاحم متروک، شیعوہ اور غالی رافضی ہے جس سے

جد غیبتی جرح اسی باب میں گزر چکی ہے۔

ان اشعار سے اپنا مطلب نکالنا فضول ہے۔ کیونکہ ان اقوال سے یہ ثابت ہو رہا کہ جنگ کے درمیان ایسے اقوال وارد ہوئے ہیں۔ اور یہ جنگیں صفین اور نہروان کی تھیں اور اس وقت خلفاء ثلاثہ کا دور مکمل ہو چکا تھا۔ اور ہم تو مدعی اس بات کے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ ان خلفاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ یہ اشعار آپ کے دعویٰ پر دال نہیں جبکہ ہمارے منافی نہیں۔ تو ان کا پیش کرنا کس مقصد کے تحت ہے؟

ضعیف رافضی سندوں والے اقوال سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا شیخ سعید ممدوح جیسے لوگوں کا یہی کام ہے۔ مگر ہم ایسی ناپاک کوششوں سے پردہ اٹھاتے رہیں گے اور حقائق عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے تاکہ ایسے لوگ عوام الناس کو گمراہ نہ کر سکیں۔ اور لوگوں کا عقیدہ صحیح اور سلامت رہ سکے۔

حضرت زحر بن قیس کے قول کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل ص 207 پر حضرت زحر بن قیس رضی اللہ عنہ سے منسوب اشعار نقل کیے ہیں کہ جریر بن عبد اللہ! ہدایت سے منہ نہ موڑ! علی کی بیعت کر لے، میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ یقیناً علی ان سب سے بہتر ہیں جو کنکرہ کی زمین پر چلتے ہیں۔ ماسواہ سیدنا احمد رضی اللہ عنہ کے اور موت تو صبح یا شام آ کر ہی رہے گی۔ (بحوالہ صفین نصر بن مزاحم ص ۱۶)

جواب: نصر بن مزاحم کے بارے میں تو محدثین کی جرح پہلے گزر چکی ہے۔

پھر یہ کہ ان اشعار سے اپنا مطلب نکالنا فضول ہے کیونکہ ان اشعار میں تو واضح ہو رہا ہے کہ یہ اشعار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کے وقت کے ہیں۔ جس کے اہلسنت بھی قائل ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں افضل ترین شخصیت تھے۔ مگر شیخ ممدوح تو اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بعد تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ اور اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اسے کوئی دلیل نہیں مل رہی۔ لہذا ایسے ضعیف اور رافضیوں کی کتابوں سے اقوال نقل کرنے پڑ رہے ہیں۔

اس پر طرہ یہ کہ شیخ ممدوح نے خود ایک پورا باب صرف اس بات کی خاطر باندھا ہے کہ خلافت

کے لیے افضلیت شرط نہیں ہے۔ جبکہ اس قول میں یہ واضح طور پر بیان ہے کہ حضرت زحر بن قیس رضی اللہ عنہ بیعت کرنے کی دلیل خیر ہونے کو بنا رہے ہیں۔ اس کا جواب تو شیخ ممدوح یا اس کے حواری دے سکتے ہیں کہ صحابی کا موقف صحیح ہے یا کہ شیخ ممدوح کا؟

ضعیف را فنی راویوں کی سندوں والے اقوال سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا شیخ سعید ممدوح جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ مگر ہم ایسی ناپاک کوششوں سے پردہ اٹھاتے رہیں گے اور حقائق عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے تاکہ ایسے لوگ عوام الناس کو گمراہ نہ کر سکیں۔ اور لوگوں کا عقیدہ صحیح اور سلامت رہ سکے۔

حضرت کعب بن زحیر کے قول کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل ص 207 پر حضرت سودہ بنت عمارہ رضی اللہ عنہا، حضرت زحر بن قیس رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زحیر کے اشعار لکھے ہیں کہ

”واما ذنبی فلیکرم اور تمام لوگوں سے بہتر ہیں، جو شخص فخر اُن کا مقابلہ کرتا ہے وہ پست ہو جاتا ہے۔

انہوں نے نبی امی ﷺ کی معیت میں سب سے پہلے نماز پڑھی، بندوں سے قبل در آنحالیکہ رب الناس کا انکار کیا جاتا تھا۔“ (دیوان کعب بن زحیر ص ۳۱)

جواب: ان اشعار سے اپنا مطلب نکالنا فضول ہے۔ کیونکہ ان اقوال کی اسناد معلوم نہیں ہیں۔ شیخ سعید ممدوح اور ان کے ہمنوا لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے ان اقوال کی سندیں پیش کریں پھر ان اقوال سے استدلال کرنے کی کوشش کریں۔ مجھول سندوں والے اقوال سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا شیخ سعید ممدوح جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ مگر ہم ایسی ناپاک کوششوں سے پردہ اٹھاتے رہیں گے اور حقائق عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے تاکہ ایسے لوگ عوام الناس کو گمراہ نہ کر سکیں۔ اور لوگوں کا عقیدہ صحیح اور سلامت رہ سکے۔

معمر بن راشد کے قول کی تحقیق

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 305 اور 208 مترجم پر معمر بن راشد کو تفصیل علی

کے قائلین میں شمار کرتا ہے۔ سعید ممدوح ص 304 اور ص 305 پر لکھتا ہے:

”تاریخ دمشق میں امام ابن عساکر سے لیکر امام ابن ابی شیمہ تک سند کے ساتھ مذکور ہے۔ ابن ابی شیمہ کہتے ہیں ہمیں احمد بن منصور بن سيار نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں امام عبدالرزاق الصنعانی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں ایک دفعہ معمر گویا ہوئے اور مسکرا دیے۔۔۔۔۔ انہوں (معمر) نے فرمایا: مجھے اہل کوفہ پر تعجب ہوتا ہے گویا کہ کوفہ کی بنیاد ہی حب علی پر رکھی گئی ہے میں نے جس معتدل شخص سے بھی گفتگو کی تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ پر افضلیت دیتے ہوئے پایا، حضرت ثوری رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں۔ امام عبدالرزاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ پھر میں نے حضرت معمر سے کچھ عرض کیا: اور انہوں نے محسوس کیا کہ میں اس کو بڑی بات سمجھ رہا ہوں تو انہوں نے فرمایا: کیا ہوا؟ اگر کوئی شخص کہے علی میرے نزدیک شیخین سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا جبکہ وہ میرے سامنے شیخین کی فضیلت کا ذکر بھی کرے اور اگر کوئی شخص کہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں میں نے یہ بات حضرت وکیع کو بتائی اور ہم تنہائی میں تھے تو وکیع نے اس کو بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے۔ پھر فرمایا: سفیان ہمارے ساتھ اس حد تک نہیں پہنچا تھا لیکن

انہوں نے معمر پر اس بھید کو ظاہر کیا جسے ہم سے چھپاتے رہے۔“ (تاریخ دمشق 3/311)

جواب: ۱۔ واقع بادی النظر میں صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ محدث عبدالرزاق کا اپنا مذہب تو تفصیل شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ہے۔ مزید یہ کہ محدث عبدالرزاق نے اپنے عقیدے کی وضاحت خود کی ہے۔ حافظ ابن عدی لکھتے ہیں:

حدثنا الشرفی ثنا أبو الأزهر سمعت عبدالرزاق يقول افضل الشيخين بتفضيل علي إياهما على نفسه ولولم يفضلها لم أفضلها كفي بي اخذاء ان احب عليا ثم أخاف قوله.

(الکامل ابن عدی 5/312)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبدالرزاق خود بھی تفصیل شیخین کریمین کا قائل تھا اور مولانا علی

شخص کو بھی پایادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا ہے۔ (تاریخ دمشق 3/311)

جواب: یحییٰ بن آدم کے قول میں اس بات کا تعین نہیں کہ کوفہ والے کس جہت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ مزید یہ کہ ان کا افضل سمجھنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھا؟ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھا؟ کیونکہ ایسے بہت سے اقوال کا تعلق اس وقت سے ہے جب حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپس کی جنگیں ہوئیں اور دونوں طرف کے لوگوں کی طرف سے فضیلت والے اقوال باکثرت وارد ہوئے۔ لہذا بغیر کسی تعین کے ایسے اقوال نقل کرنا غلط بحث ہے اور یہ یاد رہے کہ جب کوفہ کا ذکر ہو اور تفصیل کی بات ہو تو اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کی بحث مراد ہے۔ لہذا اس قول سے اپنے موقف پر استدلال کرنا نادانی اور جہالت ہے۔

عبید اللہ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق:

غایۃ التبجیل ص 216 پر لکھا ہے۔

”عبید اللہ بن موسیٰ الحافظ کو فرماتے ہوئے سنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کرتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔“ (معرفۃ الرجال 1/157)

جواب: عبید اللہ بن موسیٰ کے اس قول سے استدلال کرنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ وہ روایت حدیث میں تو مضبوط تھا مگر بدعی شیعہ تھا۔ روایت حدیث میں بدعتی راوی کی روایت کچھ شرائط کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس بدعتی کا عقیدہ بھی قابل قبول ہو گا تو ایسی بات اصول کے خلاف اور غلط ہوگی۔ اصول یہ ہے کہ بدعتی کا اپنے مذہب کے مؤید کسی قول کا قبول کرنا تو درکنار حدیث کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جس کا تفصیلی بیان مقدمہ میں کر دیا گیا ہے۔ عبید اللہ بن موسیٰ الکوفی الحافظ شیعہ محدث اور راوی ہے اس کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال ملاحظہ کیجئے۔

۱- امام یافعی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: من رؤس الشیعة۔ (مرآۃ الجنان 8/57)

۲- ابن العمدان نے کہا: من رؤس الشیعة۔ (غزوات الذہب 2/21)

۳- ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہو من الشیعة۔ (البدایہ والنہایہ 6/89)

۴- ابن حبان رضی اللہ عنہ نے کہا: وکان یتشیع۔ الثقات 7/152

۵- امام عجمی رضی اللہ عنہ نے کہا: وکان یتشیع۔ (معرفۃ الثقات رقم: 1171)

۶- ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: وکان یتشیع ویروی احادیث فی التشیع منکرۃ فضعف بذلک عند کثیر۔ (طبقات ابن سعد 6/400)

۷- علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا: احد الاعلام علی تشیعة وبدعة۔ (الاعیان رقم: 3593)

۸- امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے کہا:

کان صاحب تخیط حدث باحدیث سوء۔ (البحر الذم رقم: 669)

۹- علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا:

شیعی متحرق۔ (میزان الاعتدال: 5400)

۱۰- امام ابو داؤد نے کہا:

کان شیعیا متحرقا۔ (میزان الاعتدال: 5400)

۱۱- یعقوب سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

شیعی وإن قال قائل: رافضی لم انکر علیہ وهو منکر

الحديث۔ (اکمال علی تہذیب رقم: 3488)

۱۲- جوزجانی نے کہا: أغلی وأسو مذہباً وأروی للأعاجیب۔

(اکمال علی تہذیب رقم: 3488)

۱۳- ابن محرران نے کہا: متروک۔ (اکمال علی تہذیب رقم: 3488)

۱۴- امام احمد نے کہا:

تر کہ ابو عبد اللہ احمد بن حنبل لتشیعہ۔ وقد عوتب احمد علی روايته

عن عبد الرزاق یعنی و تر کہ عبید اللہ۔ (اکمال علی تہذیب رقم: 3488)

۱۵- ابن خلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: تکلم فی مذہبہ ونسب إلی التشیع۔

(اکمال علی تہذیب رقم: 3488)

۱۶- ابن قانع رضی اللہ عنہ نے کہا: کوفی صالح یتشیع۔ (اکمال علی تہذیب رقم: 3488)

۱۷- امام ہاجی رضی اللہ عنہ نے کہا: کان یفرط فی التشیع۔ (اکمال علی تہذیب رقم: 3488)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن موسیٰ الکوفی پکا شیعہ راوی تھا۔ اس سے بڑھ کر امام

بھی شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل ہیں۔ عبدالرزاق کا یہ قول ان لوگوں کے لیے ایک آئینہ ہے جو حب علی رضی اللہ عنہ کا دم تو بھرتے ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدے کو نہیں مانتے بلکہ باطل تاویلات کرتے ہیں "جناب والا کچھ غور کریں اور اپنی سوچ میں تبدیلی لے کر آئیں۔"

ii- تاریخ دمشق لابن عساکر 530/42 والا واقعہ (معمر بن راشد اور عبدالرزاق کا تفضیل کے بارے میں خیال) جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے اپنی کتاب شرح خصائص علی ص 532 اور ص 533 پر "کما تفصیل باعث نفرت مسئلہ ہے؟" کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ ظہور احمد فیضی صاحب اور سعید ممدوح کو جواب ایک ہی جگہ دے دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی علمی قابلیت کھل کے آسکے۔ اور ظہور احمد فیضی تو آج کل تفضیلیہ کے شیخ الحدیث بنے ہوئے ہیں۔

اول عرض یہ ہے کہ اس کی سند کو صحیح کہنا دھوکہ اور فریب ہے۔

دوم یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی احمد بن منصور بن یسار کی توثیق پیش کریں؟

سوم یہ کہ محدث عبدالرزاق آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ (تقریب الجذب رقم: 4064)

اب جناب آپ کا فرض ہے کہ عبدالرزاق سے اس سند میں شاگرد احمد بن منصور بن یسار ہے اس کا عبدالرزاق سے قدیم السماع ہونا ثابت کریں۔ کیونکہ محدثین کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مختلط راوی کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے کی روایات صحیح اور مختلط ہونے کے بعد کی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔ احمد بن منصور کا سماع عبدالرزاق کے مختلط ہونے سے پہلے کا ہے اس کا ثبوت پیش کریں۔ وگرنہ اس حدیث کو ضعیف خود ہی مان لیں تو بہتر ہے، نام نہاد محدثیت کا بھرم بھی رہ جائے گا۔

نوٹ: مناسب ہو گا کہ ہم مختلط راوی کے بارے میں بھی قارئین کرام کے علم میں اضافے کے لیے کچھ لکھ دیں۔

۱- حافظ ابن حجر مختلط راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

والحکم فیہ: إن ما حدث بہ قبل الاختلاط إذا تمیز قبل و إذا لم یتمیز توقف فیہ و کذا من اشتبه الأمر فیہ۔

(شرح غیۃ المکرم ص ۱۰۳-۱۰۵)

ترجمہ: یعنی مختلط راوی کی روایت کا حکم یہ ہے کہ اس نے جو روایت اختلاط سے پہلے بیان کی ہیں وہ مقبول ہیں اور جو اختلاط کے بعد بیان کی ہیں وہ غیر مقبول ہیں اور جن کی قبلیت و بعدیت کا علم نہ ہو سکے وہ حصول علم پر موقوف رہیں گی۔

۲- حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

فمن سمع من هؤلاء قبل اختلاطهم قبلت روايتهم و من سمع

بعد ذلك أو شك في ذلك لم تقبل۔ (اختصار علوم الحدیث ص ۲۲۹)

ترجمہ: یعنی جن شاگردوں نے ان سے قبل از اختلاط روایتیں لی ہیں وہ قبول کئے جائیں گے اور جن شاگردوں نے بعد از اختلاط ان سے روایتیں لی ہیں یا انہیں شک ہو کہ قبل از اختلاط لی ہیں یا بعد از اختلاط تو ایسی روایتیں قابل قبول نہیں ہوں گی۔

جناب ایسی ضعیف روایات سے آپ عوام الناس کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں اور اس دھوکے میں کچھ علماء کرام بھی ہیں کیونکہ اہل سنت کے علماء بھی علم اسمائے رجال سے دور بنی نظر آتے ہیں۔ لہذا مہربانی کر کے اہل سنت کے عوام بھی اسماء الرجال کے میدان میں بھی مہارت حاصل کریں تاکہ ایسے لوگ آپ کو دھوکہ نہ دیں سکیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کی پیش کردہ روایات تحقیق کی روشنی میں ضعیف اور مردود ہیں۔ ایسا راوی جس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو جائے اور اس سے روایت کرنے والا راوی اس کے حافظہ خراب ہونے سے پہلے نہ سنے تو ایسے شخص کی حدیث قبول نہیں ہوتی تو یہاں تو پھر قول ہے۔ لہذا ایسا قول محدثین کرام کے اقوال اور اصول کی روشنی میں غلط اور ضعیف ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ سعید ممدوح نے ان روایات کو بیان کرنے کے علمی زیادتی کی ہے۔ لہذا ایسی ضعیف روایات کے بل بوتے پر موقف ہرگز ہرگز ثابت نہ ہو گا۔ اور اس روایت کو ثابت کیے بغیر جناب ظہور احمد فیضی صاحب کا بغلیں بجانا بھی فضول ہے۔

یحییٰ بن آدم کے قول کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 215 پر لکھا ہے:

"میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے ہوئے سنا کہ یحییٰ بن آدم نے کہا میں نے کوفہ میں جس

یعقوب بن سفیان قسوی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا کہ اگر عبید اللہ بن موسیٰ العباسی کو کوئی رافضی کہے تو اس پر کلنی انکار نہیں ہے۔ امام قسوی رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی سیدنا علی رحمہ اللہ کو شیخین پر تفصیل دینا، رافضیت ہے۔ لہذا عبید اللہ بن موسیٰ لحافظ (جیسے شیعی اور امام یعقوب قسوی رحمہ اللہ کے نزدیک رافضی) کے قول کو پیش کرنا تفصیلیوں کا ہی کام ہے۔ اہل سنت و جماعت کے اصولوں کے تحت ایسے راویوں کا قول جو اس کے مذہب کی طرف تو ایسے قول کو رد کر دیا جاتا ہے اور مزید یہ کہ عبید اللہ بن موسیٰ کے قول کو تیجی بن آدم کے قول کا مؤید بنانا بھی غلط ہے۔ کیونکہ تیجی بن آدم کے قول میں تفصیل کا تعین نہیں ہے جبکہ عبید اللہ بن موسیٰ العباسی کے قول میں مولانا علی رحمہ اللہ کی تفصیل پر شیخین کا قول ہے۔ لہذا یہ دونوں اقوال مؤید نہیں بن سکتے۔

مزید یہ کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے عبید اللہ بن موسیٰ کے اس قول کو غیر ثابت لکھا ہے کہ وہ تفصیل علی المرتضیٰ کا قائل تھا۔ بلکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے عبید اللہ بن موسیٰ کو تفصیل شیخین کے عقیدے کا قائل لکھا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ مزید تحقیق کرتے ہوئے عبید اللہ بن موسیٰ العباسی کی تشیع کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ حدثنا مالک بن مغول عن عون بن ابی جحیفۃ عن أبیہ قال قال علی رحمہ اللہ خیرنا بعد نبینا رحمہ اللہ أبو بکر و عمر رضی اللہ عنہم۔

و روایتہ مثل هذا دال علی تقدیم للشیخین، و لکنہ کان ینال من خصوم علی۔

قال ابن مندہ: کان أحمد بن حنبل یدل الناس علی عبید اللہ، و کان معروفا بالرفض، لم یدع أحدا سمعہ معاویۃ یدخل دارہ۔

(سیر الاعلام النبلاء، رقم: ۲۱۵)

نتیجہ کلام یہ ہوا کہ دونوں صورتوں میں اسکا موقف قابل تسلیم نہیں۔ ایسے اقوال شیخ ممدوح اور انکے حواریوں کو مبارک ہوں۔

تیجی بن یحییٰ کا مذہب:

غایۃ التبجیل مترجم ص 216 و ص 217 پر لکھا ہے:

وہ شیعہ تھا، اولین شیعوں میں سے، خوبصورت تشیع کے حامل تھے، کسی صاحب فضیلت کی تہنیت کے بغیر اہل بیت کرام رحمہم اللہ کی تفصیل کے قائل تھے۔ (وفیات الاعیان 173/6)

جواب: اہل بیت کرام سے محبت تشیع نہیں بلکہ سنیت ہے اگر عرض کرنے کی اجازت دی جائے تو ضرور کہوں گا کہ اہل بیت سے محبت عین سنیت ہے نہ کہ غیر سنیت۔ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنا اور نبی کریم رحمہ اللہ کی آل کی حیثیت سے دوسروں پر فضیلت دینا اس پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر اس وقت موضوع فضیلت مطلقہ کا ہے نہ کہ افضلیت جزوی کا۔

مزید یہ کہ وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ تیجی بن یحییٰ نے حجاج بن یوسف اور اس کے گورنروں کے سامنے امام حسن رحمہ اللہ اور امام حسین رحمہم اللہ کے فضائل بیان کیے اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ تو معلوم ہوا کہ تیجی بن یحییٰ کا حسین کریمین کے فضائل بیان کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ہمیشہ افضلیت کے اقوال میں تقابل کی اہمیت ہوتی ہے۔ صاحب قول کس کے مقابلے میں افضل کہہ رہا ہے؟ یہ معلوم کرنا مسئلہ افضلیت میں اہم ہے۔ کیونکہ مولانا علی رحمہ اللہ کے اکثر فضیلت کے اقوال امیر معاویہ رحمہ اللہ کے مقابلے میں وارد ہوئے ہیں اور یا کسی ناصبی اور خارجی کے جواب میں ایسے اقوال صحابہ کرام رحمہم اللہ اور تابعین سے وارد ہوئے ہیں۔ لہذا دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام پیش کی جا رہی ہے۔

محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کا تراجم یاد ہو کہ

غایۃ التبجیل ص 217 اور ص 218 پر محمود سعید ممدوح لکھتا ہے:

شیعی وہ ہے جو اس بات میں شیعہ کی موافقت کرے کہ حضرت علی رحمہ اللہ رسول اللہ رحمہ اللہ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ (بحوالہ الفصل فی الملل والنحل 191/2)

پھر مزید لکھتے ہیں:

ابو الحسن الاشعری مقالات اسلامین میں لکھتے ہیں "انہیں شیعہ کہا گیا، اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی رحمہ اللہ کی حمایت کی تھی۔ انہیں رسول اللہ رحمہ اللہ کے تمام صحابہ پر مقدم مانتے تھے۔

(بحوالہ مقالات اسلامین ص 65)

پھر سعید ممدوح اپنا موقف پیش کرتا ہے۔ "اور میں کہتا ہوں یہ ایسا ضابطہ ہے جس سے لفظ شیعہ کی قریب ترین حد کا تعین ممکن ہے اور وہ ہے تفصیل مرتضوی رحمہ اللہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلاف کرام کے

مطابق شیعہ وہ ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دے۔ لہذا ہر وہ شخص جو اس گروہ میں شامل ہو وہ مفضل (تفضیلی) ہے اور اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین اور شیعہ تابعین کی ایک ایسی بڑی جماعت شامل ہے۔ جن کا علم و عدل مسلم ہے۔ اس قول کے حاشیہ میں ظہور احمد فیضی نے توابعین کے واقعات کا ذکر کیا ہے جس سے جناب ظہور احمد فیضی صاحب کی رضامندی ثابت ہوتی ہے۔

جواب: محمود سعید ممدوح کا لفظ شیعہ کو تفضیلی کے مترادف ثابت کرنا اور ظہور احمد فیضی کا اس پر تائید کرنا علمی تراجم اور جہالت ہے۔ کیونکہ لفظ شیعہ کو تفضیلی کے مترادف بنانا تحقیق کی روشنی میں غلط ہے۔ تاریخ میں لفظ شیعہ مختلف اوقات میں استعمال ہوا۔ مگر اس کی تعریف ہر دور میں بدلتی رہی ہے۔ مگر لفظ شیعہ وہی رہا لفظ شیعہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں استعمال ہوا۔ جہاں شیعان عثمان رضی اللہ عنہ اور شیعان علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال ہوئے۔ دراصل لفظ شیعہ کا لغوی معنی چاہنے والا، ساتھی یا محب ہوتا ہے۔

قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفر کر دار تک پہنچانے کی حمایت کرنے والے شیعان عثمان اور مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو مد نظر رکھنے والے شیعان علی کہلاتے تھے۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی اور مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی جمہور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

ان اصحاب کے ساتھ ساتھ ان دونوں اطراف کے لوگوں میں رافضی، ناصبی اور خارجی قسم کے لوگ بھی شامل تھے۔

اب معاملہ یہ ہے کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جلیل القدر صحابہ کرام اور تبع تابعین کی جماعت، مولا علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتے تھے اور ان کی فضیلت کے قائل تھے مگر یہ فضیلت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مد مقابل تھی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی بھی صحابی رضی اللہ عنہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا قائل نہ تھا۔ یہ صحابہ کرام مولا علی رضی اللہ عنہ سے سچی محبت کرتے تھے۔ لہذا ان صحابہ کرام پر لغوی شیعہ ہونے کا اطلاق ہوا۔

مگر اس معاملہ میں شیعہ کے ساتھ ساتھ مولا علی رضی اللہ عنہ کے چند ساتھیوں میں اصطلاحی شیعہ بھی معرض وجود میں آ گئے اور ان میں سے فرقہ شیعہ، فرقہ تفضیلہ اور فرقہ خارجی اور فرقہ رافضی نکلے۔ آہستہ آہستہ حب علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ان کے عقائد تبدیل ہوتے گئے اور لفظ شیعہ میں وسعت آتی گئی۔

ابتداء میں چند لوگ تفضیل علی رضی اللہ عنہ بر عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہوئے اور ان میں سے بہت سارے لوگوں نے خصوصاً اہل سنت کے علماء کرام نے فوراً رجوع کیا۔ چند لوگ مولا علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل بر شیخین کے قائل ہوئے، اور یہ لوگ شیعہ تھے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کبھی بھی اہل سنت میں شمار نہ ہوئے تھے اور نہ شمار ہو گئے۔ حاصل کلام یہ کہ لفظ شیعہ پر تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا اطلاق علمی بددیانتی اور جہالت ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول کی تحقیق

شیخ سعید ممدوح غایۃ البقیل ص 219، 220 پر لکھتا ہے:

”انہوں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: میں نے آپ کے علاوہ کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو۔ اس پر امام شافعی نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے چچا اور میری خالہ کے بیٹے ہیں اور میں عبد مناف سے ہوں اور تمام بنو عبد الدار سے ہو۔ اگر یہ کسی شرف کی بات ہوتی تو میں تم سے زیادہ اس کا حقدار ہوتا۔“ (بحوالہ طبقات الشافعیہ 2/113)

جواب: پیش کردہ قول شیخ محمود سعید ممدوح کھلے زہر قاتل ہے۔ کیونکہ خود امام شافعی نے شیخین کی افضلیت کا اقرار کر رہے ہیں۔ اور ساتھ تصریح بھی کر دی کہ نسبت کو شرف کے ساتھ ملانا صحیح نہیں ہے۔ مگر کیا کریں تعصب کا کہ اپنا موقف ثابت کرنے کیلئے ممدوح اس قول سے استدلال کر رہا ہے کہ ”ہاشمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں۔“ شیخ محمود سعید ممدوح نے اسی قول کے اول حصے کو قبول کیا جبکہ دوسرے حصے کو رد کیا۔ اسے کہتے ہیں ہم جو مادہ دیگرے نیت کہ اپنی ذہنی اختراع کو گھڑنا۔

مزید یہ کہ سعید ممدوح نے ص 220 [مترجم] کے حاشیہ میں اس قول کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عبد اللہ الحنفی کی توثیق ابن حبان کی کتاب المتقات سے پیش کی۔ مگر ابن حبان کی کتاب الثقات، رقم: 2342 پر ابراہیم بن عبد اللہ بن الحارث الحنفی (الجامع ص 1) کے بارے میں مستقیم الحدیث لکھا ہے نہ کہ الحنفی (الجامع ص 1) کے بارے میں۔

مگر عرض یہ ہے کہ شیخ ممدوح کی پیش کردہ روایت کی سند میں راوی کا نام الحنفی ہے۔

جبکہ کتاب الثقات میں اس کا نام الجعفی ہے۔ جس سے واضح ہے کہ یہ دو مختلف راوی ہیں (ایک الجعفی اور دوسرا الجعفی)۔ اور الجعفی کی توثیق کسی کتاب میں موجود نہیں ہے لہذا یہ راوی مجہول ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ الجعفی کا ذکر طبقات الشافعیہ سے متعلقہ کتب میں بھی نہیں ہے۔ اور یہ سب پر واضح ہے کہ ابن حبان راویوں کی توثیق میں متماثل ہیں۔

اس کے علاوہ اس قول کی سند میں ایک راوی الحارث بن سریح ہے۔ محدثین کرام نے اسے ضعیف اور چوری کرنے والا لکھا ہے:

۱- یحییٰ بن معین نے کہا: ضعیف۔ (المزح و تعدیل رقم: 353)

۲- ابن عدی نے کہا: ضعیف یسرق الحدیث۔ (الاکمل ابن عدی رقم: 384)

۳- علامہ ذہبی نے کہا: یسرق الحدیث۔ (المغنی رقم: 231)

۴- امام عقیلی نے کہا: کذاب خبیث۔ (ضعفاء عقلی رقم: 268)

۵- عبد الرحمن بن محمدی نے کہا: کذاب۔ (ضعفاء عقلی رقم: 268)

۶- قاضی ابن شہبہ نے کہا: ضعیف۔ (طبقات الشافعیہ رقم: 5)

۷- موسیٰ بن ہارون نے کہا: متہم فی الحدیث۔ (لسان المیزان رقم: 666)

۸- امام نسائی نے کہا: لیس بشقة۔ (لسان المیزان رقم: 666)

۹- امام مقریزی نے کہا: ضعیف۔ (المختصر اکمل رقم: 384)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اس قول کی سند میں مجہول، کذاب اور ضعیف راوی ہیں۔

پھر شیخ سعید ممدوح نے ص 220 اسی راوی سے نقل کردہ امام شافعی سے منسوب اشعار نقل کئے ہیں۔ مگر عرض یہ کہ جناب سند تو صحیح ثابت کریں پھر استدلال کیجئے گا۔ ضعیف روایتوں پر بغلیں بجانا ترک کر دیں۔

ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ دیکھیں مولا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اقوال کو یہ لوگ ضعیف کہہ کر رد کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں صرف اتنی عرض ہے کہ سند کا صحیح ہونا اصول حدیث میں سے ایک اصول ہے۔ اور یہ اصول سب کیلئے ایک جیسا ہے۔ چاہے وہ روایات مولا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق ہوں یا وہ

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوں۔ لہذا ایسا اعتراض کرنے والا احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ اور اپنے لا جواب ہونے کا یقین ثبوت پیش کرتا ہے۔

ممدوح نے ان اشعار کو الیہ لاکانی رقم: 2624 اور مناقب الشافعی للبیہقی 481/1 کے حوالے سے نقل کیا۔ مگر ان دونوں کتابوں میں وہی راوی الحارث بن سریح النقال اور ابراہیم بن عبد اللہ الجعفی ہیں۔ جو کہ متردک اور مجہول راوی ہیں۔ لہذا اس قول کو نقل کرنا غلط اور مردود ہے۔ اور یہ کہنا کہ تمام بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفضیل دیتے تھے ایک علمی بددیانتی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

فضل بن الولہب کا مذہب

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 223 پر فضل بن الولہب کا قصیدہ ولید بن عقبہ کے رد میں لکھا:

”یاد رکھو سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کے بعد تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو پیش آمدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مسائل کا نگران ہے۔

غیر میں انہیں منتخب کیا گیا اور ان کے رسول رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے معاہدوں کو توڑنے کی ذمہ داری حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہوئے انہیں سونپی۔

اور سب سے پہلے جس نے نماز پڑھی، نبی رضی اللہ عنہ کا مثل، اور سب سے پہلے جس نے گمراہوں کو بدر میں ہلاک کیا۔

پس وہ علی النخیر (بلند غیر والا قرابت اور دامادی کی لڑی میں جڑا ہوا ابوالحسن ہے، کون ہے جو اس سے فائق ہو؟)“

جواب: اس قصیدے کا وہ مافذ معلوم ہے اور نہ ہی اس کی سند معلوم ہے۔ لہذا ایسے مجہول راویوں سے مروی اقوال جناب شیخ محمود ممدوح جیسے محقق کو ہی مبارک ہوں۔

مزید یہ کہ اس قصیدہ میں خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ کریں۔

یاد رکھو سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کے بعد تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو پیش آمدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مسائل کا نگران ہے۔

اس شعر میں افضل تو اس کو کہا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مسائل کا نگران ہو۔

اور یہ بات تمام تفصیلیہ اور شیخ ممدوح کو قبول و منظور ہے کہ شیخین کریمین رحمۃ اللہ علیہما تمام صحابہ کرام سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سب سے اچھے اور بہترین نگران تھے۔ لہذا یہ حوالہ تو تفصیلیوں کے موقف کے منافی ہے۔ اور ہمارے موقف کے مؤید ہے۔ لہذا اس کو پیش کرنے کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟

بکر بن حماد التاحرتی کا مذہب

شیخ سعید ممدوح نے ص 223 تا ص 225 پر بکر بن حماد التاحرتی کا قصیدہ فضیلت علی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پیش کیا ہے۔

”ابن ملجم سے کہہ دو! اللہ کے فیصلے غالب ہیں، تجھ پر ہلاکت ہو تو نے اسلام کے ارکان کو گرا دیا۔“

تو نے قدموں کے ساتھ چلنے والوں میں سے افضل، اور اسلام و ایمان کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول شخص کو شہید کر دیا۔“

(بحوالہ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸۸، الامالیہ ج ۸ ص ۴۱)

جواب: ممدوح نے قصیدے کے اشعار ”قتلت أفضل من ہمشی علی قدیم و اول الناس اسلاماً و ایماناً“ ترجمہ: تو نے قدموں کے ساتھ چلنے والوں میں سے افضل اور اسلام و ایمان کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول شخص کو شہید کر دیا“ سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔

مگر جناب بکر بن حماد التاحرتی نے یہ قصیدہ ابن ملجم لعین غار جی کے خلاف کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غار جی مولا علی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کی تخصیص کرتے تھے۔ لہذا اس کے مد مقابل بکر بن حماد نے یہ اشعار لکھے۔ اور یہ کہ ان اشعار میں شیخین سے تقابل نہیں بلکہ اس وقت کے لوگوں سے تقابل کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہا۔ اگر مطلقاً چلنے والوں میں افضل مراد لیا جائے تو انبیاء و مرسلین اور نعوذ باللہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ماننا پڑے گا۔ اس قول میں جیسے انبیاء کرام کی تخصیص ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح شیخین کی تخصیص بھی اہم ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ بکر بن حماد التاحرتی نہ تو صحابی ہیں اور نہ ہی تابعی بلکہ بکر بن حماد التاحرتی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر ہیں۔

مزید یہ کہ پیش کردہ قصیدہ الاستیعاب 1/348 اور 29/3 پر بھی موجود ہے مگر اس کی سند نہیں بھی موجود نہیں ہے۔ اور جس نے بھی یہ قصیدہ نقل کیا ہے صرف اور صرف حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے ہی نقل کیا ہے۔ لہذا مجہول راویوں والی سند آپ ہی کو مبارک ہو۔ جناب اس مسئلہ میں صحیح سند والے اقوال نقل کریں۔ مجہول اور ضعیف راویوں سے منقول اقوال کی بھرتی زبردستی نہ کرتے جائیں۔ اور عوام الناس کو یہ دکھانا کہ جناب ہمارے پاس بہت سارے اقوال فضیلت علی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں موجود ہیں، ایک غلب مذاق ہے۔ یہ تحقیق پیش کر دی ہے کہ مسئلہ فضیلت میں صحیح سند سے ہی کلام ہو سکتا ہے ورنہ ضعیف راویوں کی روایات پر بغلیں بجانا شیخ سعید ممدوح کا ہی کام ہے۔ بصورت دیگر اس کی سند ثابت بھی ہو جائے تو یہ قول ہمارے موقف کے خلاف نہیں اور ایسے مبہم اقوال آپ کے موقف پر دلالت نہیں کرتے۔ آپ کا دعویٰ خاص ہے جبکہ دلیل عام پیش کر رہے ہیں۔

رمضان آفندی کا مذہب:

شیخ محمود سعید ممدوح غایہ التبجیل ص 226 پر لکھتا ہے۔

پھر اس مسئلہ میں توقف کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر عالم، ان سب سے بڑھ کر بہادر، ان سب سے بڑھ کر تارک الدنیا، زاہد، ان سب سے بڑھ کر ساجد اور سخی اور اسلام میں ان سب سے سابق ہیں۔ (ماشیہ رمضان علی شرح العقائد ص 294)

جواب: شیخ رمضان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں صرف اور صرف مسئلہ فضیلت میں توقف کو رد کرنے کی پیش کر رہے ہیں کیونکہ علامہ تھکانی تفصیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان توقف کرنا بیان کر رہے تھے۔ جس پر علامہ رمضان آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی بات نقل کی۔ حالانکہ وہ شیخین کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ علامہ رمضان آفندی نے اس قول کے بعد علامہ تھکانی پر مائل یہ فرض کا الزام بھی عائد کیا ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ علامہ رمضان آفندی نے مسئلہ تفصیل میں توقف کرنے والوں کے مذہب کا رد کیا ہے۔ جس پر خود شیخ محمود سعید ممدوح ایک باب اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں باندھ چکا ہے۔ اسے کہتے ہیں ٹیٹھا ٹیٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ حوالہ بھی زیر بحث موضوع پر صحیح نہیں ہے۔

شیخ محمد معین ٹھٹھوی سندھی کا مذہب:

سعید ممدوح نے ص 226 تا ص 227 پر علامہ محمد معین ٹھٹھوی کو تفضیل علیؑ کا قائل لکھا ہے۔ اور ان میں چند باتیں اور حوالے بھی نقل کیے ہیں جو یہ ہیں۔

راج اور حق عقیدہ حضرت علیؑ کی خلفاء ثلاثہ علیہ السلام پر افضلیت کا ہے۔ بلاشبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد دو حضرات کی شان میں وارد ہونے والی احادیث سے ان کی حضرت علیؑ پر غنی فضیلت کا یقین بھی حاصل نہیں ہوتا چہ جائیکہ حضرت علیؑ پر ان کی قطعی فضیلت کا یقین کیا جائے۔ ان احادیث کا افضلیت کی منطوق (نص صریح) دلیل ہونا باطل ہے، اور بیشک حدیث أما ترضی أن تكون منی بمنزلة هارون من موسى۔ (کیا تم اس پر راضی نہیں کی تمہاری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰؑ کے نزدیک) قطعی طور پر حضرت علیؑ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد دو حضرات علیہ السلام پر افضلیت کا فائدہ دیتی ہے۔ (بحوالہ الحجۃ الجلیلة فی رد من قطع بالافضلية)

شیخ ممدوح غایۃ التبجیل ص ۲۲ پر مزید علامہ معین سندھی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ سیدنا علیؑ اہل بیت سے ہیں اور سیدنا صدیقؓ کی افضلیت صحابی کی نسبت سے ہے اور اہل بیت صحابہ کرام سے افضل ہیں اور اس آیت سے استدلال کیا: والذین امنوا واتبعوهم ذریعتهم بایمان۔

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہم ان کے ساتھ ان کی ذریت ملا دیں گئے۔ (بحوالہ ذب الذمات ج ۱ ص ۱۱۷)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ محمد معین سندھی صاحب ایک بڑے عالم تھے۔ مگر اپنی عمر کے آخری دور میں وہ ظاہری اور مائل بہ تشیع ہو گئے تھے۔ انہوں نے ماتم اور جلوس نکالنے پر ایک کتاب بھی لکھی۔ جس کا رد محقق محدث علامہ ہاشم ٹھٹھویؒ نے کشف الخطاء عمّا یغل ویحرم من النوح والبعاء کے نام سے کتاب لکھ کر جواب دیا۔ اسی طرح علامہ ہاشم ٹھٹھویؒ نے مسئلہ تفضیل پر ان کی تمام اشکالات کا رد الطریقة المحمدیة فی حقیقة القطع بالافضيلة میں بڑی تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔ یہ کتاب جلد ہی منظر عام پر راقم کی کوششوں سے آ رہی ہے۔ اس

کتاب میں آپؑ کی یمن کریمین کی افضلیت پر دلائل کے انبار ملاحظہ کریں گے۔ لہذا علامہ محمد معین ٹھٹھوی کے موقف کا رد ان کے ہم عصر علامہ ہاشم ٹھٹھوی نے کر کے لا جواب کر دیا تھا۔ علامہ معین ٹھٹھوی کی تحقیقی اینق ملاحظہ کریں۔

اگر یہ کہا جائے وہ حدیثیں اور آثار جو سیدنا علیؑ کی فضیلت میں وارد ہیں۔ وہ آپؑ کی مذکورہ روایتوں کے معارض ہیں لہذا قائل تعارض کا قول صحیح ہے اور جب یہ دونوں متعارض ہوں گی تو برابر ہوں گی اور جائزین میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح حاصل نہ ہوگی۔ ان روایتوں میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ رسول اللہ کا وہ فرمان جسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے باب فضائل سیدنا علیؑ میں غزوہ تبوک کے حوالے سے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ضمن میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کو نکلے تو پیچھے اپنی جگہ پر جناب امیرؓ کو خلیفہ بنایا اور فرمایا ”اے علیؑ! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

۲۔ غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہاتھ پر فتح دے گا جو اللہ عروبہ جل اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کو بھی امام بخاری نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے بھی سہل بن سعد اور ان کے علاوہ سے روایت کیا۔ رحمہم اللہ۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا غدیر خم کے موقع پر وہ فرمان ہے جسے امام احمد نے مناقب میں حضرت براء بن عازبؓ سے اس حدیث کے ضمن میں روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ ہم نے غدیر خم پر پڑاؤ کیا پھر وہاں نداء ہوئی کہ نماز کی جماعت کھڑی ہونے کو ہے اور ایک درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے لیے مصلیٰ بچھایا گیا آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی پھر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اے لوگو! کیا تم جانتے نہیں کہ میں مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ حقدار ہوں۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں پھر آپ نے مولیٰ علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کی! اے اللہ! جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ اے اللہ! علیؑ کو دوست رکھنے والے کو اپنا دوست رکھ اور علیؑ سے

عداوت رکھنے والے کو اپنا عدد رکھ راوی نے فرمایا اس کے بعد حضرت عمر حضرت علی کو ملے اور کہا۔ اے ابن ابی طالب! آپ کو مبارک ہو آپ کی توجہ اور پھر شام اس حال میں ہوئی ہے کہ آپ پھر مومن مرد و عورت کے مولیٰ ہوتے ہیں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں مولیٰ سے مراد اولیٰ ہے (زیادہ حقدار)۔ تاکہ یہ حدیث کے جزء اول کے مطابق ہو جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور اس حدیث کو حسن غریب کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے علی! آپ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔ ﷺ اس کو بغوی نے مصابیح فی الحسان میں بیان کیا ہے۔

جواب: مصنف فرماتے ہیں میں کہتا ہوں۔ آپ کے ذکر کرتے ہوئے ان تمام معارضات کے جواب دو قسم پر ہیں۔

۱۔ اجمالی۔

۲۔ تفصیلی۔

اولاً اجمالی۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا اور اسی طرح وہ تمام صحیح روایتیں ثابت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں۔ ان سب کا تعلق فضائل و مناقب سے ہے نہ کہ باب فضیلت سے کیونکہ ان میں کوئی بھی ایسا لفظ اسم تفضیل یا اس کے قائم مقام کسی صیغہ سے وارد نہیں ہوا۔ جو فضیلت پر دلالت کرتا ہو۔ اس کے برخلاف ہم نے جو مذکورہ دونوں قسموں میں روایتیں ذکر کی ہیں۔ ان میں ایسے الفاظ موجود ہیں۔ تو یہاں تو قطعی طور پر معارضے کا تحقق ہی ہیں۔ مزید یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور آپ کے مناقب و خصائص کے کثیر ہونے اور خلفائے ثلاثہ کے بعد آپ کے سب صحابہ سے افضل ہونے میں کسی اہل دین کو شک نہیں پیدا کہ خلفائے ثلاثہ کے فضائل کی کثرت اور ان کے مناقب و خصائص کے توافر میں کسی کو شک نہیں لہذا یہ حدیثیں اور آثار تو اس شخص پر حجت نہیں گے اور اس کا رد کریں گے جو میدان علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب و خصائص کا سرے ہی سے منکر ہے۔ جیسا کہ خوارج ملحدین اللہ ان کو رسوا کرے۔

۲۔ یہ کہ یہ امام اکمل اور حممام اجل حضرت علی رضی اللہ عنہ جو اس روایت میں مخاطب اور مراد ہیں اور باب مدینہ العلم اور سمجھدار زمانہ میں یہ اپنی فضیلت میں وارد حدیثوں سے شیخین پر اپنی

افضلیت نہ سمجھ سکے بلکہ اس کے برخلاف یقینی طور پر ان سے ثابت ہے کہ حضرت شیخین کو خود پر اور ساری امت پر فضیلت دیا کرتے تھے لہذا ہمیں اس مسئلہ تفضیل میں ان کی پیشوائی کافی ہے۔ اسی طرح صحابہ جو لوگوں میں سے کلام الہی اور کلام رسول کی مراد کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ وہ سب یا ان کے جمہور (علاوہ ان چیز کے جو ان سے علیحدہ ہیں۔ جبکہ ان کی یہ علیحدگی صحیح طور پر ثابت ہو جائے)۔ تو اسی پر متفق ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ان کے بعد حضرت فاروق ان کے بعد جناب ذوالنورین اور ان کے بعد مولائے کائنات ہیں۔ ﷺ اور ہمیں ان کی اقتداء کافی ہے۔ حضرت حران کے یہ اشعار کتنے اچھے ہیں جن میں وہ نبی اکرم اور آپ کے دونوں ساتھیوں صدیق و فاروق کا یوں ذکر کرتے ہیں۔ ”یہ تینوں ہستیاں اپنے فضل کے ساتھ ظاہر ہوئیں۔ جب دنیا میں پھیلے تو دین کو بڑی بصیرت سے چلا یا وہ مومن نہیں جو صاحب بصیرت ہو کر ان کے ذکر کے وقت ان کی افضلیت کا انکار کرے۔ ان سرداروں کی زندگیوں میں کچھ فرق نہیں اور جب یہ قبر میں گئے تب بھی اکٹھے ہی رہے۔ اس اشکال کے اور بھی متعدد جوابات ہیں لیکن جس کے دل کو اللہ نے نور سنت سے منور کیا ہے اس کے لیے یہ دو جواب ہی بس ہیں۔ اب آئیے تفصیلی جواب کی طرف تو ہم کہتے ہیں کہ پہلی حدیث (حدیث منزلہ) اگرچہ حدیث صحیح ہونے کی وجہ سے ہمارے سر آنکھوں پر ہے لیکن یہ صاحب رسالہ مردود کے مدعا پر دلیل نہیں کرتی کہ اس کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی تمام صحابہ سے کلی اور قطعی طور پر افضل ہیں اگرچہ اس نے اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے لفظ قطعیت کی صداقت نہیں کی لیکن بعد میں جہاں اس نے یہ کہا کہ یہ حدیث فضل کا فائدہ دینے میں قطعی اور عام سے خاص کرنے کی حیثیت سے ظنی ہے وہاں اس نے اس کی صراحت کی ہے۔ ہم اس حدیث پر تین طرح سے گفتگو کریں گے۔

۱۔ یہ حدیث خلفائے ثلاثہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کلی کو ثابت نہیں کرتی اگرچہ ظنی طور پر کیوں نہ ہو۔

۲۔ یہ اس موقف کا کچھ بھی قطعی فائدہ نہیں دیتی۔

۳۔ یہ خلفائے ثلاثہ کی نسبت حضرت علی کے زیادہ حقدار خلافت ہونے کا فائدہ بھی نہیں دیتی جیسا کہ

شیعہ شیعہ نے اس کا وہم کیا ہے۔

رسالہ ہذا اگرچہ کہ مسئلہ افضلیت کے موضوع پر ہے۔ معاملہ خلافت اس کا موضوع نہیں لیکن اس کو بھی یہاں وضاحت سے بیان کر دیا جائے گا۔

تفصیل۔ قول اول کی نو بلکہ درحقیقت بارہ ۱۲ وجوہ ہیں۔ جیسا کہ آپ ابھی انہیں جان جائیں گے۔
وجہ ۱: اس مردود رسالے والے نے افضلیت علی کے دعویٰ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے نبوت سے نیچے حضرت جنتیؑ کے لیے ہر درجہ فضیلت ثابت کیا ہے اور یہی افضلیت ہے۔ اس کا یہ قول باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ یعقوب علیؑ نے حضرت علی کو جملہ مذکورہ کہ "میری نسبت تمہارا درجہ یہ ہے بالعموم کہا ہے۔ حالانکہ علمائے اصول و فروع میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ مدعی علیہ اس کو ثابت کرنے کے لیے گواہ بھی نہیں لایا ہے اور نہ ہی تقویت دینے کے لیے کوئی دلیل لایا ہے تو یہ قول اس کی اپنی اختراع ہے یا پھر باطل را فضیوں کے کلام سے لیا گیا ہے۔ اور قربت معنی کی وجہ سے لفظ "منزلت" کو لفظ مثل اور کاف تشبیہ (کہ بعض اہل علم اس کی عمریت کے قائل ہیں) پر قیاس کرنا قیاس فاسد ہے۔ کہ لغت میں کوئی قیاس نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی نے لفظ مثل اور کاف تشبیہ کے مطلقاً ہر جگہ عام ہونے کا قول کیا ہے۔ من جابرہ اور من جابرہ کے درمیان کتنا فرق ہے اسے ہی دیکھ لیجئے حالانکہ معنی تو دونوں کا قریب قریب ہے۔ (لیکن کوئی بھی انہیں ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرتا) تو ثابت ہو گیا کہ جب لفظ "منزلت" الفاظ عمومیت میں سے نہیں تو پھر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دعویٰ مذکور کسی کھاتے میں نہیں اور اس کا قول مذکور سرے سے ہی باطل ہے بلکہ یہ تو ہمارے اس قول کی نظیر ہو گا کہ ہم نہیں زید شیر کی طرح ہے بس چیر پھاڑ نہیں کرتا تو یہ قول اس پر دلیل ہے کہ زید شیر سے مشابہت صرف بہادری میں ہے جیسا کہ علمائے کرام وغیرہم کے نزدیک یہ بات ثابت ہے۔ اور یہ قول عمومیت پر دال نہیں یوں کہ سوا چیر نے پھاڑنے کے زید کی شیر کے ہر ہر وصف میں مشابہت ہو شیر کی طرح اس کی بھی چار ٹانگیں ہوں اس کی طرح اس کی بھی دم ہو اس کے منہ میں بھی اس کی طرح کا منظر ہو شیر کی مثل اس پر بھی ہوں اور دیگر اور چیزیں۔ رہا اس قول میں ورود استثناء تو وہ اتصال پر دلیل نہیں۔ ایسے ہی حدیث میں مذکور استثناء بھی اتصال پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اتصال تو فرع ہے۔ جب عموم ہی نہیں تو اتصال کیسا ہے۔ عموم کی مزید اس جوہر استثناء کا جواب آگے آگے گا۔

وجہ ۲: مخالف لفظ "منزلۃ" کی عمومیت پر استدلال اس نصف لفظ سے نہیں کرتا بلکہ اس اعتبار سے کرتا ہے کہ "منزلۃ" اس کو جنس ہے جو دیگر منازل (مراتب) کی طرف بھی تضام ہے لہذا یہ عام ہو گا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا جواب ملا سعد الدین نکھازی رحمۃ اللہ نے شرح مقاصد میں یوں دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ لفظ "منزلۃ" کی اضافت و نسبت "تمام مراتب کی طرف ہے۔ بلکہ یہ اسم مفرد ہے، اسم مفرد اور مضاف زیادہ سے زیادہ مطلق ہوتا ہے اور ہر اوقات یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے وہ معہود معین یعنی جانا پہنچانا تعین شدہ ہے جیسے یہ کہنا زید کا غلام "اتھی۔ اب ان دونوں وجہوں پر مخالف کا استدلال عمومیت جوہر سے کٹ گیا کیونکہ مطلق تو کسی بھی فرد پر صادق آجاتا ہے۔ لہذا مخالف کا یہ کہنا کہ "حضور ﷺ نے حضرت ہارون علیہ السلام والی تمام فضیلتیں سیدنا علیؑ کے لیے ثابت کی ہیں۔ باطل ہو گیا (اور یہ محض نہیں) اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ مطلق نہیں بلکہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے تب بھی اس کے مہود و متعین ہونے پر یہاں قرائن موجود ہیں اور وہ یہ کہ یہاں "منزلۃ" سے مراد غزوہ تبوک کے دنوں میں مدینہ پر رسول اللہ ﷺ کا غلیخہ بننے کی منزلت ہے اور اصول میں یہ بات مقرر ہے کہ حکم کو معہود و متعین پر محمول کرنا استغراق و عموم پر محمول کرنے سے مقدم ہے۔ اگرچہ کہ محل کے لیے عموماً کی قابلیت فرض کر لی جائے بالخصوص جس بحث میں ہم ہیں۔ اس میں تو استغراق و عموم پر حمل درست ہی نہیں کیونکہ اس میں محل کے لیے عموم کی بالکل قابلیت نہیں ہے۔ مزید اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور علامہ اصفہانی نے شرح الطوابع میں فرمایا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اسم جنس عام ہوتا ہے (جیسا کہ لفظ منزلت) جبکہ اس کو اسباب تعریف سے خالی کر دیا جائے اور اسی طرح لفظ کل) بلکہ یہ اسمائے مطلقہ میں سے ہوتا ہے کہ برہیل بدلیت ہر فرد پر صادق آسکتا ہے ورنہ تو مطلق و عام کے درمیان کچھ فرق ہی باقی نہ رہے گا اور ظاہر ہے کہ یہاں پر نبی کریم ﷺ نے جو حضرت علیؑ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے وہ اخوت و قرابت میں ہے۔ اتھی۔

وجہ ۳: اگر مخالف کی وجہ استدلال ورود استثنائے متصل ہو جو کہ باب استثناء میں اصل ہے تو ہم نہیں گے کہ اس کا جواب بھی علامہ نکھازی رحمۃ اللہ نے شرح مقاصد میں دے دیا ہے اور وہ یہ کہ استثنائے مذکورہ "منزلۃ" کے بعض افراد کو خارج کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ لکن کے معنی میں مستثنیٰ منقطع ہے اور یہ عمومیت پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ کئی عربی دان پر مخفی نہیں مزید یہ کہ یہاں عمومیت مراد لینا کیونکہ ممکن ہے کہ جناب ہارون علیہ السلام مراتب میں تو نسبی اخوت بھی ہے اور مولائے

کائنات کے لیے تو وہ ہے نہیں اتھی۔

وجہ ۴: اگر محال یہ استدلال کریں کہ لفظ "منزلۃ" ہی تمام مراتب کو شامل ہے تو ہم کہیں گے اگر لفظ "منزلۃ" تمام مراتب کو شامل ہو تو حضرت علی کو خلیفہ بنانا من کل الوجوه (کلی طور پر) حضرت ہارون کو خلیفہ بنانے کی طرح ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی غزوہ تبوک کے دنوں میں مدینہ میں مسلمانوں کے لشکر پر نہیں بلکہ مسلمان عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنائے گئے تھے اور اس غزوہ میں جو بھی مسلمان مرد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کے لیے جانے پر قادر تھا وہ چلا گیا تھا پیچھے نہ رہا تھا۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ 30000 تیس ہزار افراد حضور ﷺ کے ساتھ گئے اور ستر ہزار کا قول بھی کیا گیا ہے۔ مومن مردوں میں سے مدینہ میں صرف معذور یا عاصی افراد ہی رہے تھے اور کوئی نہ تھا جمعی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ روئے تھے اور کہا تھا کہ مجھے حضور ﷺ نے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ یہ تو تھا اختلاف علی اب ذرا حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننا بھی دیکھیے۔ حضرت موسیٰ آپ رضی اللہ عنہ کے کل لشکر پر خلیفہ تھے اور موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے چھ لاکھ کے لشکر میں سے صرف 70 ہزار ادا کو اپنے ساتھ کوہ طور پر لے کر گئے تھے جیسا کہ کتاب عزیز قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے۔ دونوں میں کس قدر فرق ہے پتہ چلا کہ لفظ "منزلۃ" کی عمومیت پر کچھ بھی دلالت نہیں ہے۔

وجہ ۵: محال کا یہ کہنا ہے کہ سیدنا ہارون رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ بھی تھا کہ وہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب سے کلی طور پر افضل اور اللہ کے ہاں ان میں من کل الوجوه سب سے زیادہ ثواب والے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ کلام ممنوع ہے کیونکہ اگر تو اس نے یہاں عمومی معنی کے ساتھ فضیلت کلی مراد لی ہے یوں کہ حضرت ہارون جناب موسیٰ رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب اور ان کی ساری امت سے ہر فضیلت میں زائد ہوں تو ان کے حق میں بالکل یہ صحیح نہیں۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی یقیناً ایسا استدلال صحیح نہیں کیونکہ بعض امتیوں کے نصیب میں کوئی ایسی فضیلت بھی ہو سکتی ہے جو نبی کے حق میں نہ پائی جائے۔ مثال کے طور پر مرتبہ شہادت ہے کہ بعض امتیوں کے حق میں تو موجود تھا لیکن جناب ہارون رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں تھا۔ اور اگر اس نے فضیلت کلی سے فضیلت مطلقہ کا ارادہ کیا ہے کہ جس فرد کا مل (یعنی یہ کہ نسبت دیگر ساری امت کے جناب ہارون رضی اللہ عنہ کا ثواب اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ہے) مراد ہے تو یہ فرد کامل (اکثریت ثواب) حضرت ہارون کے حق میں اس

حدیث کے سبب سے نہیں بلکہ ان کے نبی مرسل ہونے کی وجہ سے ثابت ہے اور رسول اس فضیلت کی وجہ سے غیر رسول سے افضل ہوتا ہے لیکن حضرت علی کے حق میں تو نبوت و رسالت کے اوصاف نہیں پائے جاتے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ اس اعتبار سے تمام امت پر ان کی فضیلت ثابت ہو جائے حالانکہ یہ وصفت ان کے لیے ثابت ہی نہیں اگرچہ کہ وہ خلفاء ثلاثہ کے بعد دیگر ساری امت سے افضل ہیں جس پر ہماری ذکر کی ہوئی حدیثیں گواہ ہیں اور اس میں کوئی کلام بھی نہیں ہے۔

وجہ ۶: اگر ہم برہیل تنزل مان بھی لیں کہ یہاں عموم مراتب ہے۔ تب بھی اس میں شک نہیں کہ دلالت مقام کی وجہ سے یہ مخصوص و معین ہو جائے گا کیونکہ مقام یہاں یہ ہے کہ خاص تبوک کے دنوں میں جناب امیر کو مدینہ پر خلیفہ بنایا گیا ہے۔ اس پر دلیل اس حدیث کا سابق ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر جناب علی کو اپنے پیچھے مدینہ کا خلیفہ بنایا تو انہوں نے عرض کی آقا! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنا کر جا رہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا علی! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ حضور ﷺ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب غزوہ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل پر خلیفہ بنایا اور ان کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا تو منافقین جناب علی پر بہتان باندھنے لگے کہ حضور نے انہیں بوجھ سمجھتے ہوئے مدینہ کا خلیفہ بنا دیا ہے۔ سعد فرماتے ہیں حضرت علی نے اپنے ہتھیار لیے اور یہاں تک کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت مقام "نہف" میں تشریف فرما تھے حضرت علی نے عرض کی اے اللہ کے نبی! منافقین تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے مجھے بوجھ سمجھ کر اور مجھے تنگ آ کر خلیفہ بنا دیا ہے فرمایا انہوں نے جھوٹ کہا میں نے تو تمہیں اپنے پیچھے والوں کے لیے خلیفہ بنایا ہے جاؤ میرے اور اپنے اہل میں میری نیابت ادا کرو کہا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی (رضی اللہ عنہ و رضی اللہ عنہ)۔ ان دونوں اور اس طرح کی دیگر حدیثوں کے سابق سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدینہ پر خلیفہ بننا غامض تبوک کے دنوں میں تھا۔ اور یہ اس حوالے سے نص صریح ہے کہ یہاں پر عام سے مراد یہ فرد غامض ہے تو قطعی طور پر یہ مادہ فضیلت کو شامل نہ ہوگی۔ جیسا کہ اس مردود رسالے والے کو غلطی لگی اور ہم ہوا ہے لہذا اس کا قول و استدلال حتماً یقیناً باطل ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس اعتبار

سے ہے کہ اس حدیث کی افضلیت پر دلالت نہیں رہی۔ موقف کہ اس حدیث سے جناب علی کا بعد رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑھ کر حقدار خلافت ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ تو سنئے اس کی تفصیل کے لیے اس پر سیاق حدیث دلالت کرتا ہے (جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) اور اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب علی کو جناب ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو پیچھے انہیں خلیفہ بنا کر گئے تھے لیکن جب واپس اپنی قوم کی طرف آئے تو لوٹنے کی وجہ سے وہ نیابت ختم ہوگئی اور حضرت ہارون اپنی پہلی ہی حالت پر آگئے ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے غزوہ تبوک میں مشغول ہونے کے دنوں میں اہل مدینہ پر خلیفہ تھے پھر جب حضور واپس آئے تو نیابت ختم ہوگئی اور حضرت علی اپنی حالت اصلہ پر لوٹ آئے کہ ابھی ابھی معلوم ہو چکا کہ اصل کے لوٹنے پر نائب کے حکم کا نفاذ ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس حدیث انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کا معنی یہ ہوگا کہ مدینہ پر نائب بننے کا معاملہ صرف ایام تبوک میں تھا۔ اور بلاشبہ اس طرح تو حضور ﷺ نے متعدد غزوات اور متعدد عمروں میں بہت دفعہ کئی صحابہ کو خلیفہ بنایا ہے۔ آپ ﷺ جب بھی کسی غزوے و حج یا عمرے کو جاتے تو اپنے کسی صحابہ کو مدینہ پر خلیفہ بنا دیتے تاکہ اہل مدینہ کا کوئی معاملہ وغیرہ بگڑنے اور دشمن کے شر سے حفاظت کا ضامن ہو۔ برا اوقات آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اسی طرح بعض دفعہ حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو نیابت دی اور بعض اوقات ان کے علاوہ اور بھی حضور ﷺ کے خلیفہ بننے رہے کہ جب آپ ﷺ غزوہ بدر کو گئے تو حضرت ابولہبہ بن عبد المذکر اور غزوہ بنی مصطلق کو جاتے ہوئے حضرت ابوذر غفاری کو اسی طرح غزوہ ذی امر کو تشریف لے جاتے ہوئے حضرت عثمان بن عفان اور غزوہ قینقار کے موقع پر حضرت بشر بن منذر کو خلیفہ بنایا رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح اپنے دیگر اسفار میں ان کے علاوہ کو بھی خلیفہ بنایا۔ حضور ﷺ نے پھر سفر کے موقع پر کسی نہ کسی کو خلیفہ بنایا بلکہ حجتہ الوداع جو آپ کا سب سے آخری اور غزوہ تبوک کے بھی بعد کا سفر تھا اس وقت آپ نے جناب علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور صحابی حضرت ابو دجانہ مساعدی انصاری غزوہ جی مساک بن خربہ جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں انہیں مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ حجتہ الوداع سے کچھ پہلے حضور ﷺ نے جناب امیر کوہن کا خلیفہ بنا کر روانہ کر دیا تھا۔ شامی نے اپنی "سیرت" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ ۱۳ مرتبہ حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو اپنے سفروں میں پیچھے خلیفہ بنایا ہے۔ اتنی۔ اب اگر یہ خلیفہ بنانے کا عمل خلافت

اولیت پر دلالت کرنا تو کجا خلافت بعدیت پر بھی دلالت کرتا ہوتا تو یہ سب خلفائے مصطفیٰ اس کے مستحق ہو چکے ہوتے بالخصوص ابن ام کلثوم کہ حضور ﷺ نے انہیں تیرہ ۱۳ مرتبہ اپنا خلیفہ بنایا اور بالخصوص حضرت ابو دجانہ کہ حضور ﷺ نے اپنے سب سے آخری سفر میں انہیں نائب بنایا تھا۔ جب جالی باطل ہے تو مقدم بھی باطل ہے۔

اعتراض: اگر اس جواب پر یہ اشکال کیا جائے کہ علم اصول میں یہ طے ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں ہوتا (اور یہاں اس کے برخلاف ہے)۔

جواب: تو ہم کہیں گے کہ ہم پہلی تین وجوہ میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ لفظ منزلة میں یہاں اصلاً عموم ہے ہی نہیں چلو اگر ہم اس میں عموم مان بھی لیں تب بھی ظاہر ہے کہ شوافع کے نزدیک تو اس قاعدے کا برعکس معتبر ہے یعنی ان کے نزدیک تو وہ اگرچہ اس قاعدے کے قائل ہیں لیکن تین مقامات ایسے ہیں جن کا وہ استثناء کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ جب تخصیص پر حال و مقام کی دلالت و قرینہ موجود ہو تو وہاں مخصوص سبب کا اعتبار ہوتا ہے عموم لفظ کا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کسی نے کوئی شے مطلق در احم کے بدلے خریدی تو یہاں وہی درہم مراد ہوں گے جو اس شہر کے معروف نقدی ہے۔ اسی طرح جب ایک نے دوسرے کو کہا آؤ میرے ساتھ دن کا کھانا کھاؤ اس نے آگے سے کہا اگر میں کھانا کھاؤں تو میرا غلام آزاد۔ اب اس نے یہ نہیں کہا کہ تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں تو غلام آزاد لیکن اس کے باوجود کھانا کھانے کی صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہاں یہ علت اسی کے ساتھ اس وقت میں کھانا کھانے کی طرف لوٹے گا کسی اور وقت یا کسی اور شخص کے ساتھ کھانا کھانا یہاں مراد نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایک نے دوسرے سے کہا کیا تم آج رات جنابت کا غسل کرو گے۔ اس نے کہا اگر میں غسل کروں تو میرا غلام آزاد۔ اب یہاں بھی اس نے آج رات اور جنابت سے غسل کرنے کا نہیں کہا لیکن اس کے باوجود غسل کرنے کی صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہاں خاص اسی رات میں غسل جنابت مراد ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے کسی اور رات میں یا اسی رات میں بغیر جنابت کے غسل کیا تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں دلالت حال بطور قرینہ صارفہ موجود ہے۔ جو جواب کو سوال سابق کے ساتھ خاص کر رہی ہے۔ جیسا کہ شمس الدین فزاری کی فصول البدائع اور ابن حمام رحمۃ اللہ کی التحریر اور ان کے علاوہ دیگر کتب اصول و فروع میں موجود ہے۔ اسی طرح جو ہماری بحث ہے اس میں بھی جب نبی مکرم

ﷺ نے مولائے کائنات سے فرمایا کہ میں نے غزوہ تبوک جانے کے لیے آپ کو مدینہ کا خلیفہ بنایا ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی رفاقت و معیت سے پیچھے رہنا دشوار لگا تو عرض کی آقا! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنائے جا رہے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا علی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ سے تھی۔ تو یہاں پر کلام اور پھر دو مستحکم کی حالت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جناب امیر کی تشبیہ حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص اس معاملے میں تھی کہ غزوہ تبوک کے ایام میں آپ کو مدینہ پر خلیفہ بنایا گیا ہے مزید دیگر ایام کہ تبوک کے علاوہ ہوں یا کوئی اور شہر کہ علاوہ مدینے کے ہو اس کو یہ تشبیہ تو حیات جان کائنات ﷺ میں بھی شامل نہیں چہ جائیکہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی رحلت ظاہر کے بعد اسے ثابت کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی خلافت بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھی او وہ بھی تب جب موسیٰ رضی اللہ عنہ سوئے طور تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ اور کسی قوم یا اور دونوں کو تو..... حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی شامل نہیں چہ جائیکہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ثابت ہو اور یہ سب باتیں کوئی چھپنے کی نہیں بلکہ بہت واضح ہیں۔

نمبر ۲: یہ کہ جب سوال میں مذکور سبب جواب میں موثر ہوگا تو ایسا جملہ مذکورہ قاعدہ کہ بعض حنفیہ اور دیگر کے نزدیک ہے کہ اعتبار خصوص سبب کا نہیں عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ مستثنیٰ ہو جائے گا۔ جیسا کہ مولانا شمس الدین فاری نے ”فصول البدائع“ میں یہ بات بیان فرمائی ہے اور کوئی شک نہیں کہ ہم بھی ایسے ہی مسئلے پر کلام کرتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا چکے اس کے باوجود وہ ایام تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت نہ ملنے پر درود و دشواری محسوس کر رہے ہیں تو یہی سبب ہے کہ حضور ﷺ نے پھر ان کی تسکین قلبی کے لیے فرمایا علی! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ سے تھی۔ تو کوئی شک نہ رہا تو حضور ﷺ کا یہ فرمان سبب مذکور کے ساتھ خاص ہے ﷺ و رضی اللہ عنہ۔

نمبر ۳: یہ کہ علامہ شمس الدین فاری رحمۃ اللہ نے اپنی بدائع میں یہ بات بھی بیان فرمائی ہے کہ جب کوئی جواب اپنے ماقبل سوال کا جزو واقع ہو تو وہ جواب غیر مستقل ہوتا ہے اور بلا خوف اپنے ماقبل سبب خاص کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے وہ جواب جو ”قا“ جزائیہ سے ملا ہوا ہو مثلاً کہا جاتا ہے: ما بال من واقع فی نہار رمضان عامدا فیقال فلیکفر۔ اس شخص کا کیا حکم ہے

جس نے رمضان کے دنوں میں جان بوجھ کر اپنی بیوی سے قربت کی۔ تو کہا جائے گا وہ کفارہ ادا کرے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔

ہماری گنگو بھی اسی موضوع کی ہے کیونکہ یہاں پر بھی جواب سوال مذکور کا جزو واقع ہوا ہے وہ ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا ”جب آپ کو مجھ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو جاؤ میں نے آپ کو یہ مرتبہ کاملہ دیا کہ (ان دنوں میں) آپ کا قیام میرے ہی حتم میں ہوگا جیسا کہ حضرت ہارون کا (ان دنوں) کا قیام حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کے مقام میں تھا۔ اور ”قا“ کا ذکر بطور مثال کے ہے وگرنہ اصل دار و مدار شرط جزاء پر ہے اور وہ ”قا“ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ یہاں پر تو ابن احنق کی پیچھے گزری ہوئی روایت میں ”قا“ بھی موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ”فاخلفی فی اہلی و اہلک“ علی! میرے اور اپنے اہل میں میرے نائب بن کر رہو۔ یہاں پر یہ وضاحت کر دوں کہ جواب نمبر ۲ اور نمبر ۳ ایک نہیں بلکہ ان میں دو وجہ سے فرق ہے۔

اول: جواب ۲ کا عمل مستقل ہے جیسا کہ فصول البدائع میں اسے سیاقا سیاقا بیان کیا ہے۔ جبکہ تیسرے جواب کو علماء نے غیر مستقل شمار کیا ہے۔ اس کی صراحت بھی فصول میں ہے۔ دوم: یہ کہ تیسرا جواب، اپنے ماقبل سے اعم ہے کیونکہ یہ ایک بطور جزاء واقع ہونے والی شے ہے اور اس سے پہلے واقع ہونے والی شرط اس میں بما اوقات موثر ہوتی ہے اور ہر ہر اوقات نہیں بھی ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فاذا فرغت فانصب و االی ربک فارغب۔ ترجمہ کنز الایمان: ”تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب کی طرف رغبت کرو۔“ اسی طرح ہمارا یہ قول: ”ان اکرم منی اہل لذلک و ان اہنتنی فانت قاعد علی ذلک۔“ اگر تم میری عزت کرو تو تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے اور اگر اہانت کرو تو قادر ہو سکتے ہو ہماری باتوں میں تدبر کیجئے نصیحت لیجئے اور بصیرت کے ساتھ دیکھئے ان شاء اللہ آپ دیکھیے حق کو پہچان جائیں گے۔ امید و عرض تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے (پوری کرے آمین)

وجہ ۷: یہ کہ اس حدیث سے عمومیت کا معنی لے کر اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کلی مراد لینا قطعاً درست نہیں کہ یہ قطعیت کا قاعدہ دینے والی مذکورہ احادیث متواترہ اور اجماع کے مخالف ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قطعی کا مقابل نہیں بن سکتا۔

وجہ ۸: مذکورہ افضلیت مراد لینے کی عدم صحت پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود کمال علم و فضل اور دقائق عربی کی معرفت رکھنے کے شخص کو خود پر فضیلت دی اور عام خلق خدا کے سامنے برسر منبر دوران خطبہ شخص پر اپنی افضلیت کی صراحت نفی کی جیسا کہ مذکورہ دونوں قسموں میں گزرنے والی بعض حدیثوں میں بھی اس کی صراحت ہے۔ اور اس میں بھی کوئی خفاء نہیں کہ یہ اعلان حق آپ نے اپنی خلافت کے دوران ہی فرمایا کیونکہ ہم پہچھے علامہ زرقانی رحمہ اللہ شارح مواہب الدنیہ نے علامہ سیوطی سے نقل کیا تھا ان کے حوالے سے یہ ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت علی قبل خلافت کوفہ میں داخل ہی نہیں ہوئے خلیفہ بننے کے بعد ہی وہاں تشریف فرما ہوئے اور راہہ جواب جو شیعہ شیعہ نے دیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ بطور تقیہ ڈرتے ہوئے کہا تھا تو اس دعویٰ پر بھی نقبہ ثقیہ قسم اول کے آخر میں ہم اتنی سیر حاصل گنگو کر چکے ہیں جس پر مزید کلام کی حاجت نہیں اس کا جواب دہی دیکھ لیا جائے۔

وجہ ۹: اگر مذکور صاحب رسالہ مردودہ یا اس کے علاوہ شیعہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کلی اور سب سے زیادہ حقداری خلافت کی دلیل اس تشبیہ کو بنائیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس حدیث مبارک میں حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کی مثل صاحب نبوت حضرت ہارون نبی مرسل کو اللہ کے بھیجے ہوئے نبی جناب موسیٰ رضی اللہ عنہ سے دی گئی ہے جیسا کہ ان دونوں صاحبوں کی رسالت کو اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے: **فَقُولَا اَنَا رَسُولَا رَبِّكَ** ترجمہ کنز الایمان: اور اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں تو (ہم کہیں گے) ہماری جانب سے اس کا جواب تین وجہ سے ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک وجہ مستقل ہے جب ہم انہیں مذکورہ نو وجوہات کے ساتھ ملائیں گے تو یہ مکمل بارہ ۱۲ وجوہات ہو جائیں گی۔ کمالاً بخفی۔

نمبر ۱: یہ تشبیہ شخص دونوں یا ان میں سے ایک یا تینوں خلفائے ثلاثہ کسی پر بھی فضیلت کو مستلزم نہیں وجہ ہم پہچھے بیان کر آئے ہیں کہ یہ بیان فضیلت ہے بیان افضلیت نہیں کیونکہ یہاں افضل التفضیل کا صیغہ نہیں ہے۔

نمبر ۲: یہ کہ اس حوالے سے حافظ ابوالعباس خراسانی نے اپنی کتاب منہاج الاستقامہ میں جو کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شے کی دوسری شے سے تشبیہ اس لحاظ سے ہوتی ہے جس پر سیاق

کلام دلالت کر رہا ہونہ یہ کہ پھر شے میں مساوات ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں پر بھی حضرت علی حضرت ہارون کے مرتبے میں صرف اسی لحاظ میں ہیں جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کا حضور رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ پر خلیفہ بننا ہے جیسا کہ حضرت ہارون رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے خلیفہ بنے تھے اور خلیفہ بننا کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے تو نہیں ہے۔

نمبر ۳: یہ کہ اس کی مثل تشبیہ اس سے بڑھ کر بروہ اتم و اکمل جناب صدیق کی شان میں بھی وارد ہوئی ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جیسا کہ قیدیوں والی حدیث میں جب حضور رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق سے مشورہ کیا تو انہوں نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے پیش کی حضرت عمر سے پوچھا تو انہوں نے قتل کرنے کا مشورہ دیا اس پر رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے فرمایا میں تمہیں تمہارے ان دونوں صاحبوں کے بارے خبر دیتا ہوں اے ابو بکر! آپ تو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کی مثل ہیں کیونکہ ابراہیم رضی اللہ عنہ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی:

فمن اتبعنی فإِنَّه منی و من عصانی فإِنَّک غفور رحیم۔

اے اللہ! جس نے میرا ساتھ دیا وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری بات نہ مانی تو بیشک بخشے

والا مہربان ہے۔

اور جناب عیسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

إِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

اے اللہ! اگر تو انہیں عذاب دے گا تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تو غالب

اور حکمت والا ہے۔

اور اے عمر! آپ جناب نوح اور موسیٰ رضی اللہ عنہ کی مثل ہیں کیونکہ نوح رضی اللہ عنہ کی عرض یہ تھی:

رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ دے۔

اور موسیٰ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ۔

ہماری دولتیں ان کے سامنے مٹ جائیں اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ وہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ عذاب نہ دیکھیں۔

اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو مٹا دے ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ جب تک درد ناک عذاب نہ دیکھیں ایمان نہ لائیں۔

اس حدیث میں جناب ابو بکر کو حضرت ابراہیم و عیسیٰ اور جناب عمر کو حضرت نوح و موسیٰ علیہم السلام سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بات بھی مخفی نہیں کہ یہ چاروں انبیاء سیدنا ہارون سے افضل ہیں کیونکہ یہ صاحبان کتب اور رسل اولو العزم ہیں جب کہ حضرت ہارون علیہ السلام ایسے نہیں۔ لہذا کوئی شک نہیں کہ حضرت ہارون کی نسبت ان بزرگوں سے تشبیہ دینا زیادہ بزرگی و کمال کا باعث ہے۔ تو اگر اس تشبیہ کی بناء پر حضرت علی کے کلی افضلیت اور اولین حق خلافت ثابت ہو سکتا ہے تو پھر ان احادیث سے یہ دونوں چیزیں شیخین کے لیے برو جہ اتم و اکمل ثابت ہوں گی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن! ابو بکر کا مقام میرے نزدیک ایسے ہے جیسا میرا رب کے نزدیک ہے (اس کو ملانے اپنی "سیرت" میں روایت کیا ہے اور محب طبری اپنی ریاض النضرہ میں بیان کیا ہے)۔ یہ بالکل واضح ہے کہ تشبیہ سابقہ تمام تشبیہات سے کامل اور تمام ہے کیونکہ اس میں باعتبار منزلت حضرت ابو بکر کو تمام بندگان خدا میں سب سے افضل ہستی حضور سید المرسلین (صلوات اللہ وسلامہ علیہ الی یوم الدین قیامت تک ان پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو) سے تشبیہ دی گئی ہے پھر مزید یہ کہ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی منزلت کو رب الغلین عروبل کی طرف منسوب کیا ہے (اور ابو بکر کو اپنی طرف تو ان کی کتنی بلند شان ہوئی) اعتراض اگر یہ کہا جائے کہ سیاق حدیث کا تقاضا یہ ہے حضرت ابو بکر کی تشبیہ حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ بندگان خدا پر مہربان اور رفیق القلب ہونے میں ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت نوح و موسیٰ علیہم السلام کے ساتھ تشبیہ شدت و سختی اور عدم رقت میں ہے۔ ان دو باتوں کے علاوہ کوئی اور تشبیہ نہیں ہے..... تو ہم کہیں گے کہ ایسا ہی معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ وہ یوں کہ جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے دنوں میں ان کی قوم پر ظیفہ بنے تھے۔ ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے غزوہ تبوک پر جانے کے دنوں میں آپ ﷺ کے ظیفہ بنے تھے اور یہی سیاق حدیث اور اس پر دلالت کرنے والے ان تمام قرآن کا تقاضا ہے جن کو ہم پیچھے تفصیلاً ذکر کر آئے ہیں۔ بلکہ یہ آخری حدیث جو ہم نے حضرت ابو بکر کی شان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے یہ تو تشبیہ مطلق ہے اس میں کوئی سیاق و سباق

نہیں کہ جس نے حدیث کو کسی قدر سے مقید کیا ہو۔ کہا لا یغنی۔

اعتراض: اگر ہم سے یہ کہا جائے کہ آپ نے اپنے بعض رسائل میں ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک لفظ "مثل" اور کاف تشبیہ عموم کو ثابت کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ نے اس پر یہ مسئلہ بھی متفرع کیا کہ اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان کو کہا کہ میں تمہاری مثل ہوں تو اس کا اسلام ثابت ہو جائے گا۔ لہذا آپ کو چاہیے کہ آپ یہاں بھی عمومیت کا قول کریں۔

جواب: نوع اول: ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں مسئلوں کے درمیان تین وجہ سے فرق عظیم ہے۔
۱- یہ کہ ہم نے مسئلہ اسلام میں جو عمومیت ذکر کی ہے وہ لفظ مثل اور کاف تشبیہ کے حوالے سے ہے نہ کہ لفظ "منزلہ" کے حوالے سے اور اصول کی کتابوں میں مصرح ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ان دونوں لفظ مثل اور کاف تشبیہ میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ لفظ منزلہ کو ان پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ لغت میں قیاس نہیں چلتا اس پر ہم پیچھے تفصیلاً کلام کر آئے ہیں۔
۲- یہ کہ لفظ مثل اور اس طرح کے دیگر الفاظ کی عمومیت کے حوالے سے علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اسی کے قائل ہیں لیکن جمہور اس سے منع کرتے ہیں۔ اور کتب فقہ میں یہ مسئلہ مقرر ہے کہ جب کسی لفظ میں دس یا سو وجوہ عدم اسلام کو ثابت کرنے والے ہوں اور ایک وجہ موجب اسلام ہو تو جانب اسلام کو ترجیح دی جائے گی (جیسا کہ شرف النبوة اور ذخیرۃ الناطرہ وغیرہما میں اس کی تصریح ہے) اور علماء نے یہ بھی فرمایا کہ اثبات اسلام کی ضعیف روایت عدم اثبات کی قوی روایت سے راجح ہوگی اور حتی الامکان اسلام کو ترجیح دینے کے لیے اسی پر عمل کیا جائے گا تو یوں ہم نے بعض کے قول کے بنیاد پر وہاں اسلام کا حکم دیا تاکہ جانب اسلام کو ترجیح ہو کیونکہ اسلام غالب ہوتا ہے۔ مغلوب نہیں ہوتا اور رہا یہاں کا معاملہ تو یہ مقام تو افضلیت پر استدلال کا مقام ہے اور یہاں حضرت ابو بکر یا خلفائے ثلاثہ پر تفضیل علی کے قول کو مثل مذکور کوئی ترجیح نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے لہذا یہاں قول جمہور کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

۳- یہ کہ ہم نے جو "ان مثلك" میں عمومیت کا حکم لگایا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ مشیت بالکل مطلق ہو اور اسلام کے علاوہ کسی اور شے سے مقید نہ ہو یہاں تک کہ اگر ذمی نے مسلمان کو کہا "انا مثلك في الشباب والشيخوخة" کہ میں جوانی بڑھاپے میں تمہاری مثل

ہوں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ مسلمان نہ ہوگا اور جس مسئلے میں ہماری گفتگو چل رہی ہے وہ اسی قید و تقید کے قبیل سے ہے کیونکہ بیاق حدیث میں صداقت ہے کہ حضرت علی کی حضرت ہارون سے تشبیہ توک کے دنوں میں مدینہ پر خلیفہ بننے کے ساتھ مقید ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور شے میں نہیں لہذا اس میں عمومیت کا قول کرنا بالکل صحیح نہیں اور اس کی قطعاً کوئی راہ نہیں۔ یہ واضح اور قوی ترین جواب ہے۔ (نوع اول ختم ہوئی)۔

نوع ثانی: اس میں تین وجوہ ہیں:

- ۱- اگر ہم برسمیل تنزل (یعنی ذمی کی راہ اختیار کرتے ہوئے) مان بھی لیں کہ حدیث "أنت مني بمنزلة هارون وموسى" کی عموم مراتب پر دلالت ہے تب بھی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد بالاجماع ظنی ہے۔ قطعیت کا بالکل فائدہ نہیں دیتی لہذا مخالفت کا قول قطعیت سرے سے ہی باطل ٹھہرا۔
- ۲- فرض کیا کہ لفظ منزلة میں عموم ہے لیکن اس میں تو شک نہیں کہ اس کی دلالت ظنی ہے کیونکہ یہ جمہور کے مخالف ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حرف تشبیہ میں کوئی عموم نہیں۔ لہذا ایسی اختلافی صورت قطعی نہ ہوگی۔

۳- اس حوالے سے تو عضد الدین نے موافقت اور سید شریف نے زمین شرح (رحمہما اللہ) میں جو بیان فرمایا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمام مراتب پر حدیث کی عمومیت کو فرض کر بھی لیا جائے تب بھی یہ ایسا عام ہوگا جس سے بعض کو خاص کر لیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کے مراتب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی بھائی تھے (جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں) اور خاص کیا ہوا عام بقیہ میں حجت نہیں رہتا یا ضعیف حجت ہوتا ہے۔ اتنی ان کا کلام ختم ہوا۔ یعنی سب کے قول پر اس کو قطعی کہنا باطل ٹھہرا۔

مزید یہ کہ یہ دلیل قطعی فضیلت پر دلالت کرنے والے قرآن کی نہیں بلکہ اس کے برعکس ظہنیت پر دلالت کرنے والے قرآن کو شامل ہے۔ اس کی موافقت پر کوئی حدیث متواتر یا اجماع بھی نہیں ہے کہ جس کے سب سے یہ ضعیف قوی اور ظنی قطعی ہو جائے۔

نوع ثالث۔ اس میں گیارہ وجوہ ہیں چھ تو وہی جو نوع اول پہلی چھ میں مذکور ہیں کہ یہ ساری کی ساری اس بات کا فائدہ دیتی ہیں کہ یہ حدیث افضلیت کلی پر دلیل نہیں ہے۔

وجہ ۷: اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ لفظ "منزلة" میں تمام مراتب کی عمومیت ہے اور یہ نبی کریم علیہ السلام کے بعد خلافت کو شامل ہے تو یہ صحیح تو اس وقت ہی ہوگا جبکہ مشہد بہ (جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے) اس میں بھی ایسی خلافت پائی جائے حالانکہ بعد موسیٰ علیہ السلام کے خلافت ہارون کے نہ ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ سیدنا ہارون علیہ السلام تو جناب موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہی وفات پا گئے تھے میرا کہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ کی شرح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک اور شیخ عبدالحق محدث جلی رحمۃ اللہ کی شرح مشکوٰۃ میں اس کی تصریح موجود ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے قائم مقام حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہوئے تھے۔ تو ایک وہ چیز جو مشہد بہ میں سرے سے موجود ہی نہیں صرف تشبیہ کا سہارا لے کر اس کو مشہد بہ (جس کو توجہ دی گئی ہے) میں ثابت کرنا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ ایک ذمی دوسرے ذمی سے کہے "أنا مثلك" میں تیرے جیسا ہوں تو بالاتفاق وہ مسلمان تو نہ ہوگا کیونکہ مشہد بہ میں وصفت اسلام قطعی طور پر موجود ہی نہیں اسی طرح ہمارا یہ کہنا کہ زید بہادری میں شیر کی مانند ہے تو یہ زید کی شیر کے ساتھ تشبیہ خاص بہادری میں ہے (نکہ عام) جیسا کہ عرف و محاورہ میں بھی یہ معلوم ہے اور علم بیان (بلاغت) میں بھی مذکور ہے۔ پھر اگر وہ تشبیہ (جس بات میں تشبیہ دی جا رہی ہے اس) میں عمومیت کو فرض کر لیا جائے تب بھی یہ اس وصفت کو شامل نہ ہوگا جو مشہد بہ میں اصلاً موجود ہی نہیں تو یہ بھی صحیح ہوگا کہ شیر آٹھ ٹانگوں والا ہو گھٹنگو کرنے والا یا عربی وغیرہ دیگر زبانیں بولنے والا (حالانکہ ایسا نہیں اس مشہد بہ شیر میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں) اور ہمارا مسئلہ سمجھو کہ بھی اسی قسم کا ہے۔ یہ جواب اس نوع کے جوابات میں سے واضح اور قوی ترین ہے اس کی تائید ریاض النضرۃ میں موجود محب طبری کی یہ عبادت بھی کرتی ہے فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں وفات مصطفیٰ کے بعد نفی خلافت کی خبر نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں اگر اس کو مابعد الوفا پر معمول کریں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ہارون سے بمنزلہ ہارون من موسیٰ ہونا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعد وفات خلیفہ ہونا حضرت ہارون میں موجود نہیں کیونکہ بعد حضرت موسیٰ حضرت ہارون نہیں بلکہ یوشع بن نون ان کے خلیفہ تھے۔

اعتراض: اگر آپ کہیں کہ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ اس حدیث سے جناب علی رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ حق خلافت ثابت ہے بلکہ ہمارا مدعی یہ ہے کہ اس حدیث سے جناب علی رضی اللہ عنہ کا خلافت کے لیے اولین مستحق ہونا ثابت ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ استحقاق کا معنی بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ اس کے ایسے حقدار ہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے غیر کو خلیفہ بنانا اور انہیں پھر اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ مذکورہ استحقاق پر یہ حدیث دلیل ہے تو کوئی شک نہیں کہ یہ تمہی ثابت ہوگا جب مشبہ یہ یعنی حضرت ہارون میں بھی یہ امر پایا جائے جب وہاں نہیں تو یہاں بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر آپ کا دعویٰ یہ ہو کہ یہ استحقاق کسی دوسری حدیث سے ثابت ہے تو لے آؤ ہم اس پر بھی کلام کر لیں گے۔ جیسے کوئی کہے کہ عرش موجود تھا پھر پھٹ گیا تو اسے دلیل تو دینی پڑے گی۔

وجہ ۸: اگر اس حدیث کا تقاضا یہ ہو کہ یہ خلافت اولین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے واقع ہوگی تو کیا حضور ﷺ کی طرف سے اس کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اب اگر تو یہ حضور صادق رضی اللہ عنہ کہ جو بغیر وحی کے اپنی خواہش نفس سے کچھ کہتے ہی نہیں کی خبر کے مطابق واقع ہو جاتی تو فہما لیکن جبکہ اس کا وقوع نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی یہ مراد تھی ہی نہیں۔

اعتراض: اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایام تو مکہ میں مدینہ پر خلیفہ بننا تو ثابت ہے لیکن یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ حضور ﷺ نے آپ کو معزول بھی کیا ہو اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس حالت پر ہو وہ اسی پر باقی رہتی ہے تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

جواب: ہم کہتے ہیں اس کے پانچ جواب ہیں:

۱- شریعت میں یہ بات معروف و مشہور ہے کہ اصل کے آجانے پر نائب کے حکم کا نفاذ ختم ہو جاتا ہے۔ اور حضور ﷺ کا جناب امیر کو خلیفہ بنانا اتنی ہی مدت کے ساتھ مقید تھا جب تک آپ غزوہ تبوک تشریف لے گئے تھے اور مدت پوری ہونے پر امر مقید ختم ہو جاتا ہے (لہذا حضور کے کہنے پر یہ خلافت مقیدہ ختم ہو گئی) اور یہ نیابت دینا کوئی ایسا نہیں تھا کہ جو دائمی طور پر ہو اور مدت کی قید سے مطلق ہو یہاں تک کہ اس پر مذکورہ اشکال وارد ہو سکے۔

۲- وہ جو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ سیاق حدیث اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ یہ نیابت (ایک خاص وقت کے ساتھ) مقید تھی مطلق نہ تھی۔

۳- یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتہائی غمگین ہو کر اور احمکباری کی حالت میں حضور ﷺ سے یہ عرض کرنا آتا! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر نائب بنا کر جا رہے ہیں؟ یہ شیعوں کے قول کہ "یہ خلافت دائمی تھی" کی تردید کرتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ یہ خلافت مردوں پر نہیں بلکہ عورتوں اور

بچوں پر ہے۔ اور دائمی خلافت کا دعویٰ تو تب مفید ہوتا جب آپ مردوں پر بھی عام خلیفہ ہوتے حالانکہ ایسا نہیں۔ پھر اگر شیعہ کہیں کہ حضور ﷺ کی مراد تو ہمیں نے سمجھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو نہیں سمجھی۔ یا ان کی نسبت ہم حضور ﷺ کی مراد کو زیادہ جاننے اور سمجھنے والے ہیں تو یہ ایسا قول باطل ہے جسے کوئی بھی دیندار قبول نہیں کرے گا۔

۴- وہ جو امام اصفہانی نے شرح طوابع میں بیان کیا کہ اگر یہ نیابت قید مدت سے مطلق بھی ہوتی تب بھی اس سے یہ لازم نہ آتا حضور ﷺ اپنی رحلت کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سونپ دیا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ہارون رضی اللہ عنہ سے بغیر مدت کسی قید کے فرمایا تھا "خلفی فی قومی" میری قوم میں میرے نائب ہیں تو اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ جناب موسیٰ نے اپنی وفات کے بعد کے لیے بھی انہیں خلیفہ قرار دے دیا کیونکہ ان کے قول خلفی میں کوئی ایرالفظ نہیں جو لازمی عموم پر ایسے دلالت کرتا ہو کہ ہر ہر زمانے میں ان کی خلافت کا مقتضی ہو یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی کو اپنے کاموں کا وکیل بنائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بعد وفات بھی وہ اس کا وکیل ہی رہے گا اسی طرح یہ ظاہر ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

وجہ ۹: اگر اس کی مثل نیابت دنیا رحلت شریف کے بعد کی خلافت اولین و ثابت کرنے والا ہو تب تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت یزید بن حارثہ، ابن ام کلثوم اور ان کے علاوہ دیگر افراد رسول اللہ ﷺ نے اپنے غزوات کے دوران اپنا خلیفہ بنایا سب کے سب اس خلافت کے حقدار ٹھہریں گے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں نہ افراد اہلسنت و جماعت میں سے نہ افراد شیعہ میں سے اور نہ کوئی اور۔

وجہ ۱۰: اگر اس حدیث کا تقاضا رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اولین کا اثبات ہوتا تو شیعوں سے بڑھ کر عربی زبان اور کلام نبی کے اسرار و رموز کو خوب پہچاننے والے مہاجرین و انصار صحابہ اسے سمجھ چکے ہوتے اور فرمان رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر کبھی اتفاق نہ کرتے (اور اگر بالفرض ایسا ہوتا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اللہ و رسول کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ کر ضرور ان سے مقابلہ کرتے اور یہ حدیث ان پر بطور حجت پیش کرتے اور کبھی بھی حضرت ابو بکر کی بیعت نہ کرتے کیونکہ آپ اللہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ کسی سے ذکر کر آپ حق چھپا لیتے بالخصوص شیعوں کے قول کے مطابق (تو ضرور جو انمردی کا مظاہرہ کرتے) کہ ان کے نزدیک جناب علی معصوم ہیں۔

جب مذکورہ باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوا تو واضح ہو گیا کہ حدیث کی یہ مراد ہی نہیں تھی۔

وجہ ۱۱: حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح مشکوٰۃ میں فرمایا اگر ہم جان بھی لیں کہ اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ثبوت خلافت ہے تو یہ اس کے منافی نہیں کہ اس کا ثبوت خلفائے ثلاثہ کے بعد ہے کیونکہ اولیت پر اصلاً کوئی دلیل نہیں ہے لہذا اس کا وہی مقام محل ہوگا جس میں یہ ظاہر واقع ہوتی ہے اتھی۔ یہاں تک حدیث ”منزلہ“ پر گفتگو مکمل ہوئی۔

اب آئیے دوسری حدیث مبارک کے جواب کی طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حضرت علی کے بارے میں کہ ”وہ ایسا شخص ہے جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول بھی اسے اپنا محبوب رکھتے ہیں“۔ یہ باب فضیلت سے ہے۔ اس میں افضلیت کا بیان نہیں ہے۔ اور ترجمہ محبت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کثیر صحابہ کلمتے بیان فرمایا ہے یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں موجود حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت کے مطابق حضرت زید بن حارثہ اور ان کے پیچھے حضرت مسلمہ کے بارے فرمایا زید مجھے لوگوں میں محبوب ترین ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے سے مجھے بہت محبت ہے۔ اسی طرح ترمذی شریف میں موجود حضرت اسامہ بن زید کی روایت کے مطابق حسنین کریمین کی شان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے یہ دعا کی۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے تو اس سے بھی محبت فرما۔ اسی طرح ترمذی میں انہیں سے وارد سیدہ فاطمہ کی شان میں یہ حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے اہل بیت میں سے مجھے محبوب ترین ہے۔ اسی طرح بخاری وغیرہ میں ہے کہ سیدہ عائشہ کی شان میں فرمایا یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ آپ نے سیدنا معاذ بن جبل سے فرمایا۔ اے معاذ! قسم بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں مزید یہ کہ ترمذی میں حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے اللہ تعالیٰ نے چار بندوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت کرتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابوزر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جل جلالہ وکبر جل جلالہ وکبر۔ اسی طرح اور بھی کثیر صحابہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ محبت کا اطلاق فرمایا ہے لہذا اس سے افضلیت پر دلیل پکونا صحیح نہیں۔ کما لا یخفی۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ بھی فرمایا ہوا ہے کہ مردوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ابو بکر ہیں پھر ان کے بعد عمر ہیں یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی اور بخاری میں موجود ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ لفظ

احب (جو شخص کی شان میں ہے) اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس میں لفظ محبت کی نسبت معنی کی زیادتی پائی جاتی ہے۔

تیسری حدیث پاک کا جواب

حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدير خم کے موقع پر فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اس کے کئی جوابات ہیں۔

نمبر ۱: یہ کہ صاحب موافق اور شارح موافق نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا انکار کیا ہے اور کیوں نہ ہو کہ اکثر اصحاب حدیث مثل بخاری و مسلم اور ان جیسے اور دیگر محدثین نے اسے روایت بھی نہیں کیا اور بعض کبار محدثین جیسے حافظ ابوداؤد سجستانی اور ابوحاتم رازی وغیرہ نے تو اس میں طعن بھی کیا ہے اور شیعوں کا اس حدیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ محض مکارہ ہے۔ اتھی۔

۲۔ ایک جواب صاحب موافق نے یہ دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غدير خم کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصلوٰۃ و التسلیم کے ساتھ ہی نہیں تھے کیونکہ آپ اس وقت یمن میں تھے تو پھر کیونکر یہ حدیث صحیح ہو سکتی ہے حالانکہ اس میں صداقت ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا آخر تک فرما رہے ہیں کہتا ہوں اس جواب میں نظر ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں حجۃ الوداع سے پہلے تھے اور غدير خم کا واقعہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع سے لوٹنے کے بعد پیش آیا ہے۔ اور یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوبارہ یمن بھیجا ہو۔ ہاں اگر یہ ثابت ہوتا یا واقعہ غدير خم کا حجۃ الوداع سے پہلے ہونا ثابت ہوتا تب یہ جواب صحیح ہوتا۔

۳۔ یہ کہ اس میں کوئی خفا نہیں لفظ مولیٰ محبوب و منصور کے معنی میں ہے اولیٰ کے معنی میں نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اے اللہ! جو بھی اللہ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو اسے دشمن رکھ اس جواب پر قرینہ و دلیل ہے۔

۴۔ یہ لفظ مولیٰ مدحت و فضیلت کے معنی میں ہے اس میں افضلیت کا بیان نہیں یہی وجہ ہے (بخاری شریف میں موجود ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا اے زید! آپ ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہیں تو اگر لفظ مولیٰ اولین حق خلافت پر دلیل ہوتا تو

حضرت زید خلافت کے حوالے سے تمام صحابہ سے افضل اور مقدم ہوتے اور یہ قطعاً صحیح نہیں۔
 ۵۔ موافق و شرح موافق میں فرمایا اگر اس حدیث کا صحیح ہونا مان بھی لیا جائے تو اکثر ادویوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ حضور ﷺ کا فرمان "أَلَسْتُ أُولَىٰ بِكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ" کہ کیا میں تم سے زیادہ تمہاری جانوں کا مالک نہیں ہوں؟ روایت نہیں کیا۔ لہذا مولیٰ کو اولیٰ کے معنی میں ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ اتھی۔ (ان کا کلام ختم ہوا)۔ مصنف فرماتے ہیں کیونکہ لفظ حدیث میں اکثر روای کی مخالفت حدیث میں شذوذ ثابت کرتی ہے اور شاہ حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے محدثین نے حدیث صحیح کی تعریف میں شرط لگائی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو۔ جیسا کہ منتخبہ اور اس کی شروحات میں اس کا بیان ہے۔
 ۶۔ موافق اور اس کی شرح میں یہی جواب بھی دیا گیا ہے کہ مولیٰ بروزن مفعول بمعنی فعل آتا ہو ایسا ائمہ عرب و ائمہ استعمال میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا اور مولیٰ کے اولیٰ کے معنی میں نہ ہونے پر مزید دلیل یہ ہے کہ یوں تو کہا جاتا ہے اولیٰ من کذا افعال سے زیادہ حقدار لیکن یوں نہیں کہا جاتا مولیٰ من کذا اسی طرح اولیٰ الریحین اور الریحال دو مردوں یا سب مردوں سے زیادہ مستحق کہا جاتا ہے (لیکن اس کے برعکس مولیٰ میں ایسا نہیں کہا جاتا) اتھی۔ اسی کی مثل موافق کی شرح جواب قاضی بیضاوی کی تھی شرح طوابع میں بھی ہے۔
 ۷۔ صاحب موافق و شارح موافق نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ مولیٰ اولیٰ کے معنی میں ہے تو ہم یہ نہیں جانتے کہ بیان تدبیر و تصرف میں اولویت مراد ہے بلکہ یہ کسی بھی چیز میں ہو سکتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "إِنَّ أُولَىٰ النَّاسِ بِأَبْرَاهِيمَ لِلدِّينِ اتَّبَعُوا" ترجمہ کنز الایمان: بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار تھے سو ان کے پیرو ہوئے۔ اب یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع اور آپ کے قرب میں اولویت کا حصول مراد ہے نہ کہ آپ کی ذات میں تصرف کرنا مراد ہے۔ شاگرد کہہ دیا کہ وہ استاد کے زیادہ حقدار ہیں اسی طرح پیروکار کہتے ہیں ہم اپنے بادشاہ کے زیادہ حقدار ہیں تو وہاں تدبیر و تصرف میں اولویت مراد نہیں ہوگی بلکہ اس سے کوئی کام مراد لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس کے ذریعے سوال کرنا بھی صحیح ہے کہا جاتا ہے فلاں کس چیز کا زیادہ حقدار ہے کسی کے تصرف کا یا اس کی محبت کا یا پھر اس کی ذات میں تصرف کرنے کا۔ اسی طرح اسے بطور

تقسیم استعمال کرنا بھی صحیح ہے کہا جاتا ہے فلاں زید کا زیادہ حقدار ہے۔ یا تو اس کی مدد کرنے میں یا اس کا مال لینے میں یا پھر اس کی ذات میں تدبیر و تصرف کرنے میں (جب اتنے سارے محامل موجود ہیں) تو اس وقت یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلیل نہیں بن سکتی۔ موافق و شرح موافق کی عبارت ختم ہوتی ہے۔

چوتھی حدیث کا جواب: حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جناب علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "آپ برے بھائی ہیں۔"

جواب: اپنی اخوت تو حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر کے لیے بھی ثابت کی ہے بخاری میں ہے حضرت ابن عباس اور مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حضور ﷺ نے فرمایا: "لیکن ابوبکر برے بھائی اور میرے ساتھ ہیں۔ اسی طرح حافظ سلفی نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے جس کو محب طبری نے ریاض النضر ۴ میں بیان کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ابوبکر دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح علامہ تھکڑانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے شان ابوبکر میں فرمایا: لیکن ابوبکر میرے بھائی سسر اور وزیر ہیں" اور حضرت عثمان کے بارے فرمایا: "عثمان جنت میں میرے بھائی اور ساتھی ہیں" رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح زید بن حارثہ کی فضیلت میں وارد حدیث ہم صحیح بخاری کے حوالہ سے پیچھے نقل کر چکے ہیں تو جب مذہب محبوب اہلسنت و جماعت اور فرقہ شیعہ میں سے کوئی حضرت عثمان و حضرت زید کی شان میں وارد لفظ "بھائی" کی بناء پر انہیں تمام صحابہ سے افضل نہیں مانتا تو پھر ان تمام روایات میں جناب علی کی جانب صدیق پر افضلیت کی بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں پہنچتا۔ یہاں سے شیعہ شنیعہ کے جناب علی کو جانب صدیق پر افضل ماننے اور ان دونوں صاحبوں کی شان میں وارد ہونے والے حدیثوں کو انکس میں معارضاً گمان کرنے اسی طرح ان کے پیرو ہمارے مخالفت صاحب رسالہ مردود کے تمام روایات بارے واضح ہو گیا کہ یہی سب کچھ حتی طور پر باطل ہے۔ (الجزء الثانی قلمی)

مزید یہ بات یاد رہے کہ ایک لامذہب (ظاہری) اور مائل بہ تشیع کے حوالہ ہمارے خلاف نقل کرنا اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایسے اقوال کی حیثیت علماء اہلسنت کی تصریحات کے برعکس ہے۔

بشر بن معمر کا مذہب:

شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 233 پر بشر بن معمر کو تفضیل علی کا قائل لکھا ہے۔
جواب: عرض یہ ہے کہ بشر بن معمر سے یہ قول اصول النحل کے مصنف عبد اللہ بن محمد الناشی نے کسی سند سے نقل کیا ہے؟ نہ یا تو مصنف کتاب جانیں یا پھر سعید ممدوح جانے۔ مزید یہ کہ بشر بن معمر کا تعارف بھی ذرا کرادیں۔ تاکہ عوام الناس کو ان کا علم بھی ہو جائے کہ وہ کون تھا اور کس مسلک اور عقیدہ کا تھا۔ لہذا ایسے بے سند اقوال آپ کو بہت مبارک ہوں۔

مورخ المسعودی کا عقیدہ:

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 236 تا ص 238 تک تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ مورخ المسعودی سے بیان کرتا ہے۔ مورخ المسعودی نے جو دلائل پیش کیے وہ درج ذیل ہیں۔
 أنت منی بمنزلہ ہارون۔

من كنت مولاه فعلى مولاه۔

اللهم ادخل إلى أحب خلقك إليك يأكل معي من هذا الطائر

فدخل عليه على۔ (مکالمہ مروج الذهب ج ۲ ص ۲۳۷)

جواب: مسعودی کے پیش کردہ دلائل اور احادیث کا تفصیلی رد گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ لہذا متعلقہ صفحات کا مطالعہ کریں۔ اس مقام پر اس پر بحث کرنا مناسب نہیں ہے۔
 مزید یہ کہ مورخ المسعودی کا تعارف تو کرادیں؟ تاکہ عوام الناس پر اس کے عقیدہ کی حقیقت آشکار ہو سکے۔

شیخ محمود سعید ممدوح نے ص 236 کے حاشیہ میں مسعودی کو معتدل مورخ اور علامہ لکھا ہے۔ اور مزید یہ لکھا کہ ناصبیوں کی عادت ہے کہ وہ ہر اس شخص پر شیعیت کی تہمت لگا دیتے ہیں جو اہل بیت کی طرف مائل ہو۔

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ اول تو مسعودی کے قول میں افضلیت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی بات موجود نہیں۔ بلکہ اس کے قول میں تو فضائل علی رضی اللہ عنہ بیان کئے ہیں۔ جبکہ اس کی وضاحت کردی گئی ہے کہ فضیلت اور مسئلہ افضلیت میں کافی فرق ہے۔ لہذا مسعودی کے قول کو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

مسلک کرنا غلط ہے۔

مزید یہ کہ المسعودی کو علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ سیر اعلام النبلاء 560/15 اور جبکہ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ لسان المیزان رقم: 5376 پر اس کے بارے میں لکھتے ہیں:
 کتبہ طافحة بأنه كان شيعياً معتزلياً۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اسے شیعہ اور معتزلی لکھا ہے۔

ایک عرب محقق سلیمان بن عبد اللہ صاحب نے المسعودی کے بارے میں ایک پوری کتاب منہج المسعودی لکھی اور اس کتاب کے ص 74 پر مسعودی کی ہی کتابوں سے اسے شیعہ ثابت کیا ہے۔ لہذا اس کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح کا یہ کہنا کہ ناصبی محب اہل بیت کو شیعہ کہتے ہیں۔ ایک بڑا جارحانہ حملہ ہے جو اس کے خبث باطن کی دلیل ہے۔ اہل سنت علماء کرام حب اہل بیت کے ساتھ تعظیم صحابہ کے عقیدہ کا معیار مقرر کرتے ہیں۔ اور پھر اس عقیدہ کے بعد کسی بھی شخص پر شیعہ ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ جبکہ المسعودی کو شیعہ اور معتزلی کہنے والوں میں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ پیش پیش ہیں۔ لہذا شیعہ اور معتزلی کے عقائد پر تفضیلیہ حضرات ہی پھولے نہیں سماتے جبکہ اہل سنت علماء کرام کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔

صاحب بن عباد کا عقیدہ:

شیخ محمود سعید ممدوح نے ص 238 اور ص 237 پر صاحب بن عباد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے دلائل اور اقوال نقل کیے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جہاد اور أنت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ إلا أنه لا نبی بعدی۔ ترجمہ: تمہاری منزلت مجھ سے ایسے ہے جیسی ہارون کی موسیٰ علیہ السلام سے الایہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

مزید صاحب بن عباد لکھتے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے لازم آتا ہے کہ ہر وہ منزلت جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ کے نزدیک تھی وہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کیلئے ثابت ہے۔ ماسوا ان مراتب کے جو دلائل سے مخصوص ہوں اور ان میں سے ایک منزلت یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے افضل فرد ہیں۔ (الزید بن صاحب بن عباد ص 115 و 129)

جواب: ان تمام دلائل کا تفصیلی رد گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ لہذا متعلقہ صفحات کا مطالعہ کریں۔ مزید یہ کہ صاحب بن عباد کے قول کی حیثیت علماء اہل سنت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء 511/16 پر اسے وکان شیعياً معتزلیاً مبتدعاً لکھا ہے۔

صاحب بن عباد کا نام اسماعیل بن عباد تھا۔ اس نے مناقب علی نامی کتاب لکھی۔ جس میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کھٹنے اول خلافت کا ثبوت دیا ہے جس سے اس کے افکار مزید واضح ہو جاتے ہیں کہ یہ تفصیل علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھٹنے اولین خلیفہ ہونا بھی ماننا ہے۔ اور ایسے عقیدے رکھنے والا تو پاک بدعتی اور گمراہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان رقم: 1186 پر اسے شیعہ، معتزلی اور حشویہ کی طرف مائل لکھا ہے۔

امام ابو حیان نے کہا:

اصدقنی علی بن عباد قال لا دین له له لفسقه فی العلم و کذبہ فی العلم۔ (لسان المیزان رقم: 1186)

امام رافعی رحمہ اللہ نے تدوین فی علماء قزوین میں لکھا ہے کہ ولولا أن بدعة الاعتزال و شناعة التشیع شذعت أوجه فضله و غلوفیہا۔ (لسان المیزان رقم: 1186)

عبد الجبار القاضی نے کہا: هذا الرافضی۔ (لسان المیزان رقم: 1186)

لہذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اسماعیل بن عباد، شیعہ، رافضی اور معتزلی تھا۔ لہذا اس کا یہ عقیدہ ہمارے خلاف نقل کرنا علمی غلطی اور بددیانتی ہے اور یہ بھی ملاحظہ کریں کہ تفضیلیہ کے عقیدہ کی بنیاد کیسے کیسے بد مذہبوں اور بدعتیوں کے قول پر ہے۔

علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی کا عقیدہ تفضیل کا جائزہ:

عمود سعید ممدوح غایۃ التبحر ص 240 تا ص 242 پر سید محمد بن عقیل باعلوی کا عقیدہ تفضیل ان کی کتاب تقویۃ الایمان وغیرہ سے نقل کیا۔ (اور تقریباً وہی حوالہ جات ہیں جو شیخ ممدوح پہلے پیش

کر چکا ہے۔)

جواب: سید محمد بن عقیل باعلوی کے پیش کردہ دلائل وہی ہیں جو شیخ ممدوح نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں، ہم ان کا رد کر چکے ہیں لہذا متعلقہ صفحات کا مطالعہ مفید رہے گا۔

مزید یہ کہ علامہ سید محمد بن عقیل باعلوی کے حوالے نقل کرنا علمی زیادتی ہے۔ عمود سعید ممدوح نے ہر جگہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل کا مذہب اور عقیدہ چھپایا۔ تاکہ عوام الناس کو بدعتیوں کے بارے میں غلط فہم ہو سکے۔

جناب والا، سید محمد باعلوی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیق میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں تہ الایمان بردت ترکیۃ معاویہ بن ابی سفیان، العتب الجمیل علی اهل الجرح والتعديل، لمن تولى معاویہ، النصائح الکافیہ اور فصل الحاکم فی النزاع و التخاصم بین بنی امیۃ و بنی ہاشم وغیرہ شامل ہیں اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کر لیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اتنی تحقیق تو فرقہ امامیہ نے بھی نہیں کی ہوگی، جتنی سید محمد بن عقیل باعلوی نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحقیق سے بچائے۔

سید محمد بن عقیل بن عبد اللہ باعلوی کی پیدائش ۱۸ فروری ۱۸۶۳ م / ۱۲۷۹ھ میں حضرموت میں ہوئی۔ اور ۱۹۰۰ھ میں ہندوستان کی طرف سفر بھی کیا اور اردو زبان سے بہت کم واقفیت تھی۔ سید محمد بن عقیل باعلوی نے فرقہ صوفیاء باجائز شیخ حبیب الرحمن دکنی سے پہنا۔

(شمس التحریر ج ۱ ص ۳۱۸)

علامہ جمال الدین قاسمی شامی لکھتے ہیں:

إلا أنه یتشیع بغلو، مع أنه علی مذهب الشافعی۔

(الرمال المتبادلین جمال الدین قاسمی و عمود شری الاولی ص ۱۲۲)

علامہ زرکلی لکھتے ہیں: کان شدید التشیع۔ (الاعلام ج ۶ ص ۲۶۹)

شیخ صلاح البکری لکھتے ہیں: التي منها الرفض۔ (تاریخ حضرموت السیاسی ج ۲ ص ۶۳)

علامہ عبد الرحمن بن عبید اللہ السقا لکھتے ہیں: غلاباً بالآخرۃ فی التشیع۔

(ادام القوت فی ذکر بلدان حضرموت ص ۸۳۵)

شیخ محمد بن ناصر العجمی لکھتے ہیں:

هو محمد بن عقيل من الزيدية مع تشيع الظاهر.

(تعلیق علی رسائل المتبادرین جمال الدین قاسمی و محمود شری الاوسی، حاشی ص ۲۱۱)

دکتر یعقوب الحی لکھتے ہیں:

نشأ أول أمره على مذهب الشافعي، لكنه تركه بعد ذلك و أخذ بمذهب العترة أو أهل البيت أو مذهب الزيدية.

(سیر و حیات عبدالعزیز الرشید ص ۲۶۱)

جناب ایسے رافضی کا حوالہ ہمارے خلاف پیش کرنا ایک علمی زیادتی اور ان کا مذہب چھپا کر بددیانتی کا واضح ثبوت دیا ہے۔ لہذا ایسے شخص کا حوالہ کسی کام کا نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن صدیق الغماري کے عقیدہ کا جائزہ

محمود سعید ممدوح نے ص 242 تا ص 246 تک شیخ عبدالعزیز الغماري کا فضیلت کے مسئلہ میں تفصیل علی پر دلائل نقل کیے ہیں۔

علامہ شیخ عبدالعزیز الغماري نے مسئلہ تفصیل علی پر اثبات میں جو دلیل نقل کی ہے ان میں شامل ہیں۔

۱- سید العرب کا لقب

۲- سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شوہر ہونا

۳- حسین کریمین کا والد ہونا (بحوالہ مقدمہ الافادع بطرق حدیث النظر الی علی عبادۃ)

جواب: ان تمام دلائل کا رد بڑی تفصیل سے گزشتہ صفحات پر دیا جا چکا ہے۔ مزید یہ کہ یہ تمام فضیلتیں نسبی فضیلتیں ہیں۔ جس کا مسئلہ تفصیل سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔ کیونکہ مسئلہ تفصیل کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کا قرب اور متقی ہونا ہے۔ لہذا ان کے دلائل سے ہمارے موقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ویسے بھی ان دلائل کو نقل کرنا خلا بحث ہے کیونکہ افضلیت جزوی اور افضلیت کلی میں زمین آسمان کا فرق ہے جسکی تفصیل مقدمہ میں درج ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ پر الزام کی جہارت:

حافظ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 244 کے حاشیہ میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ پر گرفت

کرتے ہوئے کچھ یوں لکھتا ہے۔ "میں کہتا ہوں: گمان کو چھوڑیے! درست بات یہ ہے کہ ذہبی رحمہ اللہ کا نفس مفہوم حدیث کو برداشت نہیں کر سکا تو انہوں نے جھٹ پٹ حدیث پر وضع کا حکم لگا دیا۔ پھر انہوں نے وضع حدیث کا سبب تلاش کیا تو انہیں الراہی (ایک راوی) کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ میں نے ذہبی رحمہ اللہ سے قبل کسی کو عمر بن حسن الراہی پر جرح کرتے ہوئے نہیں پایا۔ ذہبی کی جرح کا زور متن حدیث علی سید العرب پر ہے۔ حالانکہ متن میں کوئی انہونی بات نہیں ہے"

جواب: محمود سعید ممدوح اپنی حیثیت اور مقام کو دیکھے اور جرح و تعدیل کے امام علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے مقام پر بھی غور کرے۔ یہ تو ہو سکتا تھا کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ سے اس معاملے میں تراخ ہو جائے مگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ لکھنا کہ ذہبی رحمہ اللہ کا نفس مفہوم حدیث کو برداشت نہیں کر سکا، ایک بڑی جسارت ہے۔

افسوس اے ممدوح! کہ تو نے تو اکابرین سلف اور محدثین کرام کو نہ بخشنا۔ تو نے صحابہ کرام کو نہیں بخشنا۔ تو نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں غایۃ التبجیل ص 231 کے حاشیہ پر لکھا کہ "سائل کو جاننا چاہیے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ایسے امور کی تردید میں جلدی اور ان کے انکار میں مبالغہ کرتی تھیں جو ان کے اجتہاد کے خلاف ہوتے جیسا کہ بہت سے محدثین سے ہو جاتا ہے اور کبھی ایسے عموم سے دلیل لاتیں جو منقول کے مقابل نہیں لائے جاسکتے" اے ممدوح! تجھے اپنی اس جسارت پر شرمندہ اور توبہ کرنی چاہیے۔ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم پر اعتراض کر رہا ہے۔ مجھے حیرانگی ہے کہ ایسی عبارات پر علماء اہل سنت خاموش کیوں ہیں؟ مجھے تو ظہور احمد فیضی اور غایۃ التبجیل کے چھاپنے والے دیگر احباب پر حیرانگی ہے کہ ایسی بے حسی کیوں؟ صرف تفصیل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ گھڑنے کے لیے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتنی بڑی زبان درازی کی جاتی ہے۔ افسوس علماء اہل سنت شیخ ممدوح اور اسکے حواریوں کے بارے میں رد عمل دکھانے میں سستی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

اے ممدوح! تو نے تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی نہ بخشنا جو کہ تیری تقریروں اور تیرے اساتذہ اور تیرے ساتھیوں کی کتب سے بھی عیاں ہے۔ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جسارت کر سکتا ہو تو اس کے نزدیک اکابرین کی کیا وقعت ہوگی؟ جبکہ ہمیں اکابرین کی عزت اور احترام کا درس دیا جاتا ہے۔

اے جری شخص! علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے اس قول کی موافقت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان رقم: 5594 ترجمہ عمر بن الحسن الراسی مدنی ہے۔

علامہ برحان الدین الحلبي نے الكشف الحشيت ص 194 پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو برقرار رکھا ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے المقاصد الحسنہ حدیث نمبر: 578 کے تحت علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو نقل کیا۔

امام عجلونی رحمہ اللہ نے کشف الخفاء رقم: 1513 پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو نقل کیا ہے۔
علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ نے مختصر تلخیص الذہبی رقم: 546 پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو نقل کیا ہے۔
مزید یہ کہ محمود سعید ممدوح کو اتنا معلوم ہونا چاہیے کہ بعض اوقات کسی روایت کو نقل کرنے والے تمام راوی ثقہ ہوتے ہیں مگر اس کا متن موضوع ہوتا ہے۔

تو پھر عمر بن الحسن الراسی اگر بالفرض ثقہ بھی ہوتا تو روایت کے متن کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر کسی نے اعتراض کیا تو انشاء اللہ منہ توڑ جواب آئے گا۔ اور اگر کسی نے مطالبہ کیا کہ کوئی ایسی روایت پیش کریں کہ سند صحیح ہو مگر متن موضوع ہو تو جناب اس سلسلہ میں ایک نہیں بلکہ ایک درجن روایات فوراً پیش کر دی جائیگی۔ مگر فی الحال اس مقام پر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ محمود سعید ممدوح ایک گستاخ اور بے ادب شخص ہے۔ اختلاف سب کا حق ہے، مگر اس کی آڑ میں سلف و صالحین کی توہین اور سخت جملے بولنا انتہائی جرات اور مردود عمل ہے۔ (العیاذ باللہ)

آل باعلوی کے عقیدہ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۲۵۲ پر آل علوی کے اکابرین حسینی حسینی سادات کا عقیدہ افضلیت سیدنا علی المرتضیٰ رحمہ اللہ کے متعلق درج کیا ہے۔

جواب: آل باعلوی، سید احمد بن صدیق الغماری، سید عبد اللہ بن صدیق الغماری جیسے لوگوں کے اقوال ہمارے خلاف پیش نہیں کیے جاسکتے۔ کیونکہ اول تو یہ لوگ ملحق بہ دور حاضر ہیں اور دوم یہ کہ حضرات امیر معاویہ رحمہ اللہ کے ایمان کے قائل نہیں اور اکثریت ان میں سے امیر معاویہ رحمہ اللہ

طعن و تشنیع کرتے ہیں جو کہ ان کی کتابوں سے ظاہر اور ثابت ہے۔ لہذا اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایسے لوگوں کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ سنیت نام ہے حب اہل بیعت مع تعظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا۔

آل علوی کے اکابر حسینی حسینی سادات کی ایک جماعت افضلیت شیخین کی قائل ہے۔
عبد اللہ بن علوی الحداد نے انصاح الدینیہ ص ۹۵ پر افضلیت شیخین کا عقیدہ لکھا۔
شیخ سید محمد الدین بن عبد القادر بن شیخ بن عبد اللہ بن العیدروس نے النور السافر ص ۷۸ پر افضلیت شیخین کے عقیدہ بیان کیا۔

علامہ احمد بن حسن العطاس نے العلم انبر اس ص ۲۶ پر افضلیت شیخین کا عقیدہ لکھا۔

سید احمد بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۲۵۳ پر سید احمد بن صدیق الغماری کا عقیدہ افضلیت سیدنا علی المرتضیٰ رحمہ اللہ اور ان کے دلائل درج کیے ہیں۔

جواب: سید احمد بن صدیق الغماری کا عقیدہ ہم پر حجت نہیں کیونکہ سید احمد بن صدیق الغماری شیعہ نہیں بلکہ رافضی ہے۔ اس سید احمد بن صدیق الغماری کو بعض حلقہ احباب سنی علماء کرام میں شمار کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو تو اول اس کے عقائد معلوم نہ تھے۔ لہذا اس کو سنی سمجھ کر اسکی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو باخوبی معلوم ہے کہ سید احمد بن صدیق الغماری شیعہ ہے مگر اس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی اسکی کتابوں کے ترجمہ کروا رہے ہیں۔

اگر اس ملعون شخص کی کتابوں کا ترجمہ کروانا ہے تو شوق سے کروائیں مگر عوام الناس میں اسے سنی بنا کر اسکی کتابوں کو متعارف کروانا ایک قبیح جرم ہے سید احمد بن صدیق الغماری صحابہ کرام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتا ہے، ملاحظہ کریں۔ (نقل کفر کفر نہ باشد)

الطاغیۃ معاویہ، قبحہ اللہ ولعنة۔ (الحرلمین ج ۱ ص ۱۳۱)
اہل سنت کے عقائد سے منحرف کسی بھی شخص کا حوالہ معتبر نہیں ہوگا۔ مزید یہ کہ وہ دلائل جو احمد بن صدیق نے تفضیل علی رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیے ہیں، اس کا مسئلہ تفضیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں کر دی گئی ہے۔

سید عبد اللہ بن صدیق الغماری کے عقیدہ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص ۲۵۴ پر سید عبد اللہ بن صدیق الغماری کا عقیدہ افضلیت سیدنا علی المرتضیٰ اور ان کے دلائل درج کیے ہیں۔
جواب: عبد اللہ بن صدیق الغماری کا حوالہ ہم پر حجت نہیں ہے کیونکہ عبد اللہ بن صدیق الغماری شیعہ ہے۔ اور احمد بن صدیق الغماری کے بھائی ہے۔
 عبد اللہ بن صدیق الغماری لکھتا ہے:

لحم یحسن اسلامہ مثل معاویہ و ابیہ۔ (الحادی ج ۳ ص ۳۲)

لہذا اہل سنت کے عقائد سے منحرف کسی بھی شخص کا حوالہ معتبر نہیں ہوگا۔ مزید یہ کہ وہ دلائل جو عبد اللہ بن صدیق نے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیے ہیں، اس کا مسئلہ تفضیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں کر دی گئی ہے۔



ساتویں باب کا جواب

”اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مذہب تفضیل علی ہی ہے“ کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 257 تا ص 260 تک کچھ اقوال اہل بیت اطہار سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں نقل کیے ہیں اس کی تحقیق ملاحظہ کریں۔ جبکہ درحقیقت یہ علماء زیدی فرقے کے امام تھے۔

قول نمبر ۱: شیخ محمود سعید ممدوح نے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے مولا علی کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی۔

جواب: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں مطلقاً افضلیت نہیں بلکہ علم میں افضل ہونا ہے اور علم کی تخصیص یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ فضل جزئی ہے جبکہ متنازعہ مسئلہ افضلیت مطلقہ ہے۔ مزید یہ کہ ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اعلم شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے بعد ہی مانتے ہیں۔ لہذا امام حسن رضی اللہ عنہ کے قول میں جس طرح انبیاء و مرسلین کی تخصیص ثابت ہے اسی طرح شیخین کی تخصیص بھی ثابت ہے۔ لہذا یہ قول نہ ہمارے منافی ہے اور نہ ہی آپ کو مفید ہے۔ ایسے حوالے پیش کرنا غلط بحث ہے۔ مزید یہ کہ خود امام حسن رضی اللہ عنہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما کے قائل ہیں جس کی تفضیل متعلقہ صفحات میں موجود ہے۔

قول نمبر ۲: سعید ممدوح نے دوسرا قول اہل بیت اطہار سے ثابت کرنے کے لیے یحییٰ بن حمین بن قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن امثلی بن حسن سبط کی کتاب الاحکام فی الحلال والحرام ص 38، 39 سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول اپنے دادا قاسم بن ابراہیم الرسی 246ھ کا حوالہ آیا۔

جواب: اب اس حوالہ کی بابت تو عرض یہ ہے کہ یحییٰ بن حمین بن قاسم زیدی فرقے کا امام ہے۔

علامہ عمر رضا کحالی معجم المؤلفین 191/13 پر اس کو من انمة الزیدیہ لکھا ہے۔

مورخ زرکلی نے اپنی کتاب الاعلام 141/8 پر اسے امام من زیدیہ لکھا ہے۔

سید الہادی بن ابراہیم ان انھیں امام ائمہ الزیدیہ لکھا ہے۔ (ہدایہ الراغبین ص ۲۷۷)

اور یہ حوالہ بڑا اہم ہے کیونکہ سید الہادی خود بھی زیدی تھا۔

ایک شیعہ مورخ شیخ جعفر سبحانی لکھتا ہے۔

هو المومنين للمذهب في اليمن۔ (بحث في الملل والنحل ج ۷ ص ۵۲۴)

یعنی یمن میں زیدیوں کے مذہب کا بانی تھا۔

لہذا اول تو ایسے زیدی کے حوالوں کو اہل بیت اطہار میں شمار کر کے اور یہ ظاہر کرنا کہ یہ اہل بیت کے فرد ہیں، ایک فریب اور مکاری سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔

مذکورہ حوالہ ان کے دادا قاسم بن ابراہیم الرسی کا ہے۔ ان کے حالات و عقائد علماء اہل سنت

کی کتابوں سے واضح کریں تاکہ معلوم ہو سکے اس شخصیت کا کردار کیا تھا؟

زرکلی نے انھیں من ائمہ الزیدیہ لکھا ہے۔ (الاعلام 171/5)

تیجی بن حسین بن قاسم کی کتاب الاحکام فی الحلال والحرام کو بیان کرنے والا یعنی اس کا راوی محمد بن الفتح بن یوسف کا تعارف اور توثیق پیش کریں؟

اس کتاب کا راوی الحسن بن احمد بن محمد الضمیری کے حالات بھی پیش کریں تاکہ واضح ہو جائے

کہ اس کتاب کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟

مزید یہ کہ مصنف تیجی بن حسین خود بھی زیدیوں کا امام ہے۔

صاحب حوالہ ابراہیم بن اسماعیل بھی زیدی فرقے کا بڑا امام رہا۔ جبکہ صاحب تصنیف کے

والد حسین بن قاسم بھی زیدیوں کے امام ہیں۔ (ملاحظہ کریں الاعلام 171/5)

لہذا پوری سند ہی زیدیوں سے بھری پڑی ہے۔ ایسے زیدیوں کو سنی اہل بیت میں داخل کرنا

بڑا دھوکا ہے۔ عجیب بات ہے کہ کوئی سنی یا اہل سنت اہل بیت کا آپ کو حوالہ نہیں ملا۔ لہذا ایسے

زیدیوں کے حوالے سعید ممدوح اور ان کے حواریوں کو ہی مبارک ہوں۔

قول نمبر ۳: سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 259 مترجم پر تیسرا حوالہ منصور باللہ

عبداللہ بن حمزہ اُکھینی 614ھ کی کتاب رسائل المنصور 253/2 کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ

حسین کریمین رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حوالہ دیا۔

جواب: عرض یہ ہے کہ ذرا عوام الناس کو یہ بتائیں کہ منصور باللہ عبداللہ بن حمزہ سنی میں یا زیدی؟

مورخ عمر رضا کحالی نے منصور باللہ عبداللہ بن حمزہ کو من ائمہ الزیدیہ الیمن لکھا ہے۔

(معجم المؤلفین 50/6)

جبکہ مورخ زرکلی نے اس کو أحد ائمہ الزیدیہ فی الیمن لکھا ہے۔ (الاعلام 83/4)

لہذا اگر اہل فرقے زیدی کے ائمہ کے حوالے آپ کو ہی مبارک ہوں اور سعید ممدوح کا ان کا

مسئلہ نہ ظاہر کرنا علمی خطا ہے۔

قول نمبر ۴: اس کے بعد سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 259 [مترجم] پر تیجی بن

حمزہ حسینی کا قول سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حوالہ نقل ان کی کتاب الرسالة الموائزہ

ص 38، 37 سے پیش کیا۔

جواب: مورخ عمر رضا کحالی نے معجم المؤلفین 195/13 پر انھیں من ائمہ الزیدیہ لکھا ہے۔ تیجی بن

حمزہ نے زیدیوں کی فقہ پر ایک کتاب العمدۃ فی الفقہ الزیدیہ لکھی ہے۔ لہذا کتاب بھی صالح شخص

کیوں نہ ہو اہل سنت سے باہر کے شخص کا حوالہ عقائد کے مسئلہ پر مسموع نہیں ہے۔

قول نمبر ۵: غایۃ التبجیل ص 259 پر نمبر 4 کے تحت قاضی عبدالجبار شافعی کے حوالہ سے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اہل بیت اطہار کا اجماع نقل کیا

ہے۔

جواب: قاضی عبدالجبار کے حوالہ سے اہل بیت کا اجماع نقل کرنا عجیب و غریب ہے۔ چند

زیدیوں کے ائمہ سے اقوال نقل کر کے اہل بیت کا اجماع نقل کرنا جہالت ہے۔ مزید یہ کہ اگر اہل

بیت کرام کا اجماع آپ کو مسلم ہے تو پھر اس حوالہ میں سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا کوئی ذکر نہیں

جبکہ آپ نے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت پر بڑے حوالے نقل کئے تھے۔ آپ بتائیں کہ یہ اجماع

زیدیوں کا ہے قبول ہے کہ نہیں؟

مزید یہ کہ جناب والا قاضی عبدالجبار الاسد آبادی شافعی اہل سنت کے کوئی عالم نہیں بلکہ قاضی

عبدالجبار تو معتزلی تھا۔ لہذا معتزلیوں کے حوالہ سے اہل بیت کا مذہب ثابت کرنا علمی خیانت ہے۔

جناب والا وہ حوالے تو پیش کریں جہاں اہل بیت کرام نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے

مطلقاً افضل کہا ہے۔ قاضی عبد الجبار معتزلی کا اجماع اہل بیت لکھنا ان کے مذہب کو ظاہر کر رہا ہے کہ معتزلی متاخرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے لہذا اہل سنت کے مقابلہ میں معتزلیوں کے اقوال آپ کو ہی مبارک ہو۔ قاضی عبد الجبار کا پورا نام عبد الجبار بن احمد بن عبد الجبار تھا۔

۱۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ رقم 4440 پر علامہ سبکی نے بڑے واضح انداز میں "کان امام اهل الاعتزال" لکھا ہے۔

۲۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد رقم: 5806 میں لکھا ہے کہ "وکان ینتحل مذهب الشافعی فی الفروع و مذاہب المعتزلة فی أصول" لکھا ہے۔

۳۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان رقم: 539 میں لکھا ہے کہ "وکان من غلاة المعتزلة بعد الأربع فائنة"۔

لہذا مذہب معتزلہ کے نمائندہ گنا اس بارے میں حوالہ نقل کرنا خیانت ہے اور متاخرین معتزلہ تو مولانا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ لہذا اس کا یہ دعویٰ کہ اہل بیت کا اس پر اجماع ہے ایک دھوکا اور فریب ہے۔

مذکورہ بالا توضیحات کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ شیخ التفضیلیہ محمود سعید ممدوح اور ان کے حواری اہل سنت و جماعت کے علماء کے حوالہ جات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ شیخ التفضیلیہ کے پاس جو گئے چنے افراد کے حوالہ جات ہیں وہ تمام معتزلہ اور روافضیہ زیدیوں کی گرو گمنال ہیں۔ شیخ التفضیلیہ روافضیہ و معتزلہ سے متاثر ہیں نہ کہ اہل سنت سے۔ بہر حال علماء اہل سنت کے حوالہ سے بات کرنا شیخ التفضیلیہ اور ان کے حواریں کو ہی خوب رہے گا۔



آٹھویں باب کا جواب:

"اجماع کے دعوؤں کا جائزہ" کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 261 مترجم تا ص 269 پر اجماع کے اقوال کا نام نہاد دعویٰ پر جائزہ پیش کیا ہے۔ اس باب میں سعید ممدوح نے جس قدر گمراہ کن باتیں ذکر کیں ہیں اس سے تو شریعت کے مافذ مشکوک ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس باب میں اس کی عبارتیں اور ان کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 261 پر لکھتا ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر ان کی ترمیم خلافت کے مطابق اجماع ہو چکا ہے۔ لہذا اجماع کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ (اس کا جواب سعید ممدوح کچھ یوں لکھتا ہے۔) "ہرگز نہیں، امت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ان کی افضلیت کی ترتیب پر متفق نہیں ہوئی، امت کے درمیان اختلاف مشہور ہے جس کا انکار نہیں کرتا مگر متکبر، ہٹ دھرم، جاہل اور اوہام کی تقلید کرنے والا، اور مقلد کا اپنا کوئی نظریہ نہیں ہوتا اور تقدیم کے قائل کے لیے اختلاف کے باوجود اجماع کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے۔"

جواب: سعید ممدوح کا یہ مذکورہ بالا اعتراض اس کی ناقص رائے کو ظاہر کرتی ہے جو کہ یک طرفہ موقف پر مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اہل سنت کا اجماع ہے کہ خلفاء اربعہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ (جس کا اقرار شیخ محمود سعید ممدوح کو بھی ہے)

یہاں پر نکتہ ذہن نشین رہے کہ افضلیت کا قول تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تقابل میں کیا جاتا ہے یعنی کہ خلفاء اربعہ کی افضلیت تمام صحابہ کرام کے مد مقابل مسلم ہے۔

اب دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ان چاروں میں افضلیت کی ترتیب کیا ہے؟ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ شیخین کریمین کی افضلیت تمام صحابہ کرام پر ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اور شیخین کی افضلیت

ختنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) پر بھی ہے جس پر واضح طور پر اجماع موجود ہے۔
اب رہا یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آپس میں افضلیت میں کیا موقف ہے؟
تو جمہور اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

ختنین کے آپس کی افضلیت میں تو جمہور اہل سنت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف ہیں۔ مگر
ان دونوں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی افضلیت باقی صحابہ کرام پر اجماع سے
ثابت ہے اور یہ معاملہ قطعی ہے۔ لہذا اجماع کے الفاظ میں تقابل کا لحاظ ضروری ہے۔ شیخین
کریمین کا تقابل تمام صحابہ کرام سے ہے جبکہ ختنین کا تقابل (شیخین کے علاوہ) باقی صحابہ کرام سے
ہے۔ لہذا پہلے اہل سنت کا موقف اچھی طرح جاننے پھر اس پر اعتراض کیجئے۔

اس مذکورہ بالا تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ خلفاء اربعہ (جن میں ختنین بھی شامل ہیں) کی
افضلیت باقی تمام صحابہ پر موقف پر اجماع ہے۔ جبکہ ختنین کی آپس کی افضلیت پر جمہور حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ ان دونوں کی آپس کی افضلیت پر تو جمہور حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کی طرف ہیں۔ مگر ختنین کی افضلیت دیگر صحابہ کرام (استثنائے شیخین) پر اجماع اہل سنت ہی
اعتراض: غایۃ التبجیل ص 263 پر لکھا ہے۔

”آپ نے غور فرمایا کہ جس اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ اجماع شرعی نہیں کہ اس کے
مخالف کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے بلکہ وہ اجماع ایک مخصوص جماعت کے اتفاق کے معنی میں ہے۔
لہذا وہ ایک مذہبی اتفاق ہے، اجماع شرعی نہیں۔ اگر یہ اتفاق صحیح ہے تو اہل سنت کا ایک گروہ
اس سے اختلاف و تعارض رکھتا ہے۔ سعید ممدوح ص 264 [مترجم] پر مزید لکھتا ہے:

معلوم ہوا کہ یہ اجماع اہل سنت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے کہ اثبات اختلاف کے بعد
واقع ہوا۔ لہذا یہ ایک جماعت یا ایک مذہب والوں کا اتفاق ہے۔ سعید ممدوح ص 266 مترجم
پر مزید اجماع کے بارے میں لکھتا ہے:

”اس تمام تر بحث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تفضیل پر کوئی اجماع نہیں ہوا، یہ اختلافی اور ظنی
مسئلہ ہے اور جس نے اجماع کا دعویٰ کیا تو اس نے اس کو فقہ اہل سنت کے ساتھ
مخصوص کیا۔“

غایۃ التبجیل ص 267 پر مزید گفتنی کچھ یوں کی ہے۔

”علماء اصول کے قول المجتہدین میں الت لام استغراقی ہے، لہذا یہ تمام مجتہدین کو
شامل ہے۔ پھر الامۃ کا لفظ امت کے مجتہدین کے ہر فرد کو شامل ہے اور یہ امت
اجابت ہے۔ لہذا اس میں تمام طبقات اسلامیہ کے مجتہدین شامل ہیں۔ پس اگر کسی
امر پر فقط مجتہدین حرم یا فقط مجتہدین اہل سنت یا فقط مجتہدین زیدیہ، عراق، مصر یا فقط
مجتہدین اہل سنت اور معتزلہ متفق ہو جائیں تو اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ اگر کوئی متشدد
شخص کہے کہ اہل سنت کے ماسواۃ بدعتی ہیں تو ان کے اختلاف کا اجماع میں کیا
اعتبار کیونکہ بدعتی کا اختلاف لائق التفات نہیں ہے تو جواباً عرض ہے کہ اصولیین نے
ایسے بدعتی مجتہد کے اجماع میں شامل ہونے پر بحث فرمائی ہے جس کی بدعت کفر کو
نہیں پہنچتی، آیا اس کے بغیر اجماع منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم درست یہ ہے
کہ اس بدعتی مجتہد کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ اجماع کی تعریف میں
داخل ہے۔“

جواب: سعید ممدوح نے اپنے موقف کو ظاہر کرنے کے لیے بڑا زور لگایا مگر اس کے ہاتھ میں
کچھ بھی نہ آیا۔ لہذا آپ چند معروضات ملاحظہ کریں۔

1- سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اجماع امت کے معنی سے عوام خارج ہیں یعنی
عام عوام کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں جس مسئلہ میں خواص
اجماع منعقد کر لیتے ہیں تو عوام بھی ان سے اتفاق کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حق اسی میں
ہے جس میں اہل مل و عقد کا اجماع منعقد ہوا ہے وہ صرف قول و فعل ہی سے نہیں بلکہ دل
سے بھی اس کی موافقت کرتے ہیں ان کے دلوں میں خلاف مضمحل نہیں ہوتا اس لئے اسے
اجماع امت کا نام دینا بالکل درست ہے۔ (المستصفیٰ 1/181)

2- یہ بات اہم ہے کہ قارئین کرام اس بات کو سمجھیں کہ اجماع میں غیر مجتہد علماء کی رائے معتبر
نہیں ہوتی، جیسے کہ اگر کسی مسئلے میں غیر مجتہد کا قول ایک نہیں بلکہ متعدد بھی ہوں تو اس سے
اجماع پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سعید ممدوح نے مسئلہ تفضیل میں اختلافی اقوال نقل کیے ہیں تو
صرف آپ یہ دیکھ لیں کہ ان میں مجتہدین کتنے ہیں آپ پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اب یہ
بھی یاد رکھیں کہ غیر مجتہد علماء کرام کی 3 قسمیں ہیں۔

- i- وہ علماء جنہیں فقہ اور اصول فقہ میں دسترس حاصل نہیں ہے جیسے متکلمین، نحوی، مفسر اور محدث جبکہ وہ غیر فقہیہ اور غیر اصولی ہو۔ یعنی ایسے علماء جنہیں حکم شرعی کی معرفت میں کوئی دخل نہ ہو۔
- ii- وہ علماء جنہیں فقہ کی جزئیات یاد ہیں لیکن اصول فقہ میں دسترس حاصل نہیں ان کو فقہیہ اور فروعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

iii- وہ علماء جنہیں اصول فقہ میں دسترس حاصل لیکن فقہ کی جزئیات یاد نہیں ان کو اصولی کہا جاتا ہے اب وہ علماء کرام جو اجماع میں عوام کی شمولیت کو جائز کہتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ مندرجہ بالا تینوں قسم کے لوگ عوام میں شامل ہیں مگر جمہور نے اجماع میں عوام کی شمولیت کو غیر معتبر کہا ہے ان کے نزدیک ان تینوں اقسام کے علماء میں سے اول قسم کے علماء کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نکتہ: مگر یہ یاد رہے کہ ہر فن میں اس کے ماہر کا قول حجت ہوتا ہے۔ فقہ کے مسائل میں فقہاء کا اجماع معتبر، اصولی مسائل میں اصولیین کا اجماع، نحو کے مسائل میں تمام نحویین کا اجماع اور مسائل کلام میں تمام متکلمین کا اجماع معتبر ہوگا۔ [مگر وہ اپنے فن میں اہل اجتہاد میں سے ہو]۔

(ارشاد النحول ص 84، المستصفیٰ 1/183)

اجماع میں غیر مجتہد علماء کی تینوں قسموں میں پہلی قسم جمہور کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ البتہ باقی دونوں قسموں کے علماء کرام (فقہیہ غیر اصولی اور اصولی غیر فقہیہ) کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔ لیکن فخر الاسلام بزدوی نے ان دونوں کو بھی غیر معتبر قرار دیا ہے کیونکہ اجماع میں جس قسم کی اہلیت کی ضرورت ہے وہ ان دونوں میں کسی میں بھی موجود نہیں ہے اور وہ اہلیت صرف اہل علم و عقد یعنی مجتہدین ہی میں پائی جاتی ہے۔ (کشف الاسراء 3/960)

محقق ابن امیر الحاج نے اسے قول مشہور قرار دیا ہے۔ (التقریر والتمیز 81/3)

محقق سید امیر بادشاہ نے بھی اسی اصول کو مشہور قول گردانا ہے۔ (بیمیر التقریر 3/224)

لہذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک صرف مجتہدین کے قول کا ہی اعتبار کیا جائے گا۔ لہذا سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ ”بلکہ وہ اجماع ایک مخصوص جماعت کے اتفاق کے معنی میں ہے۔ لہذا وہ ایک مذہبی اتفاق ہے، اجماع شرعی نہیں۔ اگر یہ اتفاق صحیح ہے تو اہل سنت کا ایک گروہ اس سے اختلاف“ ارض کرتا ہے۔ (غایۃ التبجیل مترجم ص 263) ان حوالہ جات کی

روشنی میں غلط ہے۔ کیونکہ اجماع میں غیر مجتہد کا قول غیر معتبر ہے۔ لہذا سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالہ جات کی کوئی قانونی اور اصولی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

کیونکہ اجماع کرنا مجتہد کا کام ہے۔ لہذا مجتہد کی شرائط کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ یہ نہ ہو کہ ہر دوسرے عالم کو مجتہد کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا جائے۔ لہذا مجتہد کی مندرجہ ذیل شرائط ملاحظہ کریں۔

- i- وہ محتاب و سنت کا عالم ہو۔ اسے استخراج کا طریقہ معلوم ہو۔ اسے صحیح، حسن اور ضعیف میں فرق اور تمیز معلوم ہو۔ اسے اسباب جرح و تعدیل کی پوری معرفت حاصل ہو۔ اسباب جرح میں کون سا سبب موجب جرح ہے اور کون سا نہیں اور کون سا سبب مقبول ہے اور کون سا مردود اور عدل میں کون سی علت قادح ہے اور کون سی قادح نہیں۔
- ii- مجتہد کو ان مسائل کا علم ہونا چاہیے جن پر اجماع منعقد ہو چکا ہے تاکہ اجماع کے خلاف فتویٰ نہ دے۔

iii- مجتہد کو عربی زبان میں اتنا عبور ہو کہ وہ غریب الفاظ کی تفسیر و تشریح کر سکے۔

iv- مجتہد کو اصول فقہ کا علم ہونا ضروری ہے کیونکہ اجتہاد کی عمارت اسی پر کھڑی ہے اور ارکان اجتہاد کی بنیاد اس علم پر ہی قائم و دائم ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے محصول میں لکھا ہے کہ مجتہد کے لیے اہم ترین علم اصول فقہ ہے۔

v- مجتہد کو ناخ و منوخ کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس باب میں کوئی چیز مجتہد سے چھپی نہ رہے۔

vi- مجتہد کو قیاس کا طریقہ اور اس کی شرائط اور مواقع کا بھی علم ہونا چاہیے کیونکہ مجتہد کے لیے قیاس لازمی ہے۔

vii- مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ دلیل کس طرح قائم کی جاتی ہے اور ادلہ کے لیے کون سی شرائط ہیں؟

ان تمام تفصیلات کو ملاحظہ کریں ارشاد النحول ص 233 تا ص 235، المستصفیٰ 2/351 ان تمام شرائط کا نتیجہ یہ ہے کہ مجتہد کو قرآن و سنت میں عبور ہونے کے ساتھ ان سے استدلال کا طریقہ بھی آنا چاہیے۔ جس شخص میں مندرجہ بالا شرائط ہوں گی وہ مجتہد بننے کا اہل ہو گا یہ بھی یاد رہے کہ یہ شرائط مجتہد بننے کی ضرورت ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ جس میں یہ شرائط ہوں گی وہ ہر حال میں

مجتہد ہوگا کیونکہ یہ علوم کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں مگر منصب اجتہاد کسب سے نہیں بلکہ یہ منصب تو وہی یعنی عطا کردہ ہوتا ہے۔ منصب اجتہاد تو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے کیونکہ اجتہاد کی بنیاد وہ ملکہ ہے جس کے ذریعے مجتہد احکام کا استنباط کرتا ہے۔ امت میں بے شمار افراد ایسے گزرے ہیں جنہیں مذکورہ علوم میں مہارت کا ملکہ حاصل تھی لیکن ان کے پاس استنباط نہ ہونے کی وجہ سے وہ منصب اجتہاد پر فائز نہ ہو سکے۔ اس کی سب سے بڑی مثال علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان افراد میں سے ہیں جنہیں مذکورہ بالا علوم میں مجتہدانہ مقام حاصل تھا۔ ان کو خاص طور پر تفسیر و حدیث کا امام مانا جاتا ہے اور انہیں خاتم الحفاظ کا لقب دیا گیا حالانکہ حافظ سیوطی نے یہ لکھا کہ اجتہاد کے تمام آلات میرے (سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) اندر کامل طور پر پائے جاتے ہیں۔ (حسن المحاضرہ ص 156)

لیکن اس کے باوجود جب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو اس زمانہ کے لوگوں نے ان کے دعویٰ اجتہاد کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تفصیل علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الفوائد المجمع 69/4 پر ملاحظہ کریں۔

4- مزید یہ کہ صاحب نور الانوار نے اجماع کے باب میں لکھا ہے:

”وہ حضرات جن پر اجماع منعقد ہوتا ہے وہ حضرات ہیں کہ وہ مجتہد ہوں اور صالح ہوں اور ان حضرات میں نہ ہوا پرست ہو یعنی وہ اہل بدعت نہ ہو اور نہ ہی اہل فتن ہو۔“ (نور الانوار، باب اجماع)

اس سے معلوم ہوا کہ اجماع صرف مجتہدین پر ہی منعقد ہوتا ہے نہ کہ عام عوام اور نہ علماء کرام۔ جب کہ ان مجتہدین کا بھی عادل ہونا ضروری ہے۔ لہذا اجماع صرف اہل سنت کا ہی معتبر ٹھہرا۔

5- غایۃ التبجیل ص 267 پر دلیل رابعہ کے تحت لکھا ہے کہ اصولیین نے ایسے بدعتی مجتہد کے اجماع میں شامل ہونے پر بحث فرمائی ہے جس کی بدعت کفر کو نہیں پہنچی، آیا اس کے بغیر اجماع منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور مزید صفحہ 268 پر یہ لکھا کہ ”واللہ اعلم درست یہ ہے کہ اس بدعتی کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ اجماع کی تعریف میں داخل ہے۔۔۔۔۔ اور یہی امام الحرمین، ابو الحق الشیرازی، امام غزالی، ابن الحاجب اور دوسرے علماء کا مختار مذہب ہے بالکل علمی خیانت ہے۔ علماء کرام نے اس قول کو مختار

مذہب نہیں لکھا۔

i- امام غزالی (استغفری 183/1) علامہ آمدی (الاحکام 169/1) ابو الحق الشیرازی کے اقوال کو محقق ابن الہمام نے التقرير 96/3 پر رد کیا ہے۔ مزید یہ کہ علماء اصولیین حنفیہ سمیت جمہور کے نزدیک ارکان اجماع کا عادل ہونا شرط ہے۔ مجتہد غیر عادل کا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کی موافقت و مخالفت سے اجماع متاثر نہ ہوگا۔

ii- ایراد عتی جس کی بدعت کفر تک نہیں پہنچی مگر اس کی بدعت فتن کی حد تک پہنچی ہوئی، جیسے خوارج، نقضی شیعہ (ایرا شیعہ جو صحابہ کرام کے بارے میں برے الفاظ کہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھے) اور معتزلہ وغیرہ میں اختلاف ہے کہ آیا اجماع میں ان کا اعتبار کیا جائے یا نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام آمدی، امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کا تو اعتبار کرتے ہیں۔ شمس الائمۃ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بدعتی بدعت ظاہر کر دے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ متہم بالہوی تو ہے مگر بدعت کو ظاہر نہیں کرتا تو جس چیز میں اسے گمراہ قرار دیا ہے تو اس میں اس کا اعتبار نہ ہوگا لیکن دوسری چیزوں میں ہوگا۔

(امول بزودی ص 242)

مگر جمہور بشمول امام ابو بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک ایراد عتی مجتہد عقیدہ فتن کی حد تک پہنچا ہوا ہوا اجماع میں اس کا مطلقاً اعتبار نہیں کیا جائے گا خواہ وہ داعی الی البدعہ اور مظہر بدعت ہو یا نہ ہو۔ (التقریر 96/3 کشف الاسرار 959/3)

لہذا اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ بدعتی جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو یعنی کہ فاسق ہو۔ جمہور کے نزدیک اس کا اجماع میں کوئی مقام نہیں اور نہ ہی اس کا اختلاف معتبر ہوگا۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 268 پر لکھا ہے:

اہل ہوا کو اجماع میں شامل کرنے کے وجوب پر ابو محمد بن حزم کی عمدہ بحث ہے جو کہ ان کی امول 850/1 پر دیکھی جاسکتی ہے۔

جواب: اہل ہوا تو اجماع میں شامل نہیں ہیں۔ ابن حزم ظاہری کے اقوال کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

i- ابن القحطان فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اجماع سے اہل علم کا اجماع مراد ہے۔ اہل ہوی کا اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ii- امام ابو یعلیٰ حنبلی کا بھی یہی قول ہے۔

iii- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مسک ہے۔ ملاحظہ کریں: التقریر 96/3، ارشاد النحول ص 76۔

iv- اہم بات یہ ہے کہ ظاہری مذہب والے صرف اجماع صحابہ کے قائل ہیں غیر صحابہ کا اجماع ان کے نزدیک حجت اور معتبر نہیں ہے۔ (ارشاد النحول ص 77)

ان مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ اہل ہوا کا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نکتہ: سعید ممدوح کے اختلاف مذاہب نقل کرنے والے اقوال کا بغور مطالعہ فرمائیں اور خود فیصلہ کریں کہ آیا ان اقوال سے اختلاف ثابت ہو سکتا ہے اور اگر اختلاف ثابت کرنے کی زبردستی کوشش کی جائے تو پھر کیا یہ اقوال اجماع اہل سنت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں؟ جواب صرف یہی ملے گا بالکل نہیں۔ لہذا اجماع اہل سنت کو مذہب کا اجماع کہنا جمہور علماء کرام کی مخالفت اور علمی بدیانتی ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 268 پر لکھا ہے۔

”ائمہ اہل بیت کو چھوڑ کر وجود اجماع کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، وہ ٹھٹھکین میں سے نقل ثانی، کتاب اللہ کے قرین (ہمیشہ کے ساتھی) اہل اجتہاد اور اہل استقامت ہیں۔ تعجب بالائے تعجب ہے اجماع اور محبت اہل بیت کے ان مدعیوں پر جو بحث پٹ اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور اہل بیت کرام کی رائے کا ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ وہ کتاب اللہ کے ساتھی اور سفینہ نجات ہیں اور وہ دوسرے لوگوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں ان کا قول ذکر کیا جائے خصوصاً مسئلہ تفضیل میں۔“

جواب: اہل بیت کرام سے محبت کرنا اور انکی تعظیم کرنے کے ساتھ صحابہ کرام کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا اہل سنت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ہمارے دلوں میں حب علیؑ ہے نہ کہ بغض معاویہؓ۔ ہم نے کس مقام پر اہل بیت اطہار کا ذکر نہیں کیا مگر ہم میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ ہم اہل بیت کا تذکرہ ان کی محبت میں کرتے ہیں اور تم اہل بیت کے تذکرے کی آڑ میں صحابہ کرام خصوصاً امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہتے ہوں۔ کیا تمہیں وہ احادیث بھول گئیں:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين

(ابوداؤد ص 279 ج 2، ترمذی 296/2 باب العلم باب الائمة بائ)

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمرؓ (ترمذی 207/4 مناقب ابی بکر)

لہذا ہمیں اہل بیت کرامؓ سے بھی محبت ہے اور صحابہ کرامؓ کا بھی ادب ہے۔

مزید یہ کہ مسئلہ تفضیل میں تم نے کون سے اہل بیت سے مسئلہ تفضیل پر دلائل دیئے ہیں۔ اگرچہ تم نے امام حسنؓ کا خطبہ دیا تو اس کے بابت عرض کر دیا گیا کہ ان کا افضل کہنا فی العلم تھا۔ یعنی کہ علم میں افضل تھے۔ بقیہ دیگر کسی صحیح سند سے اہل بیت سے مسئلہ تفضیل واضح نہیں ہے۔

نکتہ: رہے وہ حوالے جو سعید ممدوح ساتویں باب کے اندر اہل بیت کرام ظاہر کر کے دیئے ہیں تو وہ ہمیں مسلم نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ سارے کے سارے زیدی فرقے کے امام ہیں اور زیدی فرقے کے مبلغ ہیں۔ فرقہ زیدیہ اور فرقہ امامیہ صرف اور صرف اہل بیت کا اجماع مانتے ہیں کسی اور کا اجماع نہیں مانتے۔ (بحوالہ التقریر والتحریر 98/3)

لہذا فرقہ زیدیہ کے لوگوں کا مولا علیؑ کو افضل کہنا ہم پر حجت نہیں اور یہ بھی علمی خیانت ہے کہ ایک زیدی فرقے کے سید عالم کو اہل بیت کا رکن بنا کر ہمارے خلاف دلیل ثابت کی جائے۔ اگر گمراہ فرقے کے سید عالم کی بات ماننا فرض ہے تو اہل تشیع کے سب سید کہلانے والے ہم پر کیسے حجت ہوں گے؟ لہذا اہل بیت کا نام لے کر عوام الناس کو بہکانا غلط اور مردود ہے۔ لہذا اجماع کے دعویٰ پر سعید ممدوح کے اعتراضات باطل اور مردود ہیں ہمارے اکابرین اور سلف نے جو بات واضح کی وہی درست اور صواب ہے۔



نویں باب کا جواب

”ناپسندیدہ اقوال کا جائزہ“ کی تحقیق

شیخ محمود سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 271 تا ص 310 تک مختلف اکابرین امت بشمول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر رد کر کے انہیں ناپسندیدہ اقوال سے مخاطب کیا ہے۔ عجب حال ہے ایک طرف یہ چوٹی کے علماء کرام اور دوسری طرف سعید ممدوح جیسا رافضی شخص جو تاویلات کے ذریعے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتا ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 271 پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر گرفت کی اور غایۃ التبجیل ص 272 پر لکھتا ہے ”ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا مطلقاً بلا غلو اور بلا بغض تشیع کو بدعت شمار کرنا خطا ہے جس سے پرہیز کرنا چاہئے۔“

جواب: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس تشیع کے بارے میں کلام نہیں کر رہے جو کہ موالات، محبت اور نصرت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ہے۔ بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تشیع کا ذکر کیا ہے جو کہ ہم عرف عام میں متقدمین کی اصطلاح میں استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ اہل بیت علیہم السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت تشیع نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت تو اہل سنت کی نشانیوں میں سے ہے۔ جناب محب اہل بیت کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام کی تنقیص یا ان کو اصل مقام نہ دینا یہ تشیع ہے۔ اگر مولا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کر کے ان کو افضل کہنا اور صحابہ کرام پر خاموش رہنا سنت ہوتا تو پھر علماء کرام زید یہ فرقے کو تشیع کا ایک فرقہ نہ کہتے بلکہ اس کو اہل سنت کا ہی ایک فرقہ سمجھتے۔ لہذا نعرہ اہل بیت صرف لگانا سنت نہیں بلکہ محب اہل بیت کے ساتھ صحابہ کی تعظیم و تکریم و مقام کا اقرار کرنا سنت ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح کا غایۃ التبجیل صفحہ 274 کے حاشیہ میں محمد حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مناقب علی ص 155 سے یہ نقل کرنا کہ ”معمرنے کہا کہ جس نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو وہ اس پر سختی نہیں کریں گے اور جس نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں سے افضل ہیں تو وہ اس پر سختی نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ وہ شیخین کی فضیلت، ان کی محبت اور جس تعریف کے وہ اہل ہیں اس کا معترف ہوں۔

جواب: یہ قول بھی جمہور علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں غلط ہے کیونکہ اول تو سند کے ایک ایک راوی کی توثیق اور ان راویوں کا آپس میں سماع و ملاقات ثابت کرنا سعید ممدوح اور اس کے حواریین پر لازم ہے۔ ایسے ضعیف اور مجہول راویوں والی روایت پر بغلیں بجانا ترک کر کے تحقیق کے میدان میں صحیح اقوال پیش کریں۔

دوم یہ کہ کیا ہم اپنا عقیدہ معمر بن راشد اور عبدالرزاق کے اقوال پر بنائیں گے؟ اور ایسے اقوال کی بنیاد پر جو کہ سنداً بھی صحیح نہیں ہیں۔

سوم یہ کہ اس قول میں یہ واضح نہیں کہ ان کا تفضیل دینا، تفضیل جزئی تھی یا افضلیت مطلقہ؟ کیونکہ تفضیل جزوی کے معترف کا قول ہمیں مضر نہیں اور آپ کو ایسے قول مفید نہیں۔

چراغی کا مقام ہے کہ امت کی ایک جماعت ایک طرف کھڑی ہے اور سعید ممدوح صاحب اقوال شاہ کو مقبول بنانے کے چکر میں مصروف ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہم حق کو افراد سے نہیں پہچانتے بلکہ افراد کو حق سے پہچانتے ہیں۔ یہ قول میرے سردار اور میرے محبوب حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لہذا لوگوں کو معمر بن راشد یا عبدالرزاق (جو کہ ضعیف ہیں) کے اقوال سے ان کے حق پر ہونے کی دلیل لا رہے ہیں جو کہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔ امت کے کسی جمید عالم نے ان لوگوں کے یہ اقوال قبول نہ کیے۔ میرا یہ سوال ہے کہ امت کے اجماع اور اہل سنت کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے کے مقابلے میں یہ اقوال کیسے آسکتے ہیں؟ اور یہ اجماع کیسے ٹوٹ سکتا ہے؟ لہذا ایسے نامقبول اور شاہ اقوال کو ماننا آپ جیسے محقق کا ہی وظیرہ ہو سکتا ہے جو کہ اکابرین کے مسلک سے بے زار ہے اور اس کو ماننے سے منکر ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں علامہ نبھائی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں ذرا ملاحظہ کریں۔

”مجرد خواہشات نفس، تعصب اور جاہلی حمیت کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر خلفائے راشدین پر فضیلت دینے لگتے ہیں اور اس کو بزرگم خویش عین انصاف سمجھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اتباع حق میں کسی ملامت گر کی ملامت

ان کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ حالانکہ دین کے معاملہ میں ان کی (سعید ممدوح اور ان کے حواریین) کی کوئی حیثیت نہیں اور بے علی اور جہالت میں وہ چوپایوں کی طرح ہیں۔ (الاسالیب البدیعیہ ص ۹)

علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

”شدت جہالت اور بے بصری کی وجہ سے وہ گمان کرتے ہیں کہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک ساری امت مسئلہ فضیلت میں راہ خطا پر کاربند ہے اور وہ علم و فہم سے بیگانہ، خواہشات کے بندے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد میں حق بجانب اور راہ ہدایت و صواب پر ہیں۔ (الاسالیب البدیعیہ ص ۱۰)

علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

”ان جہلاء کے اسی طرز عمل نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مجبور اور آمادہ کیا تاکہ ان میں سے جو کوئی اس کا مطالعہ کرے وہ اپنی خطائے عظیم کو پہچان لے اور یقین کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و ہدایت پر نہیں بلکہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے کھڑا ہے اور اگر کارساز مطلق اپنے لطف و کرم سے اسے نہ نبھالے تو وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔“ (الاسالیب البدیعیہ ص ۱۰)

علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ مزید ایسے تفصیلی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھیں اور صحابہ کرام پر لعن طعن نہ کریں تو اس کی تکفیر کے قائل نہیں (اور اللہ کا شکر ہے کہ ہم بھی اس کے قائل نہیں) مگر علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ اس عقیدے کے رکھنے والے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جو آدمی آپ کو (حضرت علی رضی اللہ عنہ) خلفائے ثلاثہ پر تقدیم و فضیلت دے وہ جمہور امت کے نزدیک بدعتی ہے مگر اس کی یہ بدعت خفیف بدعت ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اس کے بدعتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک جمہور سلف و خلف کے نظریات کی مخالفت کی ہے۔“

(الاسالیب البدیعیہ ص ۱۰)

یاد رہے کہ تفصیلیوں کو تقریباً تمام محققین اور مؤرخین نے شیعوں کا ایک فرقہ لکھا ہے۔ لہذا سعید ممدوح کا ہر شیعوہ کو اہل سنت میں داخل کرنا اور محب علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے نعروں کے بل

بوتے پر انہیں اسلام کے اکابرین میں داخل کرنا مردود ہے۔ لہذا ابلاغلو (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو افضل کہنا اور صحابہ کرام کی تعظیم کرنا (کو بدعت میں شمار کرنا علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل صحیح موقف ہے جبکہ محمود سعید ممدوح کا موقف باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ بدعتی اس لئے کہ ایسے شخص نے صحابہ کرام اور سلف و خلف کے نظریے کی مخالفت کی ہے۔ سعید ممدوح کا غلبہ حال ہے کہ ایسا شخص جو صرف سادات اور اہل بیت سے محبت کرے اس کو اہل سنت میں شمار کرتا ہے اور اس کو بدعتی کہنے پر چبھتا ہے۔ مگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا کہ صرف اہل بیت کی محبت کرنے سے سنی نہیں بنتا بلکہ شیخین کے مقام کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو افضل ماننا اہل سنت کی پہچان ہے۔ اور یہی عقیدہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ الکبر میں منقول ہے۔

اعتراض: سعید ممدوح صفحہ غایۃ التبجیل 273 [مترجم] پر لکھتا ہے۔

”البتہ تشیع میں غالی یا جسے رافضی کا نام دیا جاتا ہے تو اس کی مذمت اس کے تشیع کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام سے اعراض یا خلفاء ثلاثہ یا حضرات رضی اللہ عنہم یا زبیر یا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سب و شتم کرتا ہے یا ان پر لعنت کرتا ہے یا ان کے مقام کو گھٹانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ فق ہے عدل کو ساقط کر دینے والا ہے۔“

جواب: اگر تشیع کا نام حب اہل بیت ہے تو پھر تو تمام سنی ہی محب اہل بیت ہیں مگر محدثین کرام نے نہ تو ایسے شخص کے بارے میں تشیع کا لفظ استعمال کیا ہے اور نہ ہی ایسے شخص کو فاسق کہا ہے۔ محدثین کرام اور علماء کرام نے اہل تشیع کو اہل سنت سے ایک الگ اور خارج فرقہ قرار دیا ہے۔

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 274 پر تشیع کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت، آپ کی نصرت اور آپ کی حقانیت کے عقیدہ پر محمول پچا ہے جو کہ لغوی طور پر تو صحیح ہے مگر اصطلاحی طور پر تشیع کی یہ تعریف کرنا مردود اور باطل ہے۔ سعید ممدوح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو تشیع سے خاص کر رہا ہے جو کہ اس کے ذہن کی باطل اختراع ہے۔ سعید ممدوح کو کسی بھی لفظ کا لغوی اور اصطلاحی معنی میں فرق ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ سعید ممدوح تو مطلقاً تشیع کو واجب کر رہا ہے جو کہ غلط ہے۔ مزید یہ کہ تشیع کا تعلق حب علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ کرام کو ان کا اصل مقام نہ دینا ہے۔ شیخین کریمین کو افضل نہ ماننا یہ بدعت اور فسق ہے جیسا کہ علامہ نبھانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے واضح ہے۔

لفظ شیعہ کا پس منظر اور اسکی حقیقت

تفضیلیہ اپنا مقصد پورا کرنے کی خاطر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے اکثر باتیں اپنے حق میں پیش کرتے ہیں۔ اس مقام پر مناسب ہے کہ الزامی جواب کے طور پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے لفظ شیعہ کا اطلاق اور اس کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔ تاکہ لفظ شیعہ کا شیخ ممدوح جیسے لوگ غلط ترجمہ عوام الناس کے سامنے پیش کر کے گمراہ نہ کر سکیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”شیعان اولی کے دو فرقے شمار ہوتے ہیں:

پہلا فرقہ ان اہل سنت و جماعت مخلصین کا ہے جن میں مہاجرین و انصار صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم شامل ہیں، جو ہمیشہ حضرت علی المرتضیٰ کے رفیق ان کی خلافت کے مددگار رہے۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ہی خلیفہ برحق اور ان کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ کہ وہ اپنے زمانے کے موجودین میں سب سے افضل ہیں۔

دوسرا فرقہ تفضیلیہ ہے جو اگرچہ شیعان اولیٰ میں تو داخل نہیں ہے لیکن ایک مسئلہ تفضیل کو چھوڑ کر باقی تمام مسائل و معاملات میں اہل سنت کے ساتھ متفق اور ان کا اعتقاد و عمل بھی صحابہ کرام سے مروی ہے۔“ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۹ [مترجم])

اب رہے تفضیلی تو وہ لا فی العیر ولا فی النفیذ کی تصویر بن کر رہ گئے تھے، نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ تیرائی ان کو نہ مند لگاتے نہ اپنے میں شامل کرتے، اور یہ کہتے کہ یہ اہل بیت کی محبت کا حق ادا نہیں کرتے جو تیرائیوں کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کو گالی بک کر اور لعن طعن کر کے ادا ہوتا ہے۔ دوسری طرف مخلصین ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رویہ کے خلاف پلٹا دیکھ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دھمکیوں کو مورد جان کر حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۹ [مترجم])

”معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ لغت میں نواصب کا لفظ ہر اس شخص کے لیے ہے جو ان کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ اس اصول کی بنا پر غالی شیعہ، تیرائی شیعہ، تیرائی شیعہ، تیرائی، تفضیلی

شیعہ کو۔ اور تفضیلی، شیعان اولیٰ (مخلصین) کو۔ نواصب جانتے اور گردانتے ہیں۔“

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰ [مترجم])

شیعہ کے لقب سے سب سے پہلے وہ انصار و مہاجرین ہوئے جو ہر پہلو سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی متابعت اور پیروی میں سرگرم رہے اور خلافت کے وقت آپ کی رفیق صحبت رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے لڑتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر اور نواہی کو تسلیم کرتے رہے۔ دراصل مخلصین شیعہ یہی حضرات تھے۔ یہ لقب پہلے پہل ۳۷ھ میں روشناس ہوا۔ اس کے تین سال بعد (۴۰ھ) فرقہ تفضیلیہ وجود میں آیا۔“ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۳ [مترجم])

یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ شیعان اولیٰ جس میں اہل سنت اور اہل تفضیل دونوں شامل ہیں، پہلے شیعہ ہی کہے جاتے تھے مگر جب سے غلاۃ (غالی) روافض، زیدیوں، اور اسمعیلیوں نے اپنے لیے شیعہ لقب اختیار کیا اور ان کے اعمال و عقائد کی قباحتیں اور شر ظاہر ہونے لگے تو حق و باطل کے مل جانے کے خطرے کے پیش نظر فرقہ سنیہ و تفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لیے ناپسند کر کے ترک کر دیا اور اس کی جگہ اہل سنت و جماعت کا لقب اختیار کیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں اساطین اہل سنت کے لیے جو یہ الفاظ فلاں من الشیعۃ او من الشیعۃ مذکور ہیں تو یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ پہلے ایسے حضرات شیعان اولیٰ کا یہ لقب تھا۔ واقعہ کی تاریخ اور استعیاب میں اس قسم کے الفاظ بہت آتے ہیں لہذا اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ یہ حضرات مذکورین ہر گز ایسے شیعہ نہ تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مددگاری کے سبب شیعان علی رضی اللہ عنہ (علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی) کہلاتے تھے۔“ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰ [مترجم])

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 274 پر لکھتا ہے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ذکر کیا:

غالی تشیع یا بلا غلو تشیع۔

بدعت صغریٰ ہے اور یہ کثیر تابعین اور تبع تابعین کا مذہب ہے۔

مزید غایۃ التبجیل ص 275 پر لکھتا ہے:

”ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بل قد یعتقد ان علیاً (بلکہ وہ ابان بن تغلب بھی کبھار

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان دونوں پر افضلیت کا عقیدہ ظاہر کرتے تھے) میں مقام غور ہے اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر تقدیر بلا غلو تشیع ہے اور یہ تابعین اور تبع تابعین

میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کی تائید گذشتہ سطور سے ہوئی ہے اور سلف کی یہ قسم ذہبی کے اعتراف کے مطابق دین دار، متقی اور اہل صدق تھی نہ کہ نواصب کے دُھندورے کے مطابق اس کے برعکس۔

جواب: سعید ممدوح کا محدثیت کا دعویٰ کھل کر سامنے آگیا ہے کیونکہ وہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو سمجھ ہی نہیں پار ہے اس لئے ۱۔ بدعتیوں میں خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ، مرجیہ شیعہ وغیرہ لوگ شامل ہیں۔ ۲۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت مکفرہ (کافر بنا دینے والی بدعتیں) اور بدعت مضحکہ (فاسق بنانے والی بدعتیں) اگر کوئی شخص دین کے ضروری اور فطری امور سے انکار کرے جو تو اتر سے ثابت ہیں یا اس کے برعکس اعتقاد رکھتا ہو تو اس کو بدعت مکفرہ کہتے ہیں جیسے روافض کے متشدد فرماتے ہیں اور جس بدعتی کی یہ صفت ہو تو جمہور کے یہاں اس کی روایت مردود ہوتی ہے۔ (نورۃ النظر 87-90)

اور اگر آدمی ایسی بدعت کرتا ہے جو اس کو فاسق بنا دیتی ہے جیسے خوارج اور روافض کے معتدل فرقے، تو اس کی روایت قابل قبول ہوگی بشرطیکہ وہ عادل و ضابط ہو اور اپنی بدعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور نہ ایسی روایت کرتا ہو جو اس کی بدعت کو تقویت پہنچاتی ہو۔

(مقدمہ ابن ملاح ص 103 ہدی الساری ص 385 فتح المغیث 303/1)

اعتراض: سعید ممدوح کا صفحہ 275 پر یہ لکھا ہے کہ "اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر تقدیم کا عقیدہ بلا غلو تشبیح ہے اور یہ تابعین اور تابعین تابعین میں بکثرت پایا جاتا تھا۔"

جواب: یہ شیخ ممدوح کی ایک غلط فہمی سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال 5/1 پر ابان بن تغلب کو بدعت صغریٰ میں متعین کیا ہے (اور بدعت صغریٰ میں تشیع اور غلو فی التشیع دونوں شامل ہیں)۔ عجب تضاد ہے کہ سعید ممدوح خود نفس تشیع (بلاغو تشیع) کو صفحہ 274 پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت، نصرت اور حقانیت سے غاص کرتا ہے اور اسے صریح ایمان لکھا ہے (اور تفصیل علی رضی اللہ عنہ کو اس میں شامل نہیں کیا) جبکہ صفحہ 275 پر یہ نتیجہ اخذ کر رہا ہے کہ ابان بن تغلب نفس تشیع سے متصف ہے اور ابان بن تغلب تو کبھی کبھار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اقرار کرتا تھا جو کہ تشیع ہے مگر بدعت والی تشیع نہ کہ صرف مولا علی رضی اللہ عنہ کی محبت والی تشیع۔ قارئین کرام! یہ نکتہ سمجھنا اہم ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بدعت والی تشیع کو ابان بن تغلب کا ذکر کیا ہے جبکہ سعید ممدوح جو تشیع ظاہر کر رہا ہے وہ صرف حب علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت ہے جو کہ اصطلاحی تشیع نہیں بلکہ

لغوی تشیع ہے۔

ابان بن تغلب کا عقیدہ

حافظ الحدیث امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ما أدرکت أحداً ممن كنا نأخذ منه بفضل علی ابی بکر و عمر بعد نبی ﷺ (الفتاویٰ المستفتی، رقم: ۳۶) یعنی میں (امام شعبہ رحمہ اللہ) نے جس کو دیکھا اور جن سے علم حاصل کیا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے بعد افضلیت دیتا۔

امام شعبہ کے ۳۶۹ جلیل القدر اساتذہ افضلیت شیخین کا عقیدہ رکھتے تھے۔ امام شعبہ کے اساتذہ میں سب سے پہلا نام ابان بن تغلب ہے۔ (تہذیب الکمال، رقم: ۲۷۳۹)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ابان بن ابی تغلب کا اپنا عقیدہ تفضیل شیخین صحیح کابی تھا۔

اعتراض: سعید ممدوح کا غایۃ التبجیل ص 275 پر یہ لکھا ہے کہ "سلف کی یہ قسم ذہبی رحمہ اللہ کے اعتراف کے مطابق دین دار، متقی اور اہل صدق تھی۔"

جواب: شیخ ممدوح کا یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے صرف تشیع کے بارے میں یہ الفاظ نہ لکھے بلکہ اس کے ساتھ بلاغو تشیع کو بھی شمار کیا ہے جبکہ بدعت صغریٰ میں خالی بلاغو یا غالی تشیع ہی نہیں بلکہ قدری، خوارج اور رافضیوں کے معتدل فرقے بھی شامل ہیں تو کیا جناب ان لوگوں یعنی قدریوں، خوارج اور رافضیوں کو بھی دین دار، متقی اور اہل صدق کے وہ معنی لیں گے، جو کہ عرف عام میں لیے جاتے ہیں؟ یا کہ وہ معنی لیں گے جو کہ علم حدیث و رجال میں افند حدیث کے لیے جاتے ہیں؟

در اصل سعید ممدوح یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ بدعت صغریٰ (یعنی ایسے لوگ بھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیں) سے متصف لوگ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک دین دار، متقی اور اہل صدق ہیں۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ یہ اصول تشیع تک ہی محدود کیوں ہے؟ مرجی، قدری، جبری، خوارج اور رافضیوں کے معتدل فرقہ کا کیا قصور ہے۔ ان کو بھی آپ دین دار، متقی اور اہل صدق سے کیوں نہیں بلاتے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا ان کو دین دار، متقی اور اہل صدق سے پکارنا اس لئے نہ تھا کہ ان کا عقیدہ صحیح تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ ان خصوصیات سے متصف ہو کر بھی اس مسئلہ میں

غلطی پر تھے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک کافر بڑا نیک، سچا اور اپنے خداؤں سے ڈرتا بھی ہو تو ان خوبیوں کے باوجود بھی اس کو کافر ہی کہا جائے گا کیونکہ اس نے اس خطا عظیم کی ہے بالکل اسی طرح وہ تبع تابعین جو کہ سچے بھی تھے، متقی بھی اور ایماندار بھی۔ مگر مسئلہ افضلیت میں ان سے خطا ہوئی یا اپنے عقیدے میں غلطی پر تھے اس لئے ان خصوصیات کی موجودگی کے باوجود انہیں شیعہ یا غلوئی تشیع بھی کہا جاتا ہے۔ لہذا ایمانداری، متقی اور سچائی کے الفاظوں سے یہ تاثر دینا کہ یہ لوگ صحیح العقیدہ تھے، یہ بات کہنا غلط ہے۔

اچھا عجیب و غریب تضاد ہے سعید ممدوح پہلے تو علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے قول میں تشیع کی تعریف اور تشریح میں ان کو خطا دار ٹھہراتا ہے جبکہ بعد میں سعید ممدوح اپنی کتاب صفحہ 275 پر ابان بن تغلب کے ترجمہ میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے قول سے متفق نظر آتا ہے۔ جناب والا! اسے کہتے ہیں بیٹھا بیٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔

مزید یہ کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب سیر اعلام النبلاء 457/16 پر لکھتے ہیں اور بلاشبہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں، جو شخص اس میں اختلاف کرے تو وہ پکا شیعہ ہے جس سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ ایسا شخص پکا شیعہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر کے اقوال پر ایک نظر کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ 275 پر لکھتا ہے۔ "حافظ نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور صحابہ پر ان کی تقدیم تشیع ہے۔ پھر جس شخص نے انہیں حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر مقدم کیا تو وہ اپنے تشیع میں غالی ہے اور اس پر رافضی کا اطلاق ہوتا ہے ورنہ وہ شیعہ ہے۔ (مقدمہ فتح الباری ص 459)

پھر سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ 276 پر مزید لکھتا ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے اس محبت کو جو تقدیم کو لازم کرتی ہے تشیع میں محصور کر دیا۔ میری گزارش ہے کہ جہاں تک محبت کی بات ہے تو وہ ہر مسلمان پر واجب ہے اور ہر تقدیم کا معاملہ تو اسے حافظ نے دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

i- جس شخص نے شیخین کریمین کو مستثنیٰ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مقدم مانا تو وہ شیعہ ہے اور ان (حافظ) کے نزدیک مجرد العداۃ ہے حالانکہ امت کا ایک عظیم طبقہ

اس قسم میں داخل ہے۔

ii- رہا وہ شخص جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر مقدم مانتا ہے تو وہ شدید مجروح ہے اور حافظ نے اسے غالی شیعہ یا رافضی شمار کیا ہے اور یہ حافظ سے انتہائی شدید غلو ہے۔ صحابہ کرام میں سے بعض نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مقدم تسلیم کیا، بعض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، بعض نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو، بعض نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو اور بعض نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقدم مانا جو حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انتقال فرما گئے تھے جیسا کہ یہ بحث مبسوط و معروف ہے۔

جواب: سعید ممدوح کے اشکالات تحقیق کی روشنی میں غلط ہیں:

i- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شیخین کریمین کو مستثنیٰ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر مقدم ماننے والے کو شیعہ کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام اس مقام پر واضح نہیں جبکہ ان کے کہنے کا مقصد ان کی کتاب تہذیب الخبیثات 94/1 ترجمہ ابان بن تغلب میں واضح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ متقدمین کے عرف میں تشیع سے مراد شیخین کی تقدیم و تفضیل کے اعتراف کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر افضلیت کا اعتقاد ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر مقدم ماننے سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یعنی شیخین کریمین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہنا تشیع ہے اور یہ تشیع بلا غلو ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایسے راویوں کی روایت کو قبول کیا ہے۔ (تہذیب الخبیثات 94/1 فتح المغیث 64/2)

لہذا سعید ممدوح کا یہ کہنا کہ حافظ کے نزدیک مجرد العداۃ ہے بالکل غلط اور مردود ہے اور مزید یہ کہ ان شیعوں میں وہ بھی شامل ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر فوقیت دیتا ہے۔ اب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام سے چند امور واضح ہو گئے۔

ii- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تفضیل کا اعتقاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائی میں حق پر اور انکا مخالف گروہ خطا پر تھا۔

iii- متقدمین شیعہ تفضیل شیخین کے قائل تھے۔

iv- بعض شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتے تھے۔

اب ان تمام عقائد کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عقائد شیعہ لکھا ہے۔ پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان شیعوں کی قسمیں بیان کیں ہیں۔

- i- حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم ٹھہرائے وہ غالی شیعہ ہے۔
- ii- لکھتے ہیں کہ اگر ایسا عقیدہ رکھے تو یا تو وہ رافضی ہو گا یا پھر شیعہ (غالی) اس مقام پر سعید ممدوح کو غلطی لگی اور وہ لکھ بیٹھا کہ حافظ سے یہ انتہائی غلو ہے۔ مگر سعید ممدوح کو یہ غلطی کلام ابن حجر رحمہ اللہ کو بغور مطالعہ کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ اگر وہ حب اہل بیت کے نام نہاد دعویٰ سے باہر آئیں تو ان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کیوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم ٹھہرائے کہ رافضی ورنہ شیعہ سے متصوف کیا۔ دراصل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کو بغور مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے ایسا کیوں لکھا۔ اس کی چند وجہ ہیں۔

- i- حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر مقدم ٹھہرانے والے 2 قسم کے لوگ ہیں۔
- ii- اول وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر فضیلت دیتا ہے اور ساتھ شیخین پر تحقیق کرتا ہے۔
- ii- دوسرا وہ فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین پر فضیلت دیتا ہے مگر صحابہ کرام پر لعن طعن و تحقیق نہیں کرتا۔

ان مندرجہ بالا 2 فرقوں میں پہلا فرقہ رافضی کہلاتا ہے اور دوسرا فرقہ شیعہ کہلاتا ہے۔ لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام بالکل صحیح اور درست ہے کیونکہ انہوں نے دونوں کو شیعہ کے 2 گروہ مراد لیا ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ پس جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر مقدم ٹھہرائے وہ تشیع میں غالی ہے۔ اس پر رافضی ہونے کا اطلاق ہو گا ورنہ وہ شیعہ ہے۔

اس تصریح کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تہذیب العہد یب 1/94 پر مزید لکھتے ہیں:

”پس اگر تبرایا بغض کی تصریح موجود ہو تو یہ عرف متاخرین میں تشیع، یعنی رافضیت میں غالی۔ لہذا معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام بالکل صحیح اور سعید ممدوح کے احتمالات بالکل باطل ہیں۔ مزید عرض یہ ہے کہ ہر دور میں تشیع کی تعریف اور ان کے عقائد اور خصوصیات تبدیل ہوتی ہیں لہذا شیعہ کی تعریف کو جاننا ہر دور کے مطابق بہت ضروری ہے۔

مزید یہ کہ ہم تحقیق پیش کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

افضلیت کے علاوہ دوسرا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ اور اگر دوسرا قول ملے بھی تو وہ فضیلت جزوی کو ثابت کرتا ہے نہ کہ افضلیت مطلقہ۔ لہذا ہر قول کے بعد صحابہ کرام اور تابعین کو درمیان میں لا کر اپنا مقصد پورا کرنا ایک علمی خیانت ہے۔ جناب گزشتہ ابواب میں آپ کے پیش کردہ حوالوں کا بھرپور اور مدلل جواب دیا جا چکا ہے۔ لہذا اس کو دوبارہ بیان کرنا مناسب نہیں ہے اور برہیل تنزل اگر کسی صحابی کا اختلاف رہا مگر اجماع کے بعد یہ اختلاف ختم ہو گیا۔

جیسے کہ عرض کیا تھا کہ شیعوں کے فرقے کا مطالعہ بڑا اہم ہے۔ ورنہ شیخ محمود سعید ممدوح تو عوام الناس کو اسی طرح گمراہ کرتا رہا گا اور عوام الناس تو کجا عالم حضرات بھی یہ سمجھ بیٹھے کہ سعید ممدوح نے معرکہ الآراء تحقیق پیش کی ہے۔ سعید ممدوح کا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے اقوال نہ سمجھنے کی وجہ بھی یہی ہے۔

اہم نکتہ: قارئین کرام! فرقہ زدہ کی ایک شاخ یعقوبیہ ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ لوگ حضرات شیخین کریمین سے دوستی اور عقیدت رکھتے مگر ان دونوں صاحبوں پر تبراء کرنے والوں سے اظہار بیزاری نہیں کرتے۔ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق ص 72 پر اس فرقہ کو روافض کے فرقے میں شمار کیا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ روافض میں ایسے لوگ تھے جو کہ شیخین سے دوستی تو رکھتے مگر ان پر تبراء کرنے والوں کے بارے میں خاموش رہتے تھے۔ لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں بڑی وسعت ہے اور اس کو محدود الفاظ میں بند کرنا اور پھر اس سے نتیجہ اخذ کرنا اور عوام الناس کو گمراہ کرنا مردود اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ اور تفصیلیہ کا یہ کہنا کہ شیخین کی تعظیم کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننا صحیح ہے تحقیق کی روشنی میں لغو اور غلط ہے۔

اعتراض: شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 279 [مترجم] لکھتا ہے۔

پھر میں نے حافظ رحمہ اللہ کے اس قول پر تعجب کیا کہ ”حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تمام جنگوں میں حق بر اور ان کے مخالفین خطا پر تھے“ (سمجھنا تشیع کی علامت ہے) کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقانیت پر نصوص صریحہ متواترہ گونج رہی ہیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام، تمام اہل بیت کرام، اہل سنت، شیعہ اور معتزلہ تمام حضرات علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتے تھے۔

جواب: سعید ممدوح کا اعتراض حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر صحیح نہیں ہے کیونکہ حافظ نے شیعہ کی

القول من أبي عبد الله أنه يكره هذا القول، ولم يجزمه في تبديعه وإن قال قائل: هو مبتدع، لم ينكر عليه. (كتاب الرد للخال رقم: 535)

iv- مزید یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم کی ایک جماعت اگرچہ قائل تھی۔ مگر اس اختلاف کے بعد ان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر اجماع ہوا۔ لہذا اجماع سے پہلے کے اقوال اور اختلاف اجماع پر کوئی اثر انداز نہیں ہوتے جیسا کہ اہل علم پر یہ مسئلہ مخفی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ آخر میں اہل سنت کے مابین اجماع منعقد ہو گیا کہ فضیلت میں ان کی ترتیب خلافت کی ترتیب کی مانند ہے۔ (فتح الباری 34/7)

علامہ نبھانی اس نکتہ کو کچھ اس طرح واضح کرتے ہیں "امت محمدیہ کا سواد اعظم (اہل سنت و جماعت) عہد صحابہ سے لے کر آج تک اس مسئلہ پر متفق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ یہ ایسا اتفاق اور اجماع ہے جو مجرد خواہش نفس سے ممکن نہیں کیونکہ ساری امت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی مخصوص خونی رشتہ نہیں جیسا کہ اس کی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری نہیں اس کے باوجود امت نے انہیں دیگر صحابہ پر اسباب تفصیل کی وجہ سے فضیلت دی اسی طرح امت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم دی اگرچہ تحقیق کی تفصیل کے اسباب حضرت عثمان کی تفصیل سے زیادہ ظاہر اور واضح ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم پر سلف صالح کی اتباع لازم ہے کیونکہ ہمیں ان کی دینی قوت، علمی کثرت، شدت ورع (تقویٰ) اور عظیم معرفت اور غیر جانبداری کا کامل یقین ہے اگر وہ جانبداری سے کام لیتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری اور قربت کی وجہ سے ان کو ترجیح دیتے۔" (الاسالیب البدیعیہ ص 159)

علامہ نبھانی رحمہ اللہ (اللہ کے مقبول بندے اور جانین کے مسلمہ عالم) نے اس مسئلہ کو مزید واضح کر کے لکھا اور بیان کیا کہ "جمہور صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر اتفاق کیا یہی جمہور صحابہ کرام تابعین اور ائمہ مجتہدین اور ان کے ماننے والوں کا مذہب ہے اور سوائے امام ثوری رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے کسی نے اختلاف نہ کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ شروع شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت کے قائل تھے بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا تحقیق ہوا تو پہلے نکتہ نظر سے رجوع کر لیا۔ (امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بھی بعد میں رجوع کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم کے قائل ہوئے) اور جمہور صحابہ کرام و تابعین کے مذہب

سے اتفاق کر لیا۔ پھر یہ اتفاق اہل مذہب اربعہ نسل در نسل یہی عقیدہ رہا اور پہلے پچھلوں کو اسی بات کی تلقین و روایت کرتے رہے کتابوں میں اسی عقیدے کی اشاعت ہوتی رہی، محراب و منبر سے اسے نظریے پر وعظ ہوتے رہے اور محافل و مجالس میں بلا تکلیف اسی بات کا اعلان ہوتا رہا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔" (الاسالیب البدیعیہ ص 160)

علامہ نبھانی رحمہ اللہ کا منکرین فضیلت عثمان رضی اللہ عنہ پر رد

علامہ نبھانی نے مسئلہ فضیلت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والوں پر شدید رد کیا اور ان کے اس طرز عمل کو ناپسند کیا اور لکھا:

"اے دین حق کے متلاشی اور ائمہ ہدایت کے پیروکار مسلمان، جب تو اس حقیقت سے آگاہ ہو گیا۔ تو تیرے دل کو کیسے گوارا ہو گا؟ کہ تو اس امت کے صحابہ کرام، تابعین عظام، اولیائے امت، القیائے ملت، مجتہدین دین، علمائے شرع مبین اور دینی و دنیاوی امور کے ماہر سرداروں اور عقلمندوں کے اجماعی عقیدے کو خطا قرار دے گا۔ کیا تیرے خیال میں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گا؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے یا ائمہ اعلام، سادات اہل بیت کرام اس طرز عمل کو پسند فرمائیں گے؟ حاشاء وکلا۔" (الاسالیب البدیعیہ ص 160)

لہذا معلوم ہوا کہ علامہ نبھانی رحمہ اللہ نے اس شخص پر شدید اعتراض کیا جو اکابر اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔

v- مزید یہ کہ علامہ نبھانی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "میں نے ایک خواب دیکھا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت کی طرف اشارہ تھا۔" (الاسالیب البدیعیہ ص 161)

vi- علامہ نبھانی رحمہ اللہ نے کمال تحقیق کا حق ادا کرتے ہوئے ایسے شخص (بشمول سعید ممدوح) کا بھی رد کیا جو کہ یہ اعتراض کرتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے نام بھی منصب خلافت کے تجویز ہوئے (مجلس شوریٰ) اس لئے دونوں حضرات پر اہمیت خلافت منحصر نہ رہی۔ یہ نکتہ بار بار سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایۃ التبجیل میں بڑے مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ علامہ نبھانی رحمہ اللہ ایسے اعتراضات کا جواب

خصوصیات میں "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان پر افضلیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی تمام جنگوں میں حق پر اور ان کے مخالفین غلط پر تھے" کو لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگوں میں حق اور ان کے مخالفین پر خطا کا اطلاق اور ان پر اعتراضات کرنے والے پر شیعہ کا اطلاق کیا ہے اور ظاہر ہے کہ عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے جبکہ یہ قوفوں کو کلام واضح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا شیعہ کا اطلاق ان پر ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو خطا پر سمجھتے اور اس خطا کی وجہ سے ان کی برائی کرنا ہے۔ جناب مالی! ذرا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں غور کریں۔ انشاء اللہ تمام اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

امام خلال رحمہ اللہ کی کتاب السنۃ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 280 تا ص 289 تک کتاب السنۃ ابن خلال رحمہ اللہ پر امام احمد رحمہ اللہ کے اقوال پر اعتراض کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا جس کا جائزہ ملاحظہ کیجیے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 280 پر لکھا ہے۔ جان لیجئے کہ اہل علم کی ایک جماعت جب مختلف تاثیرات سے مرعوب ہو گئی تو ان سے مسئلہ تفضیل میں نامناسب تعبیرات صادر ہوئیں اور اللہ عزوجل نے ہم پر لوگوں میں سے کسی شخص کے قول کی اتباع واجب نہیں فرمائی، ہمارے لئے حجت اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور جس چیز کی طرف یہ دونوں رہنمائی فرمائیں۔

پھر مزید لکھتے ہیں کہ "احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ان سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اور میں سن رہا تھا انہوں نے فرمایا: یہ شخص بدعتی ٹھہرائے جانے کا اہل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا تھا۔

(السنۃ لخال رقم: 530)

پھر سعید ممدوح ص 281 پر مزید لکھتا ہے۔ "میں کہتا ہوں: یہ بڑے اقوال اپنے قائلین کے لیے مضر ہیں کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت کا مذہب ہے۔

پھر ممدوح ص 281 اور ص 282 پر مزید گل نشانی کچھ یوں کرتا ہے۔

"امام احمد نے فرمایا: میں کو فیوں ابراہیم اور دوسروں سے روایت کردہ مذہب کو اختیار

نہیں کرتا اور نہ ہی اہل مدینہ سے روایت کردہ مذہب کو اختیار کرتا ہوں کہ وہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے" خلاصہ یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا تمام حضرات بدعتی ہیں جیسا کہ خلال نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کیا تو یہ ایسی قیامت اور مصیبت ہے جس کا کوئی حل نہیں۔

جواب: سعید ممدوح بڑا ہی جری شخص ہے بلکہ میرے تجربات کے مطابق تفضیلیہ کی اکثریت ائمہ کرام اور علماء عظام بڑے ہی جری ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو محدثین کرام سے کچھ محبت نہیں ہوتی اور اپنی محفلوں میں نام نہاد اعتراضات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ محمود سعید ممدوح کا یہ کہنا "اہل علم کی ایک جماعت تاثیرات سے مرعوب ہو گئی تو ان سے مسئلہ تفضیل میں نامناسب تعبیرات صادر ہوئیں" ایک بہت ہی عظیم ظلم ہے۔ تف ہے تجھ پر اسے ممدوح۔ تجھے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی حیثیت کا خیال نہیں ہے؟ کیا تجھے امام اہل سنت امام احمد بن حنبل کا مقام معلوم نہیں؟ کیا تجھے امام اہل سنت کا تکالیف برداشت کرنا معلوم نہیں؟ کیا تو ان کی اہل سنت کے لیے قربانیاں اور مسئلہ خلق قرآن کے فتنے میں پہاڑ کی طرح پر عظم رہنا بھول گیا؟

دراصل سعید ممدوح جیسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو اہل سنت کی آڑ میں اہل سنت کو ہی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اللہ ہمیں ایسے شخص سے محفوظ فرمائے۔

ii- سعید ممدوح اپنے علم کے نشے میں یہ لکھ رہا ہے کہ ہمیں صرف اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی کافی ہے۔ جناب پھر تو آپ نے ادلہ اربعہ کے 2 ارکان اجماع اور اجتہاد کا انکار کر کے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے اور یہ قول کہہ کر اہل ظاہر یعنی غیر مقلدین میں اپنا نام لکھوا لیا ہے۔ اہل ہوالا مذہب سعید ممدوح کی یہ شائد تحقیق ان کے چاہنے والوں کو مبارک ہو۔

iii- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اس شخص پر جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیں پر بدعتی کا فتویٰ لگانا صحیح ہے کیونکہ جمہور علماء کرام صحابہ و تابعین کی مخالفت سے انسان بدعتی ہی ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ بعض اوقات کسی کراہت والے قول پر بدعتی کا اطلاق بھی ہوتا ہے جیسا کہ امام خلال رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لا تری فی هذا الباب مع توقف أبي عبد الله في غير موضع يكره أن

يقول: مبتدع. فكانه لم يربأساً لو قال له: مبتدع. فاستقر

دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

م اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق بخوبی جانتے تھے کہ خلافت ان دونوں کے درمیان منحصر ہے مگر یہ بھی جانتے تھے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان شدید سیاسی کشمکش ہے اس لئے انہیں اندیشہ ہوا کہ کسی ایک کا نام تجویز کرنے سے کہیں دونوں قبیلوں کے درمیان فتنہ نہ پیدا ہو جائے چنانچہ ان کے ساتھ دوسرے اہل لوگوں کو شامل کر دیا تاکہ ایک مجلس شوریٰ وجود میں آجائے اور وہ جس پر اتفاق کرے تو امت اس سے راضی ہو جائے پھر ایسا ہی ہوا۔ الحمد للہ ساری امت نے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کر لیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی بیعت کر لی اور ہمیشہ ہر معاملے میں ان کی کامل اتباع اور مدد کی۔

(الاسابیب البدیعیہ ص 161)

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ سعید ممدوح کے اعتراضات کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے منقول بعض اقوال پر اعتراضات کا تحقیقی پس منظر

سعید ممدوح اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص 284 تا ص 289 تک امام احمد رحمہ اللہ سے مروی چند اقوال کو ناپسندیدہ کہہ کر اعتراض کرتا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 284 پر لکھا ہے:

”محدث خلال امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اهل الكوفة كلهم يفضلون۔ تمام اہل کوفہ فضیلت دیتے ہیں۔ (کتاب الایضاح لرقم: 568)

جب یہ تمام فضیلتیں امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بدعتی ہیں جیسا کہ خلال نے روایت کیا ہے۔

پھر آگے سعید ممدوح امام احمد رحمہ اللہ کا قول نقل کرتا ہے:

”تمام اہل کوفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں سوائے دو شخصوں کے طلحہ اور عبد اللہ بن ادریس۔“ (کتاب الایضاح لرقم: 569)

جواب: بات اہل علم لوگوں پر مخفی نہیں کہ بعض اوقات کسی شہر کا نام لے کر فرد واحد مراد ہوتا ہے:

i- اس کی مثال یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے جب امام مالک رحمہ اللہ پر رد کے لیے حجۃ اہل مدینہ کتاب لکھی تو انہوں نے جگہ جگہ اہل مدینہ کا نام لکھا مگر امام مالک کا نام نہیں لیا۔ جب

امام شافعی رحمہ اللہ نے امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اہل مدینہ سے کیا مراد ہے تو امام محمد

بن الحسن رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے مراد امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔ (مناقب شافعی ج 1 ص 121)

ii- مزید یہ کہ بعض اوقات ایک علاقہ یا شہر کی نسبت چند افراد کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے فقہاء کرام اور محدثین کرام جب بھی مذہب اہل کوفہ کہتے ہیں تو اس سے مراد امام اعظم نعمان بن ثابت رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ مراد ہوتے۔

لہذا معلوم ہوا کہ علاقے سے مراد تمام لوگ نہیں بلکہ کبھی شخص واحد یا کبھی متعدد اشخاص کے معنی میں بھی بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح امام احمد کا کوفیوں سے مراد چند کوفی ہیں نہ کہ تمام اہل کوفہ۔ امام احمد رحمہ اللہ نے خود بھی ان گروہوں سے طلحہ بن مصرف اور عبد اللہ بن ادریس کو خارج کیا ہے۔

iii- مزید یہ کہ سعید ممدوح ذرا ہمت کر کے ان اہل کوفہ کے نام تو متعین کریں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے اور انہوں نے رجوع بھی نہ کیا ہوتا کہ بات واضح ہو سکے۔

iv- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ نہجانی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ ابتداء میں اختلاف تھا مگر بعد میں سب کا اتفاق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ہو گیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ سعید ممدوح کے احتمالات باطل اور مردود ہیں کیونکہ جمہور اہل سنت کا مخالف بدعتی ہی ہوتا ہے۔

v- مزید یہ کہ بہت سارے کوفی ایسے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے اور اس قسم کے بہت سارے اقوال میں نے اپنی کتاب میں ذکر کر دیے ہیں۔

اعتراض: شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 285 پر لکھتا ہے۔

”محدث خلال لکھتے ہیں..... سفیان ثوری نے فرمایا جس نے علی کو ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ

پر مقدم مانا تو یقیناً اس نے بارہ ہزار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی کی اور مجھے خدشہ ہے

کہ اس عقیدہ کے ساتھ اس کو اس کا عمل کچھ فائدہ نہ دے گا۔“ (کتاب الخلال لرقم: 515)

پھر سعید ممدوح لکھتا ہے: ”میں کہتا ہوں یہ اور اس کی مثال دوسرے اقوال ہمیں بڑی تفریق پیدا کرنے والی ایسی نصوص کی یاد دلاتے ہیں۔ غایۃ التبجیل صفحہ 286 پر لکھتا ہے..... مذکورہ

قول دونوں حالتوں میں مردود و مغلوب ہے اور فکری دہشت اور حقائق کو مٹانے کی واضح مثال ہے۔

جواب: صرف سفیان ثوری پر اعتراض کرنے سے آپ کی جان نہیں چھٹ سکتی کیونکہ اصحاب

رسول ﷺ پر زیادتی والا قول صرف امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ہی نہیں بلکہ قاضی شریک کا قول اصول السنہ رقم: 194، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول فضائل الصحابہ رقم: 309، صحابی رسول ﷺ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قول معجم الادب رقم: 832 پر موجود ہے۔ لہذا اس قول کی وجہ سے سفیان ثوری پر اعتراض کرنا مردود ہے اور بابہ کہ "اس عقیدے کے ساتھ اس کو اس کا عمل کچھ فائدہ نہ دے گا" پر اعتراض بھی مفید نہیں کیونکہ اکابرین نے بدعتی کے اعمال مردود ہونے کی تصریح کی ہے۔ اگر آپ کو یہ اعتراض ہے تو پھر ایسا قول نقل کریں جس میں بدعتی کے اعمال مقبول ہونے کی تصریح موجود ہو لہذا اس قسم کے اعتراضات لغو اور فضول ہیں۔ مزید یہ کہ کتاب السنۃ للخلال رقم: ۵۱۵ کا متن مکمل نہیں ہے کیونکہ سفیان ثوری کا مکمل عقیدہ لاکائی نے شرح اصول الاعتقاد میں بیان کیا ہے۔ لاکائی اپنی سند سے کتاب السنۃ میں شعیب بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں نے امام سفیان ثوری سے کہا کہ سنت رسول ﷺ کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس سے مجھے نفع ہو اور جب میں خدا کے پاس جاؤں تو کہ سکوں خدا یا! یہ بات مجھے سفیان ثوری نے بتائی تھی میری نجات ہو جائے اور اسکی ذمہ داری آپ پر عائد ہو فرمانے لگے، لکھیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اسی کی طرف سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا جو شخص اس کے خلاف اعتقاد رکھے وہ کافر ہے ایمان قول، عمل، اور نیت کا نام ہے اور کم و بیش ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رحمہ اللہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ پھر فرمایا اے شعیب! جو کچھ تو نے لکھا ہے اس کا تحصیل فائدہ نہ ہو گا جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، نماز میں بسم اللہ سر آپڑنا افضل ہے۔ جب خدا کے سامنے جاؤ اور ان چیزوں کے متعلق تم سے دریافت کیا جائے تو صاف صاف کہہ دینا، خدا یا! یہ باتیں مجھے سفیان نے بتائی تھیں پھر مجھے خدا کے سپرد کر کے الگ ہو جانا۔" (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ للہامہ رقم: ۳۱۴)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو ثابت اور ثقہ لکھا ہے۔ (مذکرہ الخلفاء رقم: ۱۹۸) لہذا نہ مکمل قول کی بنیاد پر سفیان ثوری پر اعتراض کرنا ممدوح جیسے لوگوں کا ہی کام ہے مگر یاد رہے کہ تحقیق کے میدان میں ایسے اعتراض کسی اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

اور شیخ محمود سعید ممدوح اور انکے ساتھیوں کا یہ کہنا کہ "سفیان ثوری کا تفضیل شیخین کا قول مردود و مغلوب ہے اور فکری دہشت اور حقائق کو مٹانا ہے" ایک جہالت عظیم اور محدثین پر لعن طعن

ہے۔ جناب والا! سفیان ثوری رحمہ اللہ تو اپنے ساتھی کو آخرت کے لیے مفید اور نفع مند عقیدہ بتا رہے ہیں اس عقیدہ کے رکھنے والے کو اپنی ذمہ داری پر نجات کی بشارت دے رہے ہیں۔ اور شیخ ممدوح اس کو سفیان ثوری کی فکری دہشت قرار دے رہا ہے۔ ایسے ہی نامکمل اور ادھوری تحقیق انسان کو گمراہی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ کچھ تو شرم کر، اپنے ہی اسلاف کو فکری دہشت کا طعنہ دے رہا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 287 پر لکھا ہے:

"شریک نے کہا: جس میں بھلائی ہوگی وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ پر کسی کو مقدم نہیں مانے گا۔" (کتاب السنۃ رقم: 518)

(میں [سعید ممدوح] کہتا ہوں) یہ قول خلافت میں صحیح ہے۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں شریک سے دریافت کیا گیا آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ رسوا ہوا اس نے مسلمانوں کو خطا وار ٹھہرایا۔

(سیر اعلام النبلاء، 8/204)

انہوں نے خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مزید لکھا ہے یہ یاد رکھیے کہ شریک شعیبی تھا۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ اس کا کلام کسی خاص مطلب پر محمول ہو یا انہوں نے یہ بات تھیہ کہی ہو کیونکہ وہ عباسیوں کا قاضی تھا۔

جواب: سعید ممدوح کی یہ عادت ہے کہ جہاں افضلیت کا کوئی قول ملتا ہے تو خبث باطن کو ظاہر کر کے لکھتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ افضلیت خلافت میں ہو۔ جناب عالی! عرض یہ ہے کہ اہل سنت میں خلافت پر تو کوئی اختلاف باقی رہا ہی نہیں تھا۔ مزید یہ کہ اگر آپ جناب علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے چند حوالے جو پیش کرتے ہیں ان حوالوں کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جائے کہ انکی افضلیت بھی خلافت میں تھی تو آپ کو پھر بہت تکلیف ہوگی۔

مزید یہ کہ نہ تو شریک کے اپنے قول میں اور نہ ہی ابن عیینہ رحمہ اللہ کے سوال میں خلافت کا تو نام و نشان ہی نہیں ہے لہذا یہ سعید ممدوح کی اپنی ذہنی اختراع ہے۔ بلکہ شریک نے ابراہیم بن امین سے کہا کہ جو کسی کو بھی افضل نہ کہے تو شریک نہ کہا: ایسا شخص احمق ہے بلکہ فضیلت تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ہے۔ (مغانی الاخیار 21/2 و میزان الاعتدال رقم: 3697)

اور یہ کہ قاضی شریک نے ایسے شخص پر شیعہ کے لفظ کا اطلاق بھی ممنوع کر دیا تھا جو کہ حضرت

علیؑ کو شیخین کریمینؑ سے افضل سمجھے۔ کیونکہ شیعوں تو حضرت علی المرتضیٰ کے اقوال کو ماننے والا ہوتا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ تو شیخین کریمینؑ کو افضل سمجھتے تھے۔

(دعائیں ابو القاسم السیسی کی کتاب النسخ علی ابن الراوندی فی اعتراض علی الخلفاء رقم: 110 ج 1 ص 226-228 منہاج السنہ 1-13-15)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وكان عادلاً فاضلاً عابداً شديداً على أهل البدع.

(تقریب المعذب رقم: 2787)

یعنی کہ وہ عادل، فاضل، عابد اور اہل بدعت پر سخت نگیر کرنے والے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ وہ اہل بدعت پر سخت نگیر کرنے والے تھے، لہذا سعید ممدوح کا یہ کہنا کہ انہوں نے یہ بات تقریباً کہہ دی ہوگی بالکل غلط اور باطل ہے۔ خیر سے موصوف کو ان کے چاہنے والے محدث اہل سنت مانتے ہیں اور مسئلہ فضیلت میں جاہل لوگوں ہی باتیں کر رہے ہیں۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 288 پر ہے۔

علامہ ذہبیؒ ابراہیم عبدالعزیز کے حالات میں لکھتے ہیں..... ابوالشیخ نے ذکر کیا ہے کہ ابونعیم حدیث بیان کرنے کے لیے بیٹھے تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کے فضائل بیان کیے پھر فرمایا: اب ہم حضرت عثمانؓ سے شروع کریں یا حضرت علیؓ سے؟ تو لوگ کہنے لگے: یہ رافضی ہے پھر انہوں نے ان کی حدیث کو ترک کر دیا۔ (میزان الاعتدال 1/218)

پھر سعید ممدوح صفحہ 289 پر لکھتا ہے گزشتہ دور کے طلبہ حدیث کی حالت میں غور فرمائیں وہ کس قدر دینی دہشت گردی اور باطل تقلید میں مبتلا تھے؟ حافظ نے "لسان" میں اس بری تاثیر کا خوب تعاقب کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں..... یہ کھلا قلم ہے کیونکہ اہل سنت کی ایک جماعت کا مذہب ان دونوں کی ایک دوسرے پر تفصیل میں توقف کا ہے اگرچہ اکثر تقدیم عثمانؓ کے قائل ہیں بلکہ اہل سنت کی ایک جماعت سیدنا علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم مانتی تھی، انہیں میں امام سفیان ثوری اور امام ابن خزیمہ بھی ہیں۔ (لسان المیزان 1/113)

جواب: سعید ممدوح کسی جگہ حافظ ابن حجرؒ کے قول کو ناپسندیدہ کہہ کر رد کر دیتا ہے اور کسی جگہ

بڑی آسانی سے ان کے اقوال کو مان لیتا ہے مزید یہ کہ اہل سنت مذہب کی یہ خاصیت ہے کہ جہاں کوئی غلطی نظر آئی اس کا فوراً جواب دے دیا اور اس غلطی پر اصرار نہیں کرتے اور جب کسی ایک قول کو رد کر دیا تو اس کی حیثیت شاذ اور مردود قول کی ہو گئی۔ اسی طرح سعید ممدوح نے جو اقوال مسئلہ فضیلت میں اختلافی نقل کئے ہیں ان سب کا رد اور جواب علماء کرام نے دے دیا ہے اور ان کے جواب کے بعد ان اقوال کی حیثیت شاذ کی ہے۔ لہذا ان اقوال کو عوام کے سامنے پیش کرنا غلط اور مردود ہے۔

مزید یہ کہ حافظ ابن حجرؒ نے تقدیم حضرت عثمانؓ میں اختلاف ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے ایسے شخص پر رافضی ہونے کے اطلاق پر انتباہ کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے ایسے شخص کا رافضی ہونے کی نفی ہے نہ کہ شیعہ ہونے کی۔

مزید یہ کہ خود حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ اختلاف تقدیم عثمانؓ کے بعد اس مسئلہ میں اہل سنت کا اجماع ہو گیا تھا کہ تقدیم حضرت عثمانؓ کو ہی ہے۔ (فتح الباری)

اور یہ کہ ابن خزیمہؒ کے قول کو حافظ سخاویؒ نے فتح المغیث 126/3 پر سختی سے رد کر دیا ہے۔ لہذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو تقدیم دینے والا شیعہ ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ صحابہ کرام کی تعظیم بھی کرتا ہو اگر کوئی شخص حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر تقدیم بھی دے اور ساتھ صحابہ کرام سے بغض بھی رکھے ایسا شخص ضرور بد رافضی ہے۔

امام دارقطنیؒ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 290 پر لکھتا ہے۔

اعتراض: دارقطنی نے فرمایا: اہل بغداد نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ایک قوم نے کہا: عثمان افضل ہیں اور دوسری قوم نے کہا: علی افضل ہیں پھر وہ تمام لوگ میرے پاس فیصلے کے لیے آئے تو میں نے خاموشی اختیار کی اور کہا کہ خاموشی بہتر ہے پھر میں نے دینی بھلائی کے پیش نظر سکوت کو بہتر نہ جانا اور میں نے سوال کرنے والے شخص سے کہا: ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ابوالحسن کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اصحاب رسولؐ کی جماعت کے اتفاق کی بنا پر علیؓ سے افضل ہیں اور یہی اہل سنت کا قول ہے اور یہی وہ پہلا مسئلہ ہے جہاں سے رافضیت

قرار پکڑتی ہے۔ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل صفحہ 290 پر مزید لکھتا ہے۔ میں (ذہبی رحمہ اللہ) کہتا ہوں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا رافضیت اور بدعت نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء 457/16)

سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 291 پر لکھتا ہے:

”دارقطنی کا یہ کہنا ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی جماعت کے اتفاق سے فاضل ہیں“ ایسی بڑی غلطی ہے جو اس قول کی صحت کو مخدوش کر رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس مسئلہ میں غلط اور گھبراہٹ کا شکار ہیں۔ لہذا تم ان (ائمہ) کی مخالفت سے مت گھبراؤ بلاشبہ حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔“

جواب: سعید ممدوح کے اعتراضات کا بالترتیب جائزہ ملاحظہ کریں۔

1- علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ قول لکھنا کہ ”سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا رافضیت اور بدعت نہیں ہے“ ایک تحقیق طلب امر ہے کیونکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ایسے شخص کو رافضی نہیں کہا بلکہ اس مسئلہ کو رافضیت کی طرف ایک سیزھی یا راستہ کہا ہے لہذا دونوں (امام دارقطنی رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ) کے کلام میں کوئی فرق نہیں ہے اور رہا یہ مسئلہ کہ وہ بدعتی بھی نہیں ہے تو عرض یہ ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت کبریٰ ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بدعت صغریٰ کا انکار نہیں کیا اس کا قرینہ یہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم دینے والے کو اپنی کتاب میزان الاعتدال 5/1 پر بدعت صغریٰ سے متصوف کیا ہے۔ لہذا اس قول پر بھی خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

2- سعید ممدوح کا علامہ دارقطنی رحمہ اللہ کے قول کو غلط کہنا مردود ہے کیونکہ ایرامی قول جید محدثین کرام خصوصاً امام احمد بن حنبل، ایوب سختیانی رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی ہے کہ صحابہ کی جماعت کے اتفاق سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔

3- مزید یہ کہ امام دارقطنی کا یہ قول مزید وضاحت اور تفصیل کے ساتھ سوالات اسلامی رقم: 247 پر بھی موجود ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یونس بن خباب یغلوفی التشیع۔

(المؤمن والکف 47/11)

ایک دوسری تصنیف میں راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

فیہ یتشیعہ مفرطۃ، کان یسب عثمان۔ (اعل ج ۲ ص ۴۳، ۴۴)

اگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس قول کو تفصیل سے بیان کر دیتے تو مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔ سوالات سلمیٰ میں اس قول کے شروع میں لکھا ہے:

وقال عبدالعزیز بن مہیب، دخلت علی یونس بن حباب، فذکرت عنده عثمان، فقال لعلک من هؤلاء النواصب الذین یحبون عثمان بن عفان، الذی قتل ابنتی رسول اللہ ﷺ، فقلت له: قتل الواحدۃ سم زوجہ الاخری وقال الشیخ: اختلف قوم۔

پھر راوی عبارت سیر اعلام النبلاء 457/16 کی ہے۔

اب اس تحریر سے واضح ہوا کہ ایک شیعہ رافضی یونس بن حباب جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کیا کرتا تھا اس کا تذکرہ اور اس کا عقیدہ علامہ دارقطنی رحمہ اللہ نے ذکر کیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں کو ناصبی کہتا تھا۔ لہذا امام دارقطنی رحمہ اللہ نے یونس بن حباب کے عقائد ذکر کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر مختلف اقوال نقل کیے اور اس کے رد میں یہ بات واضح کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے طے پائی ہے اور اسی کو اہل سنت کا مسلک قرار دیا۔ (کیونکہ اس کے برخلاف ایک شیعہ رافضی یونس بن حباب حضرت عثمان کے چاہنے والوں کو ناصبی کہتا تھا) اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں فرق کرنے والوں پر یہ اعتراض کیا کہ مسئلہ تفصیل حاصل میں شیعیت اور رافضیت کا راستہ ہے۔ کیونکہ اگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل نہ مانے تو وہ تمام تر قصور وار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی ٹھہراتے ہیں کیونکہ بنو امیہ ان کی ہی قوم تھی۔ لہذا شیعہ اور رافضی بنو امیہ کے تمام مظالم کا قصور وار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی ٹھہراتی ہے جیسا کہ کتب تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہے۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے سامنے حافظہ دارقطنی کے قول کا پس منظر نہ تھا لہذا انہوں نے اپنی طرف سے اس بات کی تصریح کر دی مگر اس مقام پر میں نے حافظہ دارقطنی رحمہ اللہ کی مکمل عبارت نقل کر دی تاکہ محققین کو اس سے فائدہ ہو۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 291 پر لکھا ہے۔

ذہبی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک اور مقام میں لکھا ہے۔

”پھر عراقی شیعوں کی بڑی تعداد علی و عثمان رضی اللہ عنہما دونوں سے محبت کرتی ہے لیکن علی کو عثمان

پر فضیلت دیتی ہے۔ (میزان الاعتدال 552/3) پھر سعید ممدوح لکھتا ہے۔ میں (ممدوح) کہتا ہوں تم کوئی ایسا شیعہ نہیں پاؤ گے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہو اور شیعوں میں صحابہ اور تابعین کی بڑی تعداد شامل ہے بلکہ ان میں سے بعض صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منحرف تھے۔

جواب: محمود سعید ممدوح کی یہ ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے کہ وہ لفظ شیعہ کا اطلاق صحابہ کرام اور تابعین پر کھلے عام کر رہا ہے کیونکہ لغوی طور پر تو صحیح ہے مگر اصطلاحی طور پر اس کا اطلاق ایسی ہستیوں پر کرنا ہے اب ہر شیعہ ایک قسم کا نہیں ہوتا۔ ان میں بعض معتدل ہیں۔ بعض غلو رکھتے ہیں اور بعض افضلیت حضرت علی المرتضیٰ کے قائل ہیں۔ لہذا تمام کو لفظ شیعہ میں داخل کر کے عمومی طور پر ذکر کرنا غلط ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب ابتداء میں دیگر فتنے رونما ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ کے ماننے والوں نے اپنا نام اہل سنت رکھ لیا تاکہ باطل فرقوں سے ممتاز ہو سکیں۔ اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے تو اس بنا پر اسے لغوی طور پر شیعہ علی رضی اللہ عنہ کہنا تو ٹھیک ہے مگر جناب والا اس شخص کا دیگر تمام صحابہ کرام کے بارے میں عقیدہ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرنے والوں کے بارے میں اس کا کیا کیا عقیدہ ہے؟ اس کو بیان کرنا اور اس میں فرق ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔

اب سعید ممدوح کا علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ لکھنا کہ ”پھر عراقی شیعوں کی بڑی تعداد علی اور عثمان رضی اللہ عنہ دونوں سے محبت کرتی ہے لیکن علی کو عثمان پر فضیلت دیتی ہے“ اگر اس پر ہم یہ سوال کریں کہ یہ افضلیت خلافت میں ہے یا مسئلہ افضلیت میں تو پھر جناب کیا جواب ہو گا؟ کیونکہ تفصیلیہ اکثر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت تو خلافت میں ہے۔ جناب والا جب ہم افضلیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول پیش کریں تو آپ لوگ اسے خلافت کے ساتھ جوڑ دیں۔ اور اگر خود کوئی تفصیل علی المرتضیٰ کا ضعیف قول نقل کریں تو اسے افضلیت مطلقہ پر معمول کریں۔ آپ لوگوں کے بھی عجب اصول ہیں۔

مزید یہ کہ یہ یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چاہنے والوں میں صحابہ کرام، تابعین بھی تھے مگر ساتھ ایسے لوگ بھی تھے جو کہ حب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض صحابہ بھی رکھتے تھے لہذا ان دونوں کو ایک ہی شیعہ کے تحت داخل کرنا گمراہی اور علمی بدیانتی ہے۔

اور یہ کہ محمود سعید ممدوح کا یہ لکھنا بھی اس کا باطنی خبث ہے کہ بعض صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منحرف تھے۔ اس کا جواب ہم دے سکتے ہیں مگر ایسی خرافات پر لاجول والا پڑھنا زیادہ

مناسب ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 292 پر لکھا ہے۔

”رہا امام ذہبی رحمہ اللہ کا یہ قول: عثمان و علی رضی اللہ عنہ دونوں فضیلت والے اور سبقت و جہاد والے ہیں علم و جلالت میں دونوں مساوی ہیں“ تو یہ محل نظر ہے۔ اہل علم میں تمام اولین و آخرین جانتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسلام و نماز میں سب سے صالح، صحابی ہونے کے لحاظ سے سب سے بڑے، جہاد کے لحاظ سے سب سے بڑے، کثیر علم میں سب سے زیادہ اور نسب کے لحاظ سے معزز ہیں اور ان کے فضائل میں آنے والی احادیث سب سے زیادہ ہیں۔

جواب: محمود سعید ممدوح تو بڑے جذبے سے ہمارے خلاف ایسے اقوال نقل کرتا ہے کہ مسئلہ افضلیت میں تو قن بہتر ہے اور اس بارے میں اس نے پورا باب بھی لکھا ہے۔ مگر اس مقام پر اس نے جینٹا شروع کر دیا ہے۔ عجب تضاد ہے کہ ہمارے خلاف ایسے حوالے دل کھول کر نقل کرے مگر جب اپنے موقف پر زور دے تو ایسا شدید احتجاج کیوں؟ مزید یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اپنی جگہ مسلم مگر جمہور صحابہ کرام اور پھر بعد میں اجماع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر ہی ہوا ہے۔

اعتراض: محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 292 پر لکھتا ہے۔

”رہا امام ذہبی کا یہ قول اور بلاشبہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں سے افضل ہیں جو شخص اس میں اختلاف کرے تو وہ پکا شیعہ ہے“ میں (سعید ممدوح) کہتا ہوں: اس میں ائمہ اہل بیت اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے اور یہ رافضیت یا بدعت نہیں ہے۔ اگر امام ذہبی رحمہ اللہ اسرار فرمائیں کہ یہ رافضیت اور غالی شیعیت ہے تو پھر اس رافضیت میں ہی ٹھہرے۔ ذرا امام شافعی کا ارشاد تو ذہن میں لاسیے۔ جب ہم علی کی تفصیل بیان کرتے ہیں تو جہالت مآب لوگ کے نزدیک رافضی قرار پاتے ہیں۔

جواب: حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا بیان حدیث، اجماع اور اہل سنت علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں بالکل صحیح اور درست ہے۔ رہا آپ کا اہل بیت اور صحابہ و تابعین کا اختلاف بیان کرنا تو اول تو کوئی ایسی روایت پیش کریں جس میں صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلقاً افضل کہا ہو۔ اہل بیت کا کوئی بھی صحیح سند سے ایسا عقیدہ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی مسئلہ افضلیت میں زیدیوں کے اقوال مقبول ہیں۔ تابعین کا اس معاملہ میں اختلاف اقوال شاذ ہیں جس کو نہ تو امت نے قبول کیا اور بلکہ ایسے

اقوال کا رد لکھا اور اگر برہیل تنزل بعض صحابہ کرام کا اختلاف مان بھی لیں تو یہ اجماع صحابہ سے قبل کا اختلاف ہے کہ نہ اجماع کے بعد کا لہذا سعید ممدوح کے تمام اعتراضات لغو اور باطل ہیں۔

مزید یہ کہ سعید ممدوح نے جو اشعار امام شافعی رحمہ اللہ سے بیان کئے ہیں اس کی کوئی صحیح سند تو پیش کر دیں وگرنہ ایسے حوالوں پر آپ کو شرمسار ہونا چاہیے اور یہ کہ کیا آپ کو امام شافعی رحمہ اللہ کا افضلیت شیخین کا عقیدہ معلوم نہیں ہے؟ اگر معلوم ہے تو اس کے باوجود ایسے اشعار نقل کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا بڑی خیانت ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ایسی خباثتوں سے دور رکھے اور اہل سنت کا صحیح مذہب اور عقیدہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمود سعید ممدوح کے چند باطل احتمالات

احتمال: محمود سعید ممدوح ص 304 پر لکھتا ہے۔

ابن ندیم ائمہ ست میں لکھتے ہیں: اکثر محدثین زیدی ہیں اور اس طرح محدثین فقہاء کی ایک قوم بھی مثلاً سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور اکثر محدثین۔ (ائمہ ست ابن ندیم ص 312)

جواب: سعید ممدوح ابن ندیم کے حوالے سے جلیل القدر محدثین و فقہاء کو زیدی بنا رہا ہے۔ سبحان اللہ کیا بات ہے۔ جناب والا ابن ندیم کا اپنا حال تو لوگوں کے سامنے بیان کر دیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ اگر شیعہ نعمان بن ثابت کو شیعہ رجال میں رکھیں تو وہ کیا شیعہ ہو جائیں گے؟ کیا جہالت کی بات ہے کہ پوری دنیا ان اکابرین کو آج تک اہل سنت و جماعت کے محدثین مانتی آئی ہے اور محمود سعید ممدوح ابن ندیم کے حوالے سے ان محدثین کو زیدی بنا رہی ہے۔ جائل کی باتوں پر جائل ہی خوش ہوتے ہیں۔

۱- ابن ندیم کو زرکلی نے الاعلام 29/6 پر شیعہ لکھا۔

۲- ماقلا ابن حجر نے لسان المیزان 72/5 پر معتزلی، شیعہ، بلکہ رافضی معتزلی لکھا ہے۔

۳- علامہ ذہبی رحمہ اللہ تاریخ اسلام 398/27 پر اسے شیعہ معتزلی لکھا ہے۔

لہذا ایسے شیعہ، معتزلی، رافضی کی باتیں آپ کو ہی مبارک ہوں۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام سفیان بن عیینہ کا اپنا مذہب تفصیل شیخین کا ہے۔ لہذا ان دونوں اماموں کا عقیدہ ملاحظہ کریں اور ابن ندیم کی دھوکہ بازی نوٹ کریں۔

امام سفیان ثوری کا عقیدہ تفصیل شیخین رحمہم اللہ:

لاکائی اپنی سند سے کتاب السنہ میں شعیب بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں نے امام سفیان ثوری سے کہا کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس سے مجھے نفع ہو اور جب میں خدا کے پاس جاؤں تو کہ سکوں خدا یا! یہ بات مجھے سفیان ثوری نے بتائی تھی میری نجات ہو جائے اور اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہو فرمانے لگے، لکھیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اسی کی طرف سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا جو شخص اس کے خلاف اعتقاد رکھے وہ کافر ہے ایمان قول، عمل، اور نیت کا نام ہے اور کم و بیش ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ پھر فرمایا اے شعیب! جو کچھ تو نے لکھا ہے اس کا تمہیں فائدہ نہ ہو گا جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، نماز میں بسم اللہ سر آپڑنا افضل ہے۔ جب خدا کے سامنے جاؤ اور ان چیزوں کے متعلق تم سے دریافت کیا جائے تو صاف صاف کہہ دینا خدا یا! یہ باتیں مجھے سفیان نے بتائی تھیں پھر مجھے خدا کے پردہ کر کے الگ ہو جانا۔"

(تذکرۃ الحفاظ، رقم: ۱۹۸، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعہ، رقم: ۳۱۳)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو ثابت اور ثقہ لکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، رقم: ۱۹۸)

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا عقیدہ تفصیل شیخین رحمہم اللہ:

السنۃ عشرۃ... تقدیمہ ابی بکر و عمر۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دس سنتوں میں اس ایک سنت یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو باتی صحابہ پر مقدم مانا جائے۔ (شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۳۱۶)

جوز جانی کی غلط بیانی

سعید ممدوح ص 304 پر لکھتا ہے۔

ابن کثیر کے لیے تو ابواسحاق جوز جانی کی کتاب "احوال الرجال" کا مطالعہ ہی کافی تھا۔ اس میں اس نے اہل کوفہ کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جن میں ابواسحاق سلیمی، منصور بن معتمر،

اعمش، عبید اللہ بن موسیٰ العباسی، ابو نعیم فضل بن دکین، خالد بن مخلد قلوانی، عبد الرحمن بن عبد اللہ اصفہانی ابو عثمان مالک بن اسماعیل نهدی، ابان بن تغلب، حسن بن صالح ہمدانی اور ان جیسے دوسرے حضرات شامل ہیں۔ جوز جانی کے قول کا مطلب ہے محبت، تفضیل، موالات اور نصرت اہل بیت المبارک کا مذہب۔

جواب: جوز جانی کے پیش کردہ حوالوں میں اکثر محدثین اہل سنت کے ہیں۔ جن کا فضیلت سیدنا علی المرتضیٰ کے عقیدے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ دوسرا یہ کہ جوز جانی خود نا صبی تھا۔ اور نا صبی اہل سنت کو شیعہ کہتے ہیں۔

قارئین کرام! ذرا جوز جانی کے بارے میں بھی جان لیں کہ اس کا مذہب کیا تھا؟

جوز جانی کے بارے میں محدثین کی رائے:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میزان الاعتدال ۱/۷۱ میں لکھتے ہیں کہ وہ اہل دمشق کے مذہب پر تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رائے اچھی نہ تھی یعنی نا صبی تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

والجوز جانی مشہور بالنصب والانحراف فلا یقدح فیہ قولہ۔

(تہذیب المعجز ۱/۱۵۸)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وتعصب الجوز جانی علی أصحاب علی معروف۔ (تہذیب المعجز ۵/۴۶)

یعنی اصحاب علی سے جوز جانی کا تعصب معروف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے:

الجوز جانی کان ناصباً منحرفاً عن علی رضی اللہ عنہ۔ (حدی الساری ۲/۱۱۶)

یعنی جوز جانی نا صبی تھا اور حضرت علی سے منحرف تھا۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا حوالوں سے واضح ہو گیا کہ جوز جانی نا صبی تھا اور اصحاب علی سے تعصب رکھتا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امام جوز جانی کی جرح قابل قبول ہوتی ہے کہ نہیں؟

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب حدی الساری ۲/۱۱۶ میں واضح لکھا ہے۔

ان جرحہ لا یقبل فی اہل الکوفۃ لشدة انحرافہ ونصبہ۔

ترجمہ: یعنی جوز جانی کی جرح اہل کوفہ کے حق میں اس کی شدت انحراف اور ناصیت کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔

اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جوز جانی کے بارے میں لکھا:

لا عبرۃ بعطہ علی الکوفین۔ (میزان الاعتدال ۱/۱۴)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ جوز جانی متشدد تھا اور اس کی اہل کوفہ پر جرح قابل قبول نہیں ہے۔ لہذا جوز جانی کا ان اکابرین محدثین کو شیعہ کہنا غلط ہے۔

اور مزید یہ کہ جوز جانی کے قول میں کسی لفظ کا مفہوم اور اشارہ تفضیل کا نہیں ہے۔ لہذا محمود سعید ممدوح کا یہ احتمال مردود ہے۔ مزید یہ کہ اگر ان میں تشیع موجود بھی ہے تو ہمیں نقصان نہیں کیونکہ ہم تو اہل سنت کے مذہب کے داعی ہیں۔ اہل سنت کا اصول ہے کہ اس شیعہ سے روایت کرنا جائز ہے جو صدوق ہو اور اپنے مذہب کی طرف داعی نہ ہو۔ مزید یہ ہے کہ پیش کردہ ناموں میں تمام لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یحییٰ پر تفضیل نہیں دیتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں جس کو بدعت صغریٰ سے متصف کیا جاتا ہے اور یہ کہ چند افراد کا اختلاف کرنا نہ تو اجماع کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی جمہور کے فیصلے کو بدل سکتا ہے۔ شیخ سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالوں میں خود امام اعظم، ابو نعیم، ابو اسحاق سیسی، اور ابان بن ابی تغلب یحییٰ کی تفضیل کے قائل ہیں۔

منصور بن المعتمر کا عقیدہ:

امام منصور بن المعتمر پر تشیع کا الزام بھی ہے مگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تشیع کے بارے میں تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قلت: تشیعہ حب وولاء فقط۔

ترجمہ: یعنی منصور بن المعتمر کی تشیع صرف محبت ہے اور اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(سیر الاعلام النبلاء ص ۱۸۱)

یعنی ان کا مذہب حب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھا کہ تفضیل علی المرتضیٰ بر یحییٰ۔

ابو غمران مالک بن اسماعیل نہدی، عبید اللہ بن موسیٰ العبسی اور ابو نعیم کا مذہب

ابو غمران مالک بن اسماعیل نہدی، عبید اللہ بن موسیٰ العبسی، اور ابو نعیم کے مذہب کے بارے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ اپنی تحقیق انیق پیش کرتے ہوئے انکی تشیع کے بارے میں لکھتے ہیں:

قلت: وقد كان أبو نعیم فضل بن دكين، و عبید اللہ (بن موسیٰ العبسی) معظمین لأبي بكر و عمر، وإنما ينالان من معاوية و ذویة. رضى الله عن جميع الصحابة. (سير الاعلام النبلاء، رقم: ۱۳۲)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان محدثین پر تشیع کا اطلاق تفضیل شیخین کے انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کی وجہ تھا۔ اس تحقیق سے ایک بات واضح ہو گئی کہ ہر شیخ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا منکر نہیں ہوتا کیونکہ محدثین کرام نے دیگر صحابہ کرام سے بغض رکھنے اور ان پر لعن طعن کرنے والوں کی بارے میں خاموشی اختیار کرنے والوں پر بھی شیخ کا اطلاق کیا ہے۔

عبید اللہ بن موسیٰ العبسی کا عقیدہ

علامہ ذہبی رحمہ اللہ مزید تحقیق کرتے ہوئے عبید اللہ بن موسیٰ العبسی کے تشیع کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ حدثنا مالک بن مغول عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه قال قال علي رضی اللہ عنہ خيرنا بعد نبينا صلی اللہ علیہ وسلم أبو بكر و عمر رضى الله عنهم.

و روايته مثل هذا دال على تقديم للشيخين، ولكنه كان ينال من خصوم علي.

قال ابن مندة: كان أحمد بن حنبل يدل الناس على عبید اللہ، و كان معروفاً بالرفض، لم يدع أحداً سمعه معاوية يدخل داره.

(سير الاعلام النبلاء، رقم: ۲۱۵)

اس تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شیخ محمود سعید ممدوح نے ہر شیخ کو جو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا

قائل لکھا ہے، یہ بات اصول کے خلاف، غلط اور مردود ہے۔ کیونکہ ہر شیخ کا عقیدہ ایک جیسا نہیں ہوتا اور نہ ہی شیخ اور سنی کے درمیان تمیز صرف شیخین کی محبت یا حقارت پر موقوف ہے۔ شیخ کی تعریف ہر دور میں مختلف رہی ہے لہذا جب بھی کسی راوی کی تحقیق کریں تو اس کا عقیدہ جاننا بہت اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ بعض اوقات راوی شیخین کی تعظیم کو کرتا ہے مگر حضرت عثمان یا دیگر اصحاب کے بارے میں رائے اچھی نہیں رکھتا۔ اور بعض اوقات کچھ راوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراضات تو نہیں کرتے مگر ان لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حرف گیری کرتے ہیں۔ ایسے راویوں پر بھی محدثین اور اصولیین نے شیخ ہونے کا اطلاق کیا ہے۔ لہذا شیخ کی تعریف بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ شیخ سعید ممدوح لفظ شیخ سے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل کا قاعدہ بناٹھا ہے۔ جو کہ اس کی جہالت اور بغض صحابہ اور شیخ سے محبت اور خود شیخ ہونے کی دلیل ہے۔

حسن بن صالح بن حمزہ ہمدانی کا مذہب

سعید ممدوح نے غایۃ الجمیل ص 296 مترجم پر لکھا ہے کہ "اور ہے حسن بن صالح بن حمزہ ہمدانی کوئی تو وہ زیدی المذہب تھے پھر حسن بن صالح شیخین پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم میں منفرد نہیں ہیں۔

جواب: حسن بن صالح باوجود مشہور محدث ہونے کے چند معاملات میں مائل بہ بدعت تھے، حسن بن صالح بن حمزہ ہمدانی کو محدثین نے شیخ، زیدی بلکہ افراد والا زیدی لکھا ہے۔ حسن بن صالح ہمدانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ دیکھئے میزان الاعتدال 496/1، تہذیب/تہذیب 285/2 علامہ زرنگی نے الاعلام 193/2 پر حسن بن صالح کو زیدیہ فرقوں میں ایک فرقہ البتریہ کے اکابرین میں شمار کیا ہے۔

فرقہ بتریہ، جو کہ زیدیہ کا فرقہ ہے۔ اس کا آغاز حسن بن صالح اور کثیر النواء الا بترہ و اشخاص سے ہوا۔ فرقہ بتریہ کے عقائد شیخ فرقہ جریریہ یا سلیمانہ کے عقائد کے موافق تھے مگر فرقہ اتنا ہے کہ فرقہ جریریہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتا تھا مگر فرقہ بتریہ نے حضرت عثمان کے بارے میں توفیق کیا اور نہ ان کی برائی کی اور نہ ہی ان کی تعریف کی ہے۔ اس تحقیق کے دوران حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب تذکرۃ الحفاظ رقم: 203 پر یہ تصریح مل گئی کہ حسن بن صالح میں غار جیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ حسن بن صالح کے فرقہ زیدیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ایسے تمام اشخاص جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کریں ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یوں یہ لوگ اس اعتبار سے خوارج کی طرح ہیں۔ (تفصیل ملاحظہ کریں الفرق بین الفرق - ابو منصور بغدادی ص 71، 72) اور یہ مذکورہ قول ان پر حجت ہے جو زیدیوں کو اہل سنت میں داخل کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔

لہذا اگر کسی شخص کو محدثین کرام ثقہ یا مثبت یا تعریف کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے مذہب کی تعریف کر رہے ہیں بلکہ اس کی تعریف اس کے ضبط حدیث اور روایت حدیث کے بارے میں ہوتی ہے۔ اسی طرح حسن بن صالح الہمدانی تو ثقہ محدث مگر ساتھ ہی ساتھ وہ زیدی، شیعوہ اور مالک بہ خارجیت تھا۔ لہذا جب عقیدے کی بات آئے گی تو ان کا حوالہ اہل سنت و جماعت پر کوئی اثر انداز نہیں ہوگا۔

زیدی فرقہ کے عقائد

عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح جگہ جگہ زیدیوں کے حوالہ بات صرف اہل سنت کے قریب ہونے کے لحاظ سے پیش کر کے عوام الناس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ یاد رہے کہ صرف لفظ زیدی اور اس کی تعریف پڑھ کر مرغوب ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ زیدیوں میں ایسے بھی فرقے ہیں جو شیخین کریمین پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں جیسے کہ زیدیوں کا فرقہ جاردیہ ہے۔ اور یہ بھی پڑھ کر گمراہ نہ ہو جائیے گا کہ فلاں زیدی تو شیخین کریمین کی عورت و بکریم کرتا تھا کیونکہ زیدیوں کا فرقہ سلیمانید یا جریر یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو شیخین کی تو بکریم کرتا تھا مگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے۔ پھر مزید ایسا زیدی جس کے بارے میں یہ تصریح ملتی ہے کہ وہ شیخین کریمین کی بھی عورت و بکریم کرتے تھے اور صحابہ کرام کے بارے میں برے خیالات رکھتے تھے مگر وہ شیخین کریمین پر تبراء (یعنی کہ برأت و بیزاری) کرنے والوں سے اظہار بیزاری بھی نہیں کرتے تھے۔ ایسے فرقے کا نام یہتویہ ہے۔ لہذا ایسے زیدیوں کے مذہب سے بچنا لازمی اور ضروری ہے۔

۱- مسعودی نے مروج الذهب 220/3 پر زیدیوں کے 8 فرقے بیان کیے ہیں۔

۲- ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ نے مقالات اسلامیہ 132/1 پر زیدیہ کے 6 فرقے بیان کئے ہیں۔

۳- اسفرائینی نے التعمید ص 16 پر زیدیہ کے 3 فرقے لکھے ہیں۔

۴- شہرستانی نے الملل والنحل 154/1 پر زیدیہ کے 3 فرقے بیان کیے۔

۵- امام رازی نے المسلمین ص 34 میں زیدیہ کی تعداد 3 ہی بیان کی ہے۔

معلوم ہوا کہ زیدی فرقہ اہل سنت و جماعت سے خارج ایک فرقہ ہے اور صرف ان کا شیخین کریمین کی عورت یا باقی صحابہ کرام پر سکوت کرنا اور محدثین کا ایسے شخص کو ثقہ و متقی لکھنا ان کے صحیح العقیدہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ لہذا سعید ممدوح کے اس دھوکہ اور فریب سے ضرور بچئے گا۔ یاد رہے کہ محدثین کرام جس مقام پر ثقہ اور ساتھ ہی اسکی بدعتیگی اور بدعت کا ذکر کریں تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ روایت میں تو ثقہ ہے مگر عقیدہ میں بدعتی ہے اور جہاں کوئی اسکی بدعتیگی کی روایت آئے تو اس کو رد کیا جائے گا۔

محدث عبدالرزاق کا عقیدہ

محدث عبدالرزاق پر محدثین نے تشیع کا الزام وارد کیا ہے۔ مگر وہ اس تشیع میں غالی نہ تھے بلکہ وہ تواضییت شیخین کے قائل تھے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء 573/9 پر سند کے ساتھ محدث عبدالرزاق کا قول نقل کیا ہے۔

حدثنا عبد الله بن أحمد سمعت سلمة بن شبيب، سمعت سلمة بن شبيب سمعت عبد الرزاق يقول: ما انشرح صدري قط أن أفضل عليا على أبي بكر وعمر فرحمها الله، ورحم عثمان وعلياً من ثم يحبهم فها هو بمؤمن، أو ثقي عمل حبي إياهم۔

ترجمہ: سلمہ بن شیب کہتے ہیں میں نے عبدالرزاق سے سنا ہے فرماتے تھے بخدا میرا دل اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو بکر پر فضیلت دوں۔

یہ کلام تاریخ دمشق 190/36، تہذیب الحدیث 280/6، تہذیب الکمال 60/18 مغانی الاخیار 254/3 میزان الاعتدال رقم: 5044 میں بھی درج ہے۔

اب بات یہ ہے کہ جب عبدالرزاق شیخین کریمین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت بھی دیتا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی رحمت کی دعا کرتا تو پھر محدثین کرام نے اسے تشیع کی طرف کیوں منسوب کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالرزاق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں سے

بغض رکھتے تھے (جن میں جلیل القدر صحابہ اور تابعین بھی شامل تھے۔ اس کا اظہار علامہ مذہبی نے کچھ یوں کیا ہے۔

كان يحب علياً بن ابي طالب ويبغض من قاتله. (تذکرہ الحفاظ 1/267)

یعنی عبد الرزاق حضرت علی بن ابی طالب سے محبت کرتے تھے اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔ اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلف مائین نے حضرت علی بن ابی طالب کے مد مقابل لڑنے والوں سے بغض رکھنے والوں پر بھی شیعہ کا اطلاق کیا ہے۔ لہذا ہر ایک شیعہ کو حب اہل بیت کا داعی کہہ کر اور حب اہل بیت کو سنیت کا رنگ دے کر ایسے شیعوں کو اہل سنت میں داخل کرنا علمی خیانت اور کذب بیانی ہے۔ جناب والا! صرف حب اہل بیت کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام پر حرف گیری کرنا بھی بدعت اور گمراہی ہے۔ لہذا علماء اہل سنت نے حب اہل بیت کے ساتھ ساتھ تعظیم صحابہ کرام کو بھی معیار سنت قرار دیا ہے۔

اور مزید یہ کہ اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدث عبد الرزاق کا اپنا نظریہ بھی تفضیل شیخین اور حب مثنیین کا تھا۔ لہذا ان کو شیعہ کہہ کر یہ ثابت کرنا کہ تمام شیعہ حضرت علی بن ابی طالب کو تفضیل دیتے تھے لہذا یہ بھی شیعہ ہو کر تفضیل علی بن ابی طالب کے قائل تھے۔ ایسی بات کرنا تحقیق کے خلاف اور مردود ہے۔ محدث عبد الرزاق کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے استاد معمر کے عقیدے سے بھی متفق نہ تھے۔ مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام یعنی خلفاء اربعہ سے محبت کے باوجود اگر حضرت علی المرتضیٰ کے مخالفین سے بغض رکھے اس پر بھی شیعہ ہونے کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام و کعب بن عبد اللہ اور معمر بن راشد کے کامذہب تفضیل پر ایک تحقیق

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 305 اور 208 مترجم پر معمر بن راشد کو تفضیل علی بن ابی طالب کے قائلین میں شمار کیا ہے۔ سعید ممدوح ص 304 اور ص 305 پر لکھتا ہے۔

تاریخ دمشق میں امام ابن عساکر سے لیکر امام ابن ابی شیبہ تک سند کے ساتھ مذکور ہے۔ ابن ابی شیبہ کہتے ہیں ہمیں احمد بن منصور بن سیار نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: ہمیں امام عبد الرزاق الصنعانی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں ایک دفعہ معمر گویا ہوئے اور مسکرا دیے۔ انہوں (معمر) نے فرمایا: مجھے اہل کوفہ پر تعجب ہوتا ہے گویا کہ کوفہ کی بنیادی حب علی پر رکھی گئی ہے

میں نے جس معتدل شخص سے بھی گفتگو کی تو اسے حضرت علی بن ابی طالب کو حضرت ابو بکر و عمرؓ پر افضلیت دیتے ہوئے پایا، حضرت ثوریؓ بھی انہی میں سے ہیں۔ امام عبد الرزاقؓ فرماتے ہیں۔ پھر میں نے حضرت معمر سے کچھ عرض کیا: اور انہوں نے محسوس کیا کہ میں اس کو بڑی بات سمجھ رہا ہوں تو انہوں نے فرمایا: کیا ہوا؟ اگر کوئی شخص کہے علی میرے نزدیک شیخین سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا جبکہ وہ میرے سامنے شیخین کی فضیلت کا ذکر بھی کرے اور اگر کوئی شخص کہے حضرت عمرؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا ابو بکرؓ سے افضل ہیں تو میں اس پر سختی نہیں کروں گا۔ امام عبد الرزاق فرماتے ہیں میں نے یہ بات حضرت وکیع کو بتائی اور ہم تنہائی میں تھے تو وکیع نے اس کو بہت پسند کیا اور ہنسنے لگے۔ پھر فرمایا: سفیان ہمارے ساتھ اس حد تک نہیں پہنچا تھا لیکن انہوں نے معمر پر اس بھید کو ظاہر کیا جسے ہم سے چھپاتے رہے۔ (تاریخ دمشق 3/311)

جواب: 1- یہ واقع بادی النظر میں صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ محدث عبد الرزاق کا اپنا مذہب تو تفضیل شیخین کریمین ہے۔ مزید یہ کہ محدث عبد الرزاق نے اپنے عقیدے کی وضاحت خود کی ہے۔ حافظ ابن عدی لکھتے ہیں:

حدثنا الشرفی ثنا أبو الأزهر سمعت عبد الرزاق يقول أفضل الشیخین بتفضیل علی ایامہما علی نفسه ولولم یفضلہما لم یفضلہما کفابی اذراء ان احب علیا ثم اخاف قوله.

(الکامل ابن عدی 5/312)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبد الرزاق خود بھی تفضیل شیخین کریمین کا قائل تھا اور مولا علی بن ابی طالب بھی شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل ہیں۔ عبد الرزاق کا یہ قول ان لوگوں کے لیے ایک آئینہ ہے جو حب علی بن ابی طالب کا دم تو بھرتے ہیں مگر حضرت علی بن ابی طالب کے عقیدے کو نہیں مانتے بلکہ باطل تاویلات کرتے ہیں۔

جناب والا! کچھ غور کریں اور اپنی سوچ میں تبدیلی لے کر آئیں۔

ii- تاریخ دمشق لابن عساکر 530/42 والا واقعہ (معمر بن راشد اور عبد الرزاق کا تفضیل کے بارے میں خیال) جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے اپنی کتاب شرح خصائص علی ص 532 اور ص 533 پر ”کیا تفضیل باعث نفرت مسئلہ ہے؟“ کے عنوان کے تحت درج کیا ہے لہذا

مناسب ہے کہ ظہور احمد فیضی صاحب اور سعید ممدوح کو جواب ایک ہی جگہ دے دیا جائے۔
اول تو عرض یہ ہے کہ اس کی سند کو صحیح کہنا دھوکہ اور فریب ہے۔

دوم یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی احمد بن منصور بن یسار کی توثیق پیش کریں۔

سوم یہ کہ محدث عبد الرزاق آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ (تقریب الجذب رقم: 4064)

اب جناب آپ کا فرض ہے کہ عبد الرزاق سے اس سند میں شاگرد احمد بن منصور بن یسار ہے اس کا عبد الرزاق سے قدیم السماع ہونا ثابت کریں کیونکہ محدثین کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مختلط راوی کا حافظہ خراب ہونے سے پہلے کی روایات صحیح اور مختلط ہونے کے بعد کی روایات ضعیف ہوتی ہیں لہذا احمد بن منصور کا سماع مختلط ہونے سے پہلے کا دکھائیں وگرنہ اس حدیث کو ضعیف خود ہی مان لیں تو نام نہاد محدثیت کا بھرم بھی رہ جائے گا۔

جناب ایسی ضعیف روایات سے آپ عوام الناس کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں لہذا مہربانی کر کے اہل سنت کے عوام بھی اسماء الرجال کے میدان میں بھی مہارت حاصل کریں تاکہ ایسے لوگ آپ کو دھوکہ نہ دیں سکیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کی پیش کردہ روایات تحقیق کی روشنی میں ضعیف اور مردود ہیں۔ ایسا راوی جس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو جائے اور اس سے روایت کرنے والا راوی اس کے حافظہ خراب ہونے سے پہلے نہ سنے تو ایسے شخص کی حدیث قبول نہیں ہوتی تو یہاں تو پھر قول ہے۔ لہذا ایسے اقوال محدثین کرام کے اقوال اور اصول کی روشنی میں غلط اور ضعیف ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ سعید ممدوح نے ان روایات کو بیان کر کے علمی زیادتی کی ہے۔ لہذا ایسی ضعیف روایات کے بل بوتے پر موقت ہرگز ہرگز ثابت نہ ہو گا۔ اور اس روایت کو ثابت کیے بغیر جناب ظہور احمد فیضی صاحب کا بغلیں بجانا بھی فضول ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح کا شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصیبت کا الزام اور اسکی حقیقت

سعید ممدوح نے غایۃ التبجیل ص 307 اور ص 310 پر شاہ ولی اللہ دہلوی پر ان کی کتاب ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء اور قرۃ العینین بتفضیل الشیخین کے سبب انہیں ناصیبت کی طرف مائل لکھا ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 310 [مترجم] پر اس کی وجہ کچھ یوں بیان کرتا ہے:

”خانوادہ علویہ کے امام سیدی احمد بن صدیق فرماتے ہیں کہ شیخین کی علی پر فضیلت کے موضوع پر شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین تالیف کی۔ جس میں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور خصوصیت کے سلب کرنے میں ابن تیمیہ کے قریب پہنچ گئے بلکہ اس سے بھی افراط و اسراف اور بہت سے مسائل میں حد سے تجاوز کر گئے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ اسے اہل سنت سے خارج اور اہل بدعت میں شامل کر دیں۔“

جواب: عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح نے شاہ ولی اللہ دہلوی پر ناصیبت کا مکروہ الزام مانا کیا ہے۔ (رافضیوں کا یہ دھوکہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ناصیبتی کہہ کر پکارتے تھے)۔ ان لوگوں کا یہ نظریہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔ اگر انہیں فتویٰ لگانے کی ضرورت ہے تو پھر ہمت کر کے امام ابو بکر باقلانی پر ان کی کتاب مناقب الامم الاربعہ کی وجہ سے ناصیبتی کا فتویٰ لگائیں۔ کیونکہ جتنے مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا رد امام باقلانی رضی اللہ عنہ نے اس کتاب میں کیا ہے شاید ہی کسی اور نے تردید کی ہو۔ لہذا ابتداً امام باقلانی رضی اللہ عنہ سے کریں۔ عجب کھیل تماشا بنا دیا ہے دین کو۔ جہاں مطلب کا حوالہ ہوا فوراً اچک لیا اور جہاں اپنے موقف پر زرد پڑے تو فوراً ناصیبت کا فتویٰ جو دیا۔ مسئلہ افضلیت کو قطعی ثابت کرنے کے لیے علامہ باقلانی رضی اللہ عنہ کی کتاب سے فوراً حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اگر انصاف ہے تو پھر علامہ باقلانی رضی اللہ عنہ پر ناصیبت کا فتویٰ لگا کر دکھائیں۔

شاہ ولی اللہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور ان کی مرتبے کے قائل ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنی ہو تو شاہ ولی اللہ دہلوی رضی اللہ عنہ کی فیوض الحرمین اور القول الحلی ملاحظہ کریں۔ آپ پر اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

مزید عرض یہ ہے کہ غایۃ التبجیل کا متعدد مقامات پر حاشیہ اور توضیحات جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے کی ہے۔ لہذا ظہور احمد فیضی نے حاشیہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا اصل مذہب نقل نہ کر کے علمی زیادتی کی ہے۔ کیونکہ ظہور احمد فیضی کے علم میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا حسب علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا۔ جس کا بیان انھوں نے اپنی کتاب شرح خصائص علی میں بھی کیا ہے۔ مگر اس مقام پر دہل اور فریب سے کام لیتے ہوئے ان کے عقائد سے پردہ پوشی کی۔

اس پر علم یہ کہ شیخ محمود سعید ممدوح اپنی ایک دوسری کتاب میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتا ہے:

و قد قال علامة الهند شاہ ولی اللہ أحمد بن عبدالرحیم الدہلوی فی الإنصاف۔ (ترتیب الافاضۃ بتیمیم بن کرۃ الخفاء ص ۳۱)

ایک طرف شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو علامۃ الهند کہا اور دوسری طرف نا صبی ہونے کا مکروہ الزام لگا دیا۔

لہذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ محمود سعید ممدوح کو جہاں سے بھی رطب و یابس ملا اس نے فوراً اچک لیا۔ مگر تحقیق کی روشنی میں ایسے اقوال باطل اور مردود ہیں۔

نوٹ: غایۃ التبجیل کے ترجمہ کو شائع کر دانے میں جناب سید عظمت حسین شاہ گیلانی کا بڑا اہم کردار ہے۔ جناب سید عظمت شاہ صاحب نے ایک مضمون حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شان اور عظمت پر لکھا تھا جو کہ انوار رضا لاہور کے مولود کعبہ نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ لہذا سید عظمت حسین شاہ صاحب کی یہ ذمہ داری تھی کہ حاشیہ یا پھر ابتداء میں شیخ محمود سعید ممدوح کی اس بات پر اختلافی نوٹ درج کر دیتے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تفصیل اور اس کا تحقیقی جائزہ

محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 212 پر لکھتا ہے۔ معمر کے قول منہم سفیان الثوری (یعنی سفیان ثوری بھی تفصیل علی کے قائلین میں سے ہیں) پھر سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 213 پر لکھتا ہے۔

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ المعرفۃ والتاریخ کی ایک روایت اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے:

۱۔ محمد بن سری بیان کرتے ہیں ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا، انہوں نے حضرت معمر سے نقل کیا کہ میں نے امام زہری سے سوال کیا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: خون خون، عثمان افضل ہیں۔

۲۔ حضرت معمر فرماتے ہیں ثوری فرمایا کرتے تھے ابو بکر اور عمر اور خاموش ہو جاتے۔

ابن ابی سری بیان کرتے ہیں میں نے امام عبدالرزاق سے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے؟

تو انہوں نے جواب دینے سے انکار کر دیا۔

۳۔ اور انہوں نے کہا: سفیان ثوری کہا کرتے تھے ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم پھر خاموش ہو جاتے تھے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ جب مختلف فیہ مسائل کی تحقیق ہو تو اسناد کی تحقیق کرنا بڑا اہم کام ہے کیونکہ مسئلہ افضلیت، فضائل سے متعلق مسئلہ نہیں ہے۔ اس لئے ضعیف سند والی روایات اور اقوال قابل قبول نہ ہونگے۔ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایات کا تجزیہ ملاحظہ کریں۔

پہلے قول میں عبدالرزاق بن ہمام نے یہ قول عن سے پیش کیا ہے اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام مدلس ہے اور طبقہ ثالثہ کے مدلس کا صیغہ عن سے روایت کرنا محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ عبدالرزاق بن ہمام کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور ایسے راوی کی وہ تمام روایات ضعیف ہو جاتی ہیں جو حافظہ خراب ہونے کے بعد کی ہوں۔ اس قول میں عبدالرزاق سے محمد بن ابی سری کا سماع قبل از اختلاط ثابت نہیں ہے۔ لہذا یہ روایت عند الحمد ثمین ضعیف اور مردود ہوگی۔ مختلط کی روایات پر گزشتہ صفحات پر تفصیلی کلام گذر چکا ہے۔

تیسرا یہ کہ محمد بن ابی سری صدوق راوی ہے مگر اس سے غلطیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

محمد بن ابی سری رحمۃ اللہ علیہ پر محدثین کرام کی جرح

محدثین کے اقوال محمد بن ابی سری کے بارے میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ ابو علی الجبائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کثیر الغلط۔ (کمال علی حمزید الکمال، رقم: 4276)

۲۔ مسلم بن قاسم نے کہا: کثیر الوہم۔ (کمال علی حمزید الکمال، رقم: 4276)

۳۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کثیر الغلط۔ (تہذیب التہذیب: 425/9)

۴۔ ابن وضاح نے کہا: کثیر الغلط۔ (تہذیب التہذیب: 425/9)

۵۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صدوق عارف لہ اوہام کثیرہ۔

(معانی الاخیار رقم: 454)

۶۔ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: البین الحدیث۔ (المرح و تعدیل رقم: 452)

- 7- امام ابن جوزی نے کہا: ضعیف لین الحدیث۔ (الضعفاء والترمذین رقم: 3175)
8- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: صدوق عارف لہ اوہام کثیرہ۔

(تقریب العذیب رقم: 6263)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محمد بن ابی سری کثیر الوہم راوی ہے۔ لہذا ایسے راوی سے استدلال کرنا اور وہ بھی ایسا راوی جس نے عبد الرزاق سے ان کے حافظے کے بعد سنا۔ ایسی روایات عند المحدثین ضعیف ہوتی ہیں۔

اسی طرح محمود سعید ممدوح کے پیش کردہ اقوال نمبر 2 امام ثوری اور عبد الرزاق اور قول نمبر 3 ثوری سے مروی اقوال میں عبد الرزاق مختلف راوی ہے اور محمد بن ابی سری کا سماع عبد الرزاق سے حافظہ خراب ہونے کے بعد کا ہے لہذا ایسی روایات ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہیں۔

جناب والا! اسماء الرجال کا میدان بچوں کا کھیل نہیں۔ جو چاہا لکھ دیا۔ اس میدان میں بڑے بڑے پھسل جاتے ہیں۔ لہذا اصول و ضوابط کی روشنی میں تحقیق ہر کس و نا کس کا کام نہیں۔ لہذا آپ کی جہالت والی توجہات آپ کو ہی مبارک ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے بچائے جو حق بات کو بھی بے جاتا ویل کرنے پر مجبور کر دے۔

امام معمر سے مروی سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عقیدے کی تحقیق

غایۃ التبجیل ص 213 پر شیخ محمود سعید ممدوح لکھتا ہے:

امام عبد الرزاق بیان کرتے ہیں ہمیں حضرت سفیان ثوری نے بتایا: میں نے خواہش کی کہ ابو عروہ (معمر) کے ساتھ تنہائی میں ایک شب ملاقات ہو۔ امام عبد الرزاق فرماتے ہیں: ہم نے حضرت معمر سے عرض کی کہ ابو عبد اللہ آپ سے شب کی تنہائی میں ملاقات کے متمنی ہیں تو انہوں نے اجازت مرحمت فرمائی۔ امام عبد الرزاق فرماتے ہیں: پھر ان دونوں کی ملاقات ہوئی، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے امام معمر سے عرض کیا: یا اباعروہ آپ نے انہیں کیسا پایا؟ فرمایا: وہ بھی ایک شخص ہے۔ پر تم کسی بھی کوئی کوٹو لو گے تو اس میں یہ چیز ضرور پاؤ گے، گویا انہوں نے تشبیح کی طرف

اشارہ کیا۔ (بحوالہ سیر العالم النبلاء، 569/9)

جواب: عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا قول تحقیق کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔

1- کیونکہ اس میں عبد الرزاق راوی کا حافظہ خراب ہے۔ اور اصول ہے کہ خراب حافظہ والے راوی کے روایات حافظہ خراب ہونے کے بعد قابل احتجاج نہیں ہوتیں۔

2- عبد الرزاق سے روایت کرنے والا راوی محمد بن ابی سری کثیر الوہم راوی ہے اور کثیر الوہم راوی کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

3- اور یہ کہ عبد الرزاق سے محمد بن ابی سری کا قدیم دور میں جب عبد الرزاق کا حافظہ صحیح تھا، سننا ثابت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے روایت ضعیف اور مجروح ہے۔

جناب ذرا اختلاط پر لکھی ہوئی کتابوں کا ہی مطالعہ کر لیتے تو ایسی باتیں تحریر نہ کرتے۔ لہذا ایسی کمزور روایات کا سہارا لے کر عوام الناس کو بہکانے کا ایک جرم عظیم اور لغو عمل ہے۔ ہم انشاء اللہ ہر مقام پر شیخ سعید ممدوح اور ظہور احمد فیضی کی جیت باطنی اور اسماء الرجال کے میدان میں جہالت کو واضح کرتے رہیں گے۔ تفضیلیہ اسے اپنا بڑا محقق مانتے ہیں اور جناب ظہور احمد فیضی صاحب کی غلط بیانیوں اور جہالت پر تو مستقل کتاب ترتیب دے رکھی ہے۔ ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آئے گی۔



دسویں باب کا جواب

حدیث و اثر میں غور و خوض کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح نے ص 311 تا ص 334 تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر وارد احادیث اور آثار پر اعتراضات کئے ہیں۔ ان اعتراضات کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ کریں۔

غایۃ التبجیل ص 311 پر ایک روایت نقل کی ہے۔

”سب سے پہلے ہم حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جائزہ لیتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

کنا فی زمن النبی ﷺ لانعدل بأبی بکر أحداً ثم شرک اصحاب

النبی ﷺ لانفاضل بینہم۔

ترجمہ: ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کسی کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے، ان

کے مابین مفاضلہ نہیں کرتے تھے۔ (مسند احمد 14/2 بخاری رقم: 3677، 3655)

اعتراض: سعید ممدوح نے ص 312 پر اس حدیث پر متعدد اعتراضات نقل کئے۔

i- یہ حدیث اشکال زدہ ہے اور بالاتفاق اس کا ظاہر معنی متردک ہے، کیونکہ یہ اس قرآن کے

مخالفت ہے جس نے سابقین کو اور ان لوگوں کو فضیلت دی جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا

اور جہاد کیا۔ پھر یہ ان احادیث نبویہ کے خلاف ہے جن میں تو اتر کے ساتھ صحابہ کی ایک

جماعت کی دوسری جماعت اور بعض کی بعض پر فضیلت آئی ہے اور بعض احادیث میں کسی

واحد صحابی کے مناقب آتے ہیں اور یہ قول ان احادیث سے بھی متصادم ہے جن میں اہل

کساء کی خلفاء اربعہ کی، عشرہ مبشرہ کی اور امہات المؤمنین کی تفصیل آئی ہے اور یہ سابقین کی

تفصیل میں جو فرمودات اور احادیث عظیمہ واقع ہوئی ہیں سب کے خلاف ہے۔ مثلاً ارشاد

نبوی ﷺ ہے۔ میں نے اپنی امت کے لیے وہ کچھ پسند کر لیا جس کو اس کے لیے ابن

مسعود بنیہ نے پسند کیا۔ اور جنت کا حضرات عمار، بلال، سلمان رضی اللہ عنہم اور مقداد کے لیے

مشاق ہونا۔ حنین کریمین رضی اللہ عنہما کے فضائل کی احادیث اور حضرات عباس، حمزہ، جعفر، عمار،

ذہیفہ، ابو ذر اور انصار رضی اللہ عنہم کے فضائل میں آنے والی احادیث کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس اعتراض کے بعد سعید ممدوح کی علمی حیثیت واضح ہو گئی ہے، جب کسی کو یہ بی نہیں

معلوم کہ نفس مسئلہ کیا ہے؟ اور اس پر دلائل کیا دینے ہیں؟ ایسا شخص عالم نہیں ہو سکتا اور اگر عالم مان

بھی لیا جائے تو امت میں شر پھیلانے کے مترادف ہی ہوگا۔ سعید ممدوح کو یہ معلوم نہیں کہ مسئلہ

افضلیت الگ چیز ہے اور فضیلت علیحدہ چیز ہے۔ کسی روایت سے صحابی کی فضیلت سے یہ کیسے ثابت

ہو گیا کہ وہ افضل بھی ہوگا اور یہ کہ اس کی افضلیت مطلقاً ثابت ہوگی۔ جناب والا فضیلت اور افضلیت

کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر رکھ کر تحریر لکھیں۔ ہمیں مندرجہ مذکورہ صحابہ کرام کے فضائل سے کوئی انکار

نہیں ہے۔ ہمارا موقف تو افضلیت مطلقاً کا ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور اللہ کا قرب ہے۔ ہر صحابی کی

اپنی اپنی جگہ ایک منفرد مقام اور فضیلت ہے۔ فضائل میں تو ضعیف احادیث بھی معتبر ہیں مگر مسئلہ

افضلیت میں تو احادیث صحیحہ ہی درکار ہوتی ہیں۔ پھر عرض یہ ہے کہ آپ نے یہ جتنی روایات کا ذکر کیا

ہے۔ یہ روایات مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے متعارض کیوں نہیں ہیں۔ کیونکہ خود آپ نے ایک

پورا باب مولا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر باندھا ہے جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی روایت

ہو تو پھر تاویل پر تاویل مگر جب خصائص علی آئیں تو پھر آپ تاویل کو باطل قرار دے کر رد کر

دیتے ہیں۔ عجب دوہرا معیار ہے۔ مسئلہ افضلیت کو سمجھنے کے لیے اسی لئے کتاب کے ابتداء میں

اصول وضع کر دیئے ہیں تاکہ اس مسئلہ میں کوئی تفصیلی الجھانے کی کوشش نہ کرے۔ آپ کی تمام

مذکورہ بالا روایات سے صحابہ کرام کے فضائل تو ثابت ہوتے ہیں مگر افضلیت کسی بھی صورت ثابت

نہیں ہوتی۔ لہذا ایرا اعتراض سعید ممدوح کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما

کسی بھی صورت میں ان روایات کے متعارض نہیں ہے۔ شاید سعید ممدوح اور ان کے حواریین کو

تعارض کا مطلب نہیں معلوم کیونکہ بعض اوقات تعارض صوری ہوتا ہے اور بعض دفعہ تعارض حقیقی۔

اب یہ تو تعین کر دیں کہ اس مقام پر تعارض صوری ہے یا تعارض حقیقی؟ تب معلوم ہوگا کہ علمی مبلغ کتنا

ہے؟ مزید یہ کہ خلفاء اربعہ تو خود سابقین میں شامل تھے۔ یعنی فی الخلافہ، (مجمع الزوائد 69/131)

اعتراض: سعید ممدوح ص 312 مترجم پر لکھتا ہے:

”پھر یہ اشکال استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) کے الفاظ سے مزید شدید ہو جاتا ہے۔ بھلا کیونکر حضرات ابو عبیدہ، سعد، طلحہ اور بلال رضی اللہ عنہم طلقاء اور مؤلفۃ القلوب قسم کے لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں۔“

جواب: احادیث کے بعض طرق مرجوح اور بعض متن راجح ہوتے ہیں المعجم الکبیر اور دوسری کتابوں میں لفظ ”استوی الناس“ سے اس حدیث کے تمام طرق کو بالائے طاق رکھ دینا علمی زیادتی ہے۔ بخاری شریف رقم: 3655 اس کی اصح روایت ہے جہاں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ صحیح بخاری رقم: 3696 میں ”لا تفاضل بینہم“ وغیرہ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کسی کو افضل نہ کہنے سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ بعد میں اجماع امت بھی اس پر نہیں ہوا ہوگا۔ پھر مزید یہ کہ ایک روایت دوسری روایت کی تشریح بھی کرتی ہے۔ استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) سے مراد دوسرے طرق سے یہ سمجھ آئی ہے کہ اس سے مراد سکوت ہے جیسا کہ احادیث میں سکوت کے الفاظ موجود ہیں۔ جناب عالی اگر اہل سنت پر اعتراض کرنے سے فرصت ہو تو دیگر طرق احادیث پر متوجہ بھی ہو جائے شاید کہ آپ کو یہ الفاظ بھی نظر آجائے۔ عن ابن عمر قال کنا فی زمن نبی ﷺ إذا قیل من خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ قیل أبو بکر و عمر و عثمان و علی۔ اور یہ روایت بھی نظر آجاتی۔ عن ابن عمر قال کنا و فینا رسول اللہ ﷺ نفصل أبا بکر و عمر و عثمان و علیاً۔

لہذا ان طرق سے واضح ہو گیا کہ استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) سے سعید ممدوح کا اپنا نکتہ نکالنا غلط اور مردود ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تو اجماع تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے۔ یہ بھی عرض ہے کہ ہماری دلیل بخاری کی اصح روایت رقم: 3655 ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دیگر طرق جس میں سند ابی یعلیٰ رقم: 5602 صحیح ابن حبان رقم: 7251 وغیرہ میں نسکت کے الفاظ یعنی خاموش ہو جاتے بھی ثابت ہیں۔ ان الفاظ سے کم از کم یہ معلوم ہوا کہ استوی الناس (تمام لوگ برابر تھے) کا مطلب یہ نکلا کہ وہ اس مسئلہ میں کسی کو کسی پر تفضیل نہ دیتے اور خاموش ہو جاتے تھے اور یہ کہ چپ رہنے اور کسی کو کسی پر تفضیل دینے سے یہ کیسے مطلب نکل آیا کہ تمام صحابہ کرام برابر ہیں۔ لہذا

ایک سند کو لے کر اپنا معنی اور مطلب اخذ کرنا اور دوسرے مشہور اور قریب المتواتر طریق کو چھوڑ دینا علمی خیانت ہے۔

اعتراض: شیخ محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 314 پر لکھتا ہے:

”یہ قول (حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ) کے موقف کے بھی مخالف ہے کیونکہ انہوں نے باہمی تنازع کے وقت اس کو دلیل کے طور پر نہیں اپنایا تھا۔ مثلاً

۱- ستیفہ بنو ساعدہ میں کسی نے بھی اسے دلیل نہیں بنایا حالانکہ ان میں مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، عمر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم بھی تھے اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے وقت اس کو دلیل بنایا۔

۲- اور یہ قول اس کے بھی منافی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب شوریٰ میں برابری قرار دی تھی۔

۳- یہ قول مجلس شوریٰ میں واقع ہونے والے تمام امور کے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی صحابہ کے ساتھ (شہادت فاروقی کے بعد) مشاورت کے بھی منافی ہے بلکہ عبدالرحمن بن عوف نے تو آغاز ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔

۴- یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذاتی موقف کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل خلافت میں رغبت رکھتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے: ”پھر وہ ان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ اسید پر تھے۔“ (فتح الباری 13/193)

۵- اور یہ قول خود ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مجلس شوریٰ میں موقف کے بھی خلاف ہے کیونکہ انہوں نے مجلس شوریٰ میں اس کو حجت نہیں بنایا خصوصاً جبکہ وہ مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے۔

۶- اور یہ قول خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ان تصریحات کے بھی خلاف ہے جو ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں منقول ہیں۔

جواب: سعید ممدوح کے ان بھونڈے اعتراضات کے جوابات ترتیب سے ملاحظہ کریں۔

۱- ستیفہ بنو ساعدہ میں خلافت میں کسی صحابی نے اس کو اس لئے دلیل نہیں بنایا کیونکہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مشاہدات تھے اور یہ کوئی نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک نہ تھا جسے صحابہ کرام دلیل کے طور پر پیش کرتے۔ خلافت کے اختلاف کے موقع پر صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق قریش کو اپنا خلیفہ بنایا۔ مزید یہ کہ بعض اوقات روایات کا

تم بتانا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس کا مفہوم ہی اہم ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے قریش کو تو اپنا خلیفہ احادیث نبوی کی روشنی میں بنادیا مگر میرا سوال یہ ہے کہ انصار اور مہاجرین نے کس بات کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ چنا۔ صحیح بخاری کی صحیح روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیدنا، خیرنا اور احبنا الی رسول ﷺ کے الفاظ بول کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی اور پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہی الفاظ دہرائے اور بیعت کی اور پھر تمام انصار اور مہاجرین نے اس پر بیعت کی۔ لہذا معلوم ہوا کہ تمام انصار اور صحابہ مہاجرین کو آپ کی افضلیت کے بارے میں علم تھا مگر ایک خاص دلیل کی بجائے عمومی دلیل کے تحت سب کو اللہ کی افضلیت کا معلوم تھا۔ اب اگر ایک شخص میں بہت ساری خصوصیات اور فضیلتیں موجود ہوں تو ایسے مواقع پر فرداً فرداً تمام خصوصیات بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس سے اندازہ نتیجہ پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے جب سعید ممدوح ایسے اعتراضات کرتا ہے تو کچھ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصار اور مہاجرین نے ویسے ہی بغیر کسی بات کے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا۔ مزید یہ کہ جب صحابہ کرام اتنے اہم مسئلہ پر دلیل سن کر خلافت کا حق دار قریش کو سمجھتے ہیں تو پھر بغیر کسی دلیل کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ کیسے بنا سکتے ہیں۔ ہر صحابی کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا بہت اچھی طرح علم تھا۔ اسی لئے خلافت پر اختلاف تو ہوا مگر سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

۲- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصحاب شوری کا بنانا بھی اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ نبی کریم ﷺ کی امت بہتر شخص کو جانتی ہے اور اس معاملہ میں وہ بہترین شخص کو ہی چنے گی۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک مشاہدہ اور تجربہ تھا جبکہ صحابہ کرام اپنی زندگیوں میں خصوصاً شیخین کریمین نبی کریم ﷺ کے ارشاد پر ہی گامزن تھے اور شوریات کا پرچار بھی تو منظور تھا یہ تو ایسا ہی اعتراض ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے علم پر کوئی اعتراض کرے اور دلیل یہ دے کہ اگر معلوم تھا تو پھر صحابہ کرام سے مشورہ کیوں کرتے تھے۔

۳- مجلس شوری کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قول کی کسی بھی

صورت نفی نہیں ہوتی کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تو اپنے مشاہدات اور تجربات کا اظہار کیا کہ ہم صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی زندگی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد بعض طرق میں سکوت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اب جیسے سعید ممدوح نے ہم پر اعتراض کیا کہ مجلس شوری میں اس حدیث سے استدلال نہ کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام اس نص حدیث کے خلاف تھے تو ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا مجلس شوری میں اس حدیث کو پیش نہ کرنا اور اس پر خاموشی اختیار کرنا اس کے صحیح ہونے کو مستلزم نہ ہوگا؟

۴- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خلافت میں رغبت رکھنا تو درست ہے مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ شیخین کریمین افضل نہیں ویسے بھی ہمارا اس معاملہ میں موقف جمہور کے تابع ہے کہ حضرت عثمان سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ مگر اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے لہذا اس اثر کو غلط کہنا ویسے بھی مردود ہے۔

۵- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اس روایت کو دلیل نہ بنانا اس کے صحت کے منافی نہیں ہے کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کسی مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلقاً افضل نہیں کہا بلکہ ان کا بڑا ادب اور فضائل بیان کیا کرتے اور یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ فضائل نقل کرنا افضلیت کو مستلزم نہیں ہے۔ لہذا ایسے استدلالات سے اس حدیث کو مشکوک بنانا مردود اور باطل ہے۔ مزید یہ کہ آپ کا سوال آپ پر ہی پھینک دیتے ہیں کہ یہ سکوت تفضیل میں تھا یا کہ خلافت میں؟ ذرا غور کیجئے گا۔ اور اگر مزید سنی چاہیے تو کتاب السنۃ ابن خلدی رقم 572 تاریخ 591 کا مطالعہ کر لیں۔ انشاء اللہ آئندہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

قول ابن عمر رضی اللہ عنہما پر یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے اشکال کا تحقیقی جائزہ

سعید ممدوح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر ابن عبدالبر کے حوالہ سے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا اس حدیث پر کچھ یوں اعتراض نقل کرتا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 315 اور ص 316 پر کچھ یوں لکھتا ہے۔

”امام ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے

اس قول سے دلیل لی ہے تو ان پر امام یحییٰ بن معین نے اعتراض فرمایا ہے اور ان کی مذمت میں سخت کلام فرمایا ہے کیونکہ اس قول کا قائل اس اجماع کے خلاف ہے جس پر سلفاً اور خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین کرام قائم ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ حضرت عثمان کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اس میں انہوں نے کبھی اختلاف نہیں کیا۔ ان کا اختلاف فقط سیدنا علی و عثمان کے مابین تفضیل میں ہے اور اسلاف کرام نے سیدنا علی اور حضرت ابوبکر کی تفضیل میں بھی اختلاف کیا ہے اور ہم نے جو سب کے اجماع کا ذکر کیا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول وہم اور غلط ہے۔

جواب: ابن عبد البر رحمہ اللہ کے کلام سے بڑی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں جو کہ اعتراض کی بجائے خود سعید ممدوح کے گلے میں پھنس گئی ہیں۔

1- ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کہا کہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر اعتراض کیا اور سخت الفاظ میں کلام کیا۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے جس قول سے استدلال کیا: ”ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم و یسکتون فتکلم فیہم بکلام غلیظ۔“ (الاستیعاب 2/213) اس قول کو نقل کرنے میں ابن عبد البر رحمہ اللہ سے گہری تحقیق کے مطابق تراجم ہوا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ کہ فتکلم فیہم بکلام غلیظ کے الفاظ یحییٰ بن معین کے نہیں بلکہ کسی نچلے طبقہ کے راوی کے ہیں۔ دوم یہ کہ ابن معین سے اپنی کتابوں میں کوئی قول ایسا نقل نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ابن معین رحمہ اللہ سے ان کے قدیم ترین اور ثقہ شاگرد عباس الدوري اس سے مختلف الفاظ نقل کرتے ہیں۔ عباس الدوري تاریخ یحییٰ بن معین رقم: 2285 پر لکھتے ہیں:

قلت یحییٰ: من قال أبوبکر و عمر و عثمان؛ فقال: هو مصیب... و من قال أبوبکر و عمر و عثمان وسکت فهو مصیب. قال یحییٰ: و أنا أقول: أبوبکر و عمر و عثمان و علی هذا مذهبنا و هذا قولنا.

معلوم ہوا کہ جس نے اس حدیث کی وجہ سے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کو سکوت کر لیا وہ یحییٰ بن معین کے قول پر مصیب یعنی ثواب پر ہے۔ لہذا اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ سے اس کلام کو نقل کرنے میں تراجم ہوا ہے۔

2- ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ابن معین رحمہ اللہ کے قول کے بعد بڑی اہم بات بیان کی ہے کہ ”اس قول کا قائل اس اجماع کے خلاف ہے جس پر سلفاً اور خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین کرام قائم ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔“

تاریخ کرام! ابن عبد البر رحمہ اللہ کے کلام سے چند اہم نکات واضح ہوئے ہیں۔

- i- اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے استدلال کرنے والا اجماع کے خلاف ہے۔
- ii- اجماع کن کا ہے؟ اس بارے میں ابن عبد البر لکھتے ہیں سلفاً اور خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین کرام کا۔

iii- کس بات پر اجماع ہے؟ اس بارے میں ابن عبد البر لکھتے ہیں سیدنا علی المرتضیٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس لئے رد کر رہے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سکوت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اہل سنت کے تمام فقہاء کرام اور محدثین کرام کا اجماع ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد افضل سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ لہذا سکوت کرنا ٹھیک نہیں اور اسی لئے اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ٹھیک نہیں۔

مزید عرض یہ ہے کہ اگر اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ابن عبد البر رحمہ اللہ کے قول سے رد کرنا چاہتے ہیں تو پھر جناب عالی ابن عبد البر رحمہ اللہ کی تمام باتیں مانیں۔ اگر ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ایک طرف جہاں اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا انکار اور رد کیا ہے تو دوسری طرف سلفاً و خلفاً اہل سنت کے تمام فقہاء کرام اور محدثین کرام کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس حوالے کے بعد یہ اوٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ جناب ہمارے خلاف جو حوالہ پیش کیا اس نے تو آپ کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تحقیق

سعید ممدوح نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کے منافی امام مالک کا قول نقل کیا ہے۔
اعتراض: غایۃ التبجیل ص 317 پر امام مالک کا قول نقل کیا ہے:

”میں (امام مالک) نہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہوں اور

نہ ہی دوسروں کو ان پر۔ پھر امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: میں نے مدینہ مقدسہ میں

اپنے مشائخ کو اسی رائے پر پایا ہے۔“ (الاستدکار 242-240)

اس پر ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مالک کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ابن عمر سے منقول نافع کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ امام مالک سب لوگوں سے زیادہ حضرت نافع اور ان کی حدیث کا علم و فہم رکھتے تھے۔ اگر ان کے نزدیک ابن عمر رحمہ اللہ سے مروی نافع کی یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ یہ قول نہ کرتے۔

جواب: سعید ممدوح جو حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کے قول کی آڑ میں اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا ہے وہ اصول کی روشنی میں ثابت کرنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن سی بات ہے کیونکہ امام مالک سے مروی صرف یہ ایک قول ہی نہیں بلکہ بتصریح شیخ محمود سعید ممدوح، امام مالک رحمہ اللہ سے مسئلہ تفضیل میں 4 اقوال منقول ہیں۔ اور ان 4 اقوال میں سے صرف ایک قول خلفاء ثلاثہ (حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کے بعد توقف اختیار کیا ہے۔ (المدارک 2/46)

اور یہ موقف بالکل حضرت عبد اللہ بن عمر رحمہ اللہ کے اثر کے مطابق ہے۔ جناب عالی! امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول کو اس مقام پر نقل کر کے دیگر اقوال کو صرف نظر کر کے یہ کہنا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت ابن عمر رحمہ اللہ کا اثر صحیح نہیں ہے یہ بالکل علمی خیانت ہے۔ اگر حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کے مطالعہ میں یہ قول نہیں ہے تو وہ تو اس سے مابور ہیں مگر جناب آپ کو تو یہ قول معلوم تھا اور اپنی کتاب غایۃ التبجیل ص 84 مترجم کے حاشیہ میں آپ نے اس کو نقل بھی کیا۔ مگر اس مقام پر جناب نے اس قول کو چھپا کر ایک بڑے مردود عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔

مناسب ہو گا کہ مذہب مالکی میں افضلیت کس کو ہے؟ اس کا تعین کر دیا جائے تاکہ شیخ ممدوح کے تمام اعتراضات رفع ہو سکیں۔

فقہ مالکی کے ایک اہم عالم ابن رشد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والحق أن أفضل الصحابة أبو بكر رضي الله عنه ثم عمر رضي الله عنه ثم عثمان رضي الله عنه ثم علي رضي الله عنه وقد روى هذا عن مالك بن نافع وروى عنه أيضاً الوقوف في تفضيل بعضهم على بعض وروى عنه أيضاً تفضيل أبي بكر رضي الله عنه ثم علي رضي الله عنه ثم الوقوف عن المفاضلة بين

علی و عثمان رضی اللہ عنہما۔ والاول الذی یعتمد علیہ من مذہبہ۔

(الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۳۳، البیان والتحصیل ج ۲ ص ۲۲۸)

یعنی حق ہے کہ صحابہ میں افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ امام مالک سے روایت کیا گیا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان فضیلت دینے میں خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ اور پہلا قول (صحابہ میں افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ) پر ہمارے مذہب پر فتویٰ یا اعتبار ہے۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ مذہب مالکی میں معتمد علیہ قول خلفاء اربعہ کی ترتیب وار افضلیت کا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی دوسرے اقوال پر مذہب مالکی میں اعتماد نہیں ہے۔ لہذا شیخ ممدوح کا یہ حوالہ بھی فضول اور لغو ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 319 پر نمبر 5 کے تحت لکھا ہے۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث میں شبہ محسوس کر لیا تھا اور وہ (شبہ) ان کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت، ان کے علم، ان کے جہاد اور ان کی سبقت سے خاموشی ہے اور کبھی کبھار تو وہ سکوت کو بعض فضائل مرتضوی کے مترادف (ہم معنی) سمجھتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بہتر ہیں پھر ابو بکر پھر عمر اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تین خوبیاں عطا کی گئیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک خوبی مجھے حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ (بیش قیمت) اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔“

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی اور ان سے ان کی اولاد ہوئی۔

۲۔ آپ نے مسجد کی طرف کھٹنے والے تمام دروازے بند کروا دیئے ماسواہ ان کے دروازہ کے۔

۳۔ اور آپ نے خیبر کے روز پرچم انہیں کو عطا فرمایا۔

چونکہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہ مشکل المفہوم ہے اس لئے علماء کرام اس کی ایسی توجیہات میں

مشغول ہوئے جو اس کو ظاہری معنی سے حقیقت کی طرف لے گئیں۔ اگر آپ چاہیں تو امام خطابی کی معالم السنن 18/7 اور کرمانی کی شرح بخاری ملاحظہ فرمائیں۔

جواب: سعید ممدوح کے پیش کردہ حوالہ بات خود اس کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں۔ آپ ذرا سعید ممدوح کے اعتراضات کی حقیقت بھی ملاحظہ کریں۔

۱- سعید ممدوح اس لئے پریشان ہے کہ اس نے یا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کے تمام طرق پر نظر نہیں رکھی اور اگر رکھی ہے تو پھر جان بوجھ کر اس کو چھپا رہا ہے اور دوسری بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کے بعض طرق میں خلفاء ثلاثہ (حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کا ذکر ہے اور چند طرق میں شیخین کریمین کی افضلیت اور مولانا علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور فضائل کا بیان ہے۔ ان تمام طرق کا مطالعہ کر کے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مولانا علی رضی اللہ عنہ کے خصائص اور فضیلت کا حقیقت میں ادراک تھا لہذا ان کی فضیلت کا بھی ذکر کر لیا تاکہ کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کے بعد سکوت کرنے سے مولانا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا منکر نہ سمجھے بیٹھے۔ جیسا کہ سعید ممدوح اور ان کے حواریوں نے سمجھا۔

مزید یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بعض طرق میں چاروں خلفاء کا با ترتیب ذکر موجود ہے۔ لہذا کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں بنتی۔ اور اگر شوق ہے تو تاریخ دمشق کی جلد ۳۹ ملاحظہ کر لیں آپ کو ایسی روایات نظر آجائیں گی۔

شیخ محمود سعید ممدوح کا غایۃ التبجیل ص 319 پر یہ لکھنا کہ ”خود ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث (خلفاء ثلاثہ کی افضلیت) میں شبہ محسوس کر لیا تھا“ ایک عجیب دعویٰ ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ ان کا اپنا فرمان ہے جو کہ مشاہدے اور تجربے پر مشتمل تھا۔ لہذا حدیث کے تمام طرق پر نظر نہ رکھنے والے اکثر اوقات سعید ممدوح کی طرح ٹھوکر کھا بیٹھے ہیں۔ اللہ ہمیں ایسے شر سے محفوظ فرمائے۔

۲- سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے سعید ممدوح نے یہ داویلا مچا نہ شروع کر دیا کہ سکوت سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان نہیں کیا۔ تو جناب عرض یہ ہے کہ سکوت یا عدم بیان سے نفی لازم نہیں آتی۔ آپ کے پیش کردہ اثر ابن عمر (جس میں مولانا علی رضی اللہ عنہ کے

فضائل موجود ہیں) بحوالہ فتح الباری 15/7 میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مولانا علی رضی اللہ عنہ کی صرف 3 فضائل بتائیں ہیں۔

۱- رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سے نکاح 2- مسجد کی طرف راستہ کھلنا 3- خیبر میں پرچم دینا

اب آپ یہ بتائیں کہ اس اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کوئی یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک مولانا علی رضی اللہ عنہ کے صرف یہ ہی 3 خصائص تھے باقی کوئی فضیلت تھی تو پھر آپ کیا جواب دیں گے؟ ظاہر ہے کہ آپ اس پر نا صبی ہونے کا فتویٰ لگا دیں گے اور اگر پھر اسی تحقیق کو پیش نظر رکھ کر یہ کہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ ہی فضائل صحیح ثابت تھے باقی ان کے نزدیک ثابت نہ تھے تو پھر آپ پر کیا گزرے گی۔ لہذا اپنے باطل خیالات اپنے پاس رکھیں اور اہل سنت کے ایک متفقہ عقیدہ کو نہ چھیریں۔

علامہ ہاشم ٹھٹھوی رضی اللہ عنہ کی تحقیق انیق:

اگر یہ مفروض ہو کہ اثر مذکور صحیح طور پر ثابت ہے اور اس کو آیت مذکورہ والذین امنوا واتبعوہم الخ کے ساتھ ملانا فضیلت کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ مخالف کو وہم ہوا ہے تو پھر اس اثر کی روشنی میں معنی یہ ہوگا کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی ذریت میں سے ہے خواہ فاسق، دائمی شرابی، زنا کار، تکبر اور تمام گناہوں کا رسیا کیوں نہ ہو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہے۔ حالانکہ یہ قول باطل اجماع، صریح نصوص اور بدایت عقل کے خلاف ہے۔

اسی طرح مذکورہ تقریر کے مطابق حضور ﷺ کی ذریت کا وہ شخص مجتہد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہوگا۔ پھر اگر ہم کہیں کہ ملحق (جس کو ملایا گیا) ملحق ہے (جس کے ساتھ ملایا گیا ہے) کے درجہ کے مساوی نہیں ہوتا بلکہ اس سے ادنیٰ ہوتا ہے (تو مطلب یہ ہوگا جناب علی رضی اللہ عنہ بھی ادنیٰ ہوں) کیونکہ تمام ذریت مصطفیٰ تو ملحق ہے ہوگا۔ جیسا کہ سیدہ فاطمہ ملحق ہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان المحقنا بہم ذریتہم سے ظاہر ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذریت کے ساتھ ملحق ہوں گے لہذا ان سب سے ادنیٰ ہوں گے۔ اور اگر ہم کہیں کہ ملحق بغیر واسطہ کے ملحق ہے کہ مساوی ہوتا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ تمام ذریت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ افضلیت میں مساوی ہیں اور پھر دو قول کہ افضلیت یا مساوی کے ہیں قطعاً باطل ہیں اور یہ

کیسے صحیح ہو سکتے ہیں حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے جناب علی کو حضرات حسین کریمین سے افضل بتایا ہے۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں خاتم نے مستدرک میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسن و حسین جنت میں جنتی جوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں سے بہتر ہیں۔

گذشتہ تقریر کے مطابق حضرت سیدنا موسیٰ و حضرت سیدنا عیسیٰ اور انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کی ذریت خلفائے اربعہ سے افضل ہوئی۔ حالانکہ یہ اجماع اور صریح احادیث کے خلاف ہے۔ اسی تقریر پر تمام مومن فضیلت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ملنے والے ملحق ہو جائیں گے اور رتبہ کے لحاظ سے خلفائے اربعہ کے مساوی قرار پائیں گے کیونکہ سب ذریت آدم ہیں اور ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور اس قول کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اگر اس اثر سے وہی مراد ہو جو مخالف نے لی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ پر افضل ہیں تو اس کی تردید حضور ﷺ کے بعض روایات میں وارد اس فرمان سے ہو جاتی ہے کہ لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر جناب علی رضی اللہ عنہ۔ اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول بھی اس کا رد کرتا ہے فرمایا اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر میں رضی اللہ عنہ۔ ان سب کا تفصیلی ذکر احادیث فضیلت کے بیان میں گزر چکا۔

اس کا رد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ صریح فرمان بھی کرتے ہیں فرمایا جس نے مجھے شیخین پر فضیلت دی میں اسے مفتری کی سزا دوں گا اور زانی کی حد لگاؤں گا۔ اور اس کی مثل دیگر اقوال بھی کہ بہت پہلے گزر چکے ہیں۔

بالفرض اس اثر کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنت میں حضور ﷺ کے درجے میں ہونے کا معنی ظاہر ہے کہ پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔ ان کے رہنے کا مقام بھی حضور ﷺ کے ساتھ ہوگا۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ نے الصواعق المحرقة میں منہ احمد کے حوالے سے حدیث مرفوعہ نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ سے ان حسین سے اور ان کے والدین سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا۔ پھر حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ مذکور نے فرمایا یہاں معیت سے مراد حضور ﷺ کے ساتھ رہنا نہیں بلکہ یہ اس

جہت سے ہے کہ وہاں پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے:

مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین و الصدیقین و الشهداء
و الصالحین و حسن اولئک رفیقاً۔

ترجمہ کنز الایمان: پس یہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین میں سے اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ اچھی۔

لیکن مخفی نہیں کہ اس معنی کو مراد لینے کی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رفع حجاب (پردوں کا اٹھنا) ان کے محبین کی نسبت زیادہ اتم و اکمل ہوگا۔ فائدہ

اگر ہم تسلیم کر لیں کہ مراد معیت سے حضور ﷺ کے ساتھ رہنا ہی ہے تو بھی یہ فضیلت کو تو مستلزم نہیں و اگر نہ حضور ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کے روز قیامت حضور ﷺ کے ساتھ آپ ہی کے درجے میں ہونے میں کیا شک ہے۔ لیکن اس کے باوجود خلفائے ثلاثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (رضی اللہ عنہ) پر ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ فخر کیا اور کہا کہ آپ کی نسبت میں تو نبی مصطفیٰ کے قریب ہوں۔ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگرچہ آپ حضور ﷺ کے قریب ہیں لیکن آپ کو حضور ﷺ کے جسم کا ٹکڑا ہونے کا شرف حاصل نہیں۔ لہذا آپ میری نسبت حضور سے دور ہوئیں اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن میں جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کے درجے میں ہوں گی اور آپ کا شمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے درجے میں ہوگا۔

اگر ہم مان لیں کہ یہاں جنت کی معیت مراد نہیں بلکہ فضیلت و رتبہ کی معیت مراد ہے تو یہ فی نفسہ صحیح ہی نہیں کیونکہ یہ تو اس کو مستلزم ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور تمام انبیاء رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہوں اس وجہ سے کہ اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے ساتھ ملے ہونے کا فضل کامل حاصل ہوگا۔ حالانکہ یہ اجماع کے مخالف ہے۔

(الطریقۃ الاحمدیہ حقیقۃ قطع بالافضلیۃ قلبی)

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 320 اور ص 321 پر لکھا ہے:

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کے خلاف مذہب رکھتے تھے اور وہ فضیلت مرتضوی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تصریح فرماتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت عثمان

کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

وہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے غزوہ احد میں پرپائی دکھائی تو اللہ نے انہیں قتل کر ڈالا۔ پھر اس شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ان کے متعلق مت پوچھو! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان کا مرتبہ نہیں دیکھا؟

(بحوالہ مصنف 232/11، فضائل صحابہ رقم: 1012، خصائص علی رقم: 106-102/04)

میں کہتا ہوں۔ پھر اجماع کے دعوؤں، فرض کی تہمت اذرا یعنی صحابہ پر عیب لگانے کا الزام اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو موخر ماننے پر اصرار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تفضیل کے قائلین پر فکری دباؤ پر مبنی عبارات وغیرہ کا کیا ٹھکانہ رہا؟

جواب: عرض یہ ہے کہ شیخ محمود سعید ممدوح کا یہ لکھنا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فضیلت علی المرتضیٰ کے قائل تھے، صراحتاً اور واضح جھوٹ ہے۔ پیش کردہ روایت میں کسی بھی مقام پر فضیلت کا نام و نشان نہیں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل کو بیان کرنے کو انکی فضیلت کی دلیل بنانا ایک قبیح حرکت ہے۔ اور یہ مذموم حرکت شیخ ممدوح نے اس کتاب میں متعدد مقامات پر کی۔ جو کہ جھوٹ کے مترادف ہے۔

اگر حدیث کی صرف ایک سند پر نظر ہو تو نتیجہ اکثر اوقات غلط ہی نکلتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضیلت کی متعدد مقامات پر مختلف طرق اور متون وارد ہوئے ہیں۔ کسی حدیث میں شیخین کی فضیلت ہے، کسی حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے، کسی حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت وارد ہے، کسی روایت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کا دفاع کیا گیا ہے اور کسی روایت میں مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں بیان کیں ہیں۔ یہ تمام احادیث ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ کسی مقام پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے دفاع سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ وہ مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے منکر ہیں اور کسی مقام پر مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں بیان کرنے سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ وہ حضرت عثمان کی فضیلت کے منکر ہیں۔

جناب عالی! ذرا بخاری شریف باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ بڑھ لی ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مکمل موقف سامنے آجاتا۔

”امام بخاری نے ایک روایت نقل کی کہ اہل مصر سے ایک شخص آیا اس نے کہا: اے ابن عمر! میں آپ سے چند چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ سو آپ مجھے ان کے بارے میں بتائیے! کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں بھاگ گئے تھے! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ وہ غزوہ بدر میں غائب تھے اور حاضر نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ وہ بیعت رضوان میں غائب تھے اور حاضر نہ تھے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا اللہ اکبر! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: آؤ! میں تم کو (ان کی وجوہ) بیان کرتا ہوں، رہا ان کا غزوہ احد کے دن بھاگنا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کی مغفرت فرمادی اور رہا ان کا غزوہ بدر میں غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) ان کے عقد نکاح میں تھیں وہ بیمار تھیں (حضرت عثمان ان کی تیمارداری میں مصروف تھے) پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کو بدر میں حاضر ہونے والے شخص کے برابر اجر ملے گا اور مال غنیمت سے حصہ ملے گا اور رہا ان کا بیعت رضوان سے غائب ہونا (تو اس کی وجہ یہ ہے) کہ اگر مکہ والوں کے نزدیک حضرت عثمان سے زیادہ معزز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ اس کو مکہ میں بھیج دیتے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیج دیا اور بیعت رضوان حضرت عثمان کے مکہ جانے کے بعد ہوئی تھی، پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا، پس اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔ پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اب ان جوابات کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔“

(صحیح بخاری رقم: 3699، باب مناقب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ)

قارئین کرام! اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سوال پوچھنے والے شخص کے سوال جو کہ حضرت عثمان کی تھقیص پر مبنی تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا شدید رد کیا اور ان کے فضائل بھر پور طریقے سے بیان کئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مناقب عثمان رضی اللہ عنہ کے باب میں نقل کیا۔ کیونکہ اس حدیث سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی چند فضیلتیں ظاہر ہوئی ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ کا ان کو معاف کرنا۔

2- غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود جہاد کا اجر ملنا۔

3- جہاد میں شریک نہ ہوئے اور پھر بھی مال غنیمت سے حصہ ملا۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملی۔

4- نبی کریم ﷺ کا اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دینا اور یہ ایک عظیم الشان فضیلت ہے۔ اگر علماء کرام کو اعتراض نہ ہو تو ایک بات ضرور کرونگا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دائیں ہاتھ کہا تو اس فرمان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے جسم کا ایک حصہ قرار نہیں پائیں گے؟ اس پر ذرا غور کیجئے گا بڑے فوائد کو شامل ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان کی بہت ساری فضیلتیں ظاہر کیں ہیں۔

نکتہ: اب اس مرحلہ پر سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ یہ بات کوئی دھکی چھپی نہیں کہ اس شخص کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا اس کا یا تو رافضی ہونا اور یا تو خارجی ہونا ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مذاہب کے لوگ صحابہ کرام کی تحقیص کیا کرتے تھے۔ لہذا ظاہر ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں سوال کرنے والا رافضی یا خارجی تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے جواب میں دلائل دیئے اور حضرت عثمان کی فضیلت واضح کی۔ بالکل اسی طرح سعید ممدوح کی پیش کردہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما بحوالہ المصنف 232/11 فضائل الصحابة رقم: 1012 میں بھی کسی شخص نے سوال کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنا اور پھر ساتھ ہی مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص یا تو نا صبی تھا یا خارجی تھا اس لئے اس کے موقف کی تردید کے لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کیا۔ اس بات کو صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت بھی ثابت کرتی ہے۔

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نیک اعمال بیان کیے، فرمایا: شاید اس بات سے تمہیں تکلیف ہوئی ہے؟ اس شخص نے کہا: ہاں! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری ناک کو خاک آلود کرے پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا، پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے نیک اعمال بیان کیے، فرمایا: نبی کریم ﷺ کے گھروں میں سے یہ گھر متوسط گھرانہ ان کا ہے۔ پھر فرمایا: شاید اس بات سے بھی تمہیں تکلیف ہوئی ہے! اس نے کہا: ہاں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری ناک کو خاک آلود کرے! دفع ہوا! اور میرے خلاف جو کر سکتا ہے وہ کر۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۰۴۷ کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

مزید یہ کہ شیخ محمود سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت میں یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فضیلت مرتضوی بر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے؟ فضائل سے فضیلت ثابت کرنا جہالت ہے کیونکہ فضائل کی جہت جدا ہے اور فضیلت کی جہت جدا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے سے تو مولا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ فضیلت اور یہ کہ اختلاف فضیلت میں ہے نہ کہ فضیلت میں۔ فضیلت ایک الگ چیز ہے اور فضیلت ایک جدا چیز ہے۔ لہذا اس کا فرق ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ مزید یہ کہ حدیث کا مضمون اور سیاق و سباق کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے ورنہ اس کا حال سعید ممدوح جیسے ہی ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں حق بات کہنے کی ہمت عطا فرمائے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 321 پر لکھا ہے۔

”میں (سعید ممدوح) نے اس حدیث کی توجیہ میں جو سب سے بہترین قول پایا ہے وہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول خلافت کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بعض طرق میں آیا ہے کہ مذکورہ خیریت اور فضیلت کا تعلق خلافت کے ساتھ مقید ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یقیناً تم مانتے ہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے: ابو بکر رضی اللہ عنہ، پھر عمر رضی اللہ عنہ یعنی خلافت میں۔ مزید غایۃ التبجیل ص 322 پر لکھتا ہے۔

ایسا ہی اصل حدیث میں ہے اور اسی طرح عبید اللہ نے از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے۔ اس امر کا زیادہ حقدار کون ہے؟ پھر خود ہی کہتے تھے حضرت ابو بکر پھر عمر رضی اللہ عنہما (فتح الباری 17/7) اس آخری مسلک سے حدیث میں موجود اشکال یقیناً زائل ہو جاتا ہے کہ تقدیم کا تعلق خلافت سے ہے اور اس سے قبل وضاحت آ چکی ہے کہ خلافت کی تقدیم سے تفصیل لازم نہیں آتی۔

جواب: سعید ممدوح کی علمی قابلیت اس مسئلہ پر مزید واضح ہو جاتی ہے۔

1- ایک تو یہ کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما والے اثر (افضلیت امہ خلفاء ثلاثہ) سعید ممدوح نے غایۃ

التبجیل ص 321 پر تقریباً 17 احتمالات وارد کئے تھے اور خود ہی آخری توجیہ کے بارے میں لکھتا ہے میں نے اس حدیث (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی توجیہ میں جو سب سے بہترین قول پایا ہے وہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول خلافت کے ساتھ خاص ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اول چھ توجیہات اور اعتراضات سب کے سب فضول تھے (یعنی کہ بہتر نہ تھے) جس کی وجہ سے محمود سعید ممدوح کو آخری توجیہ کو بہترین کہا اور ظاہری بات ہے کہ احتمالات اور توجیہ میں بہترین احتمالات یا احتمال کے بعد باقی احتمال خود بخود معدوم اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔ لہذا سعید ممدوح جو لکھتا ہے اس کا رد بھی خود ہی کر دیتا ہے۔ عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے اس نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے۔ لہذا عوام الناس ایسے احتمالات اور توجیہات دیکھ کر بالکل نہ گھبرائیں۔

2- دوسرا یہ کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "یعنی فی الخلافۃ" (یعنی خلافت میں) کے الفاظ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اپنے الفاظ نہیں بلکہ کسی راوی کا اضافہ ہے۔ مزید یہ کہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس اثر میں "فقیل هذا فی التفضیل وقیل فی الخلافۃ" الفاظ نقل کئے ہیں اور یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ قیل کا لفظ صیغہ ترمیض اور مجہول کا ہے جو کہ روایت کی کمزوری کو ظاہر کر رہی ہے۔ (ملاحظہ کریں الاستیعاب 3/156)

3- تیسرا یہ کہ ذرا روایات کے متعدد طرق بھی پڑھ لیا کریں، وگرنہ نتائج اخذ کرنے میں ٹھوکر کھائی لگے گی۔ امام خلیل نے کتاب السنۃ رقم: 578 پر ایک حدیث نقل کی ہے:

ثنا ابو عبد اللہ قال ثنا أبو سلمة الخزاعي وشاذان عن عبد العزيز بن أبي سلمة عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر في التفضيل يريد أبا بكر ثم عمر ثم عثمان.

اس سند میں تو واضح طور پر فی التفضیل کے الفاظ وارد ہیں۔ یعنی کہ یہ بیان مسئلہ فضیلت میں ہے نہ کہ خلافت میں۔ مزید یہ کہ اہل سنت کے مجتہدین نے خود اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مطلقاً تفضیل مراد لی ہے۔ ذرا کتاب السنۃ ابن خلیل رقم: 572 تا 580 بغور مطالعہ کریں جس میں امام اہل سنت امام محمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اقوال بھی شامل ہیں۔ اپنی عقل و سمجھ کو حرف آخر نہ سمجھیں۔

4- غایۃ التبجیل ص 321 پر جو روایت "انکم تعلمون... یعنی فی الخلافۃ" نقل کی ہے۔ اس کی سند تاریخ دمشق 39/163 پر اور معجم الکبیر رقم: 13181 پر بھی درج

ہے اس کی سند عبد اللہ بن یسار عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے اور اس کے متن میں یعنی فی الخلافۃ راوی کا اضافہ ہے مگر اصح ترین طرق میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

5- غایۃ التبجیل ص 322 پر جو روایت "کنا نقول فی عہد رسول اللہ ﷺ من یکون اولی هذا الامر؟ فنقول، أبو بكر، ثم عمر نقل کی ہے۔ اس مذکورہ حدیث سے افضلیت مطلقہ کی نفی کیسے ثابت ہوتی ہے؟ کیا خلافت میں افضل ہونے سے افضلیت مطلقہ کی نفی ہو جاتی ہے؟ بڑی ہی عجیب دلیل ہے کیونکہ افضلیت اور خلافت خاصہ ایک دوسرے کی ضد نہیں ہے۔ کیونکہ خلافت میں افضلیت اس بات کو ثابت نہیں کرتی کہ خلیفہ میں افضلیت مطلقہ کی خاصیت نہیں پائی جاسکتی۔

مزید عرض یہ ہے کہ یہ بات متعدد وجوہات کی بنا پر مسکوع نہیں ہے۔
1- یہ کہ خلیفہ ہونے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ شخصیت افضل نہ ہوگی۔ خلافت اور افضلیت میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ خلیفہ افضل نہیں ہوتا۔ اکثر تفضیلی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ خلافت اور افضلیت ایک دوسرے کے متلازم نہیں ہیں۔ جناب والا! اس بات سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ خلیفہ افضل نہیں ہو سکتا؟ آپ لوگوں کی یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی خلاف ہے۔

2- اگر آپ کی توجیح کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر کیا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث قابل قبول ہوگی؟

قال کنا نقول ورسول الله ﷺ حي أفضل هذه الأمة بعد نبينا ﷺ أبو بكر وعمر وعثمان فيسمع ذالك رسول الله ﷺ فلا ينكره.

ترجمہ: یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کہا کرتے افضل اس امت کے بعد اس کے نبی ﷺ کے ابو بکر و عمر و عثمان میں پس یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سمع اقدس تک پہنچتی اور حضور انکار نہ فرماتے۔

(المعجم الکبیر بن اسمعہ عبد اللہ بن عمر جلد 12 صفحہ 285، رقم 13132، مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 39، رقم الحدیث 13385)
پھر تو آپ کی توجیح سے تو یہ ثابت ہو گا کہ بنی کریم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت پر تو اتفاق تھا مگر مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع اور اتفاق نہ تھا۔ اور یہ بات کسی کو بھی قابل قبول نہ ہوگی۔ اس کا جو بھی جواب ہو گا ہمارا بھی

وہی جواب ہوگا۔

۳۔ بالفرض اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا تعلق خلافت سے ہے۔ پھر اس تو جمع کے مطابق تو خلافت شیخین پر نص قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن اہل سنت کا تو یہ قول ہے کہ چاروں خلفاء کرام پر نص ظاہری موجود نہیں ہے۔ لہذا آپ کا استدلال اور جواب لغو ہوا۔ اور خلافت کی نص بے کار گئی۔

۴۔ اور یہ کہ اگر آپ کی بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ جہاں بھی افضلیت کا قول موجود ہے تو اس افضلیت سے مراد خلافت میں افضلیت ہے۔ تو جناب والا! تفصیلی حضرات تو نام نہاد مسئلہ افضلیت پر علماء کرام کے حوالے جو پیش کرتے ہیں کہ مسئلہ افضلیت ظنی ہے۔ یہ اقوال کس کے متعلق ہیں، خلافت کے متعلق یا مطلقاً افضلیت کے متعلق؟

اگر وہ اقوال جن سے آپ احباب مسئلہ افضلیت کو ظنی ثابت کرنے کی عوام الناس میں کوشش کرتے ہیں۔ ان اقوال کا تعلق خلافت سے ہے تو خلافت ظنی ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس پر تو اجماع ہے کہ خلافت خلفاء راشدین قطعی ہے۔ اور اگر آپ کے پیش کردہ اقوال کا تعلق مطلقاً افضلیت مطلقہ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کی توجیح (افضلیت کا تعلق خلافت سے ہے) غلط ثابت ہو جاتی ہے۔

۵۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۹ رقم الحدیث: ۴۳۸۵ اقال کنا نقول ورسول اللہ ﷺ خی افضل هذه الأمة بعد نبیہا ﷺ أبو بکر و عمر و عثمان فیسمع ذالک رسول اللہ ﷺ فلا ینکرہ کے متن کو اگر غور سے ملاحظہ کریں تو اس میں افضل هذه الامۃ بعد نبیہا ﷺ کے الفاظ واضح موجود ہیں۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر نے ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے بعد افضل الامت کہا ہے۔ لہذا نبی کریم ﷺ کے بعد افضل کہنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق افضلیت مطلقہ کے ساتھ ہے۔ اور اس کا تعلق خلافت میں افضلیت سے بنتا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی افضلیت خلافت میں نہیں بلکہ مطلقاً افضلیت ہے۔ اور خلفاء ثلاثہ کو نبی کریم ﷺ کے بعد افضل الامت کہا گیا ہے۔

اعتراض: کچھ لوگ مسئلہ افضلیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ مسئلہ افضلیت ایک حیثیت سے نہیں بلکہ اس کا تعلق تو مختلف جہتوں سے ہے۔ یعنی افضلیت میں جہتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس

سلسلہ میں کچھ اکابرین کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ان حوالوں میں فاتح قادیانیت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ ملا بر خوردار ملتانی کی کتاب غوث الاعظم سے پیش کرتے ہیں۔

جواب: اگر مسئلہ افضلیت کا تعلق مختلف جہتوں سے ہے یعنی ایک صحابی کسی خاص چیز میں افضل ہیں اور دوسرے صحابی کسی دوسری چیز میں افضل ہیں۔ تو جناب والا! پھر آپ لوگوں پر متعدد سوالات قائم ہوتے ہیں۔

۱۔ آپ لوگ جو عوام الناس میں کبھی علامہ باقلانی رحمہ اللہ، کبھی علامہ آمدی رحمہ اللہ اور کبھی امام الحرمین رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے مسئلہ افضلیت کو ظنی کہا ہے۔ تو یہ علماء کرام کس جہت کے بارے میں مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتے ہیں؟

۲۔ اگر مسئلہ افضلیت میں مختلف جہتوں کا اعتبار ہوتا ہے تو علماء کرام نے دیگر جہتوں سے دیگر صحابہ کرام کو افضل کہنے کا قول اپنے عقیدے میں کیوں نہیں کیا؟ صرف ایک ہی جہت کا اعتبار کیوں کیا؟ اور کتب عقائد میں درج کیوں کیا؟

۳۔ جن علماء کرام نے افضلیت مطلقہ اور افضلیت جزوی کی تقسیم کی ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہوگی؟

۴۔ کچھ لوگوں نے جو مختلف جہتوں کا اعتبار کر کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خیر اور حضرت علی المرتضیٰ کو افضل کہا۔ علماء کرام اور محدثین کرام نے ایسے اقوال کو برا قول کہہ کر رد کر دیا ہے۔

۱۔ امام عراقی رحمہ اللہ نے ایسے اقوال کے بارے میں لکھا ہے کہ و هذا تہافت من القول۔ یعنی کتنا برا اور گرا ہوا قول ہے۔ (شرح التبصرہ ج ۲ ص ۱۳۸)

ب۔ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و عزاہ الخطابی لقوم، و حکى هو قول آخر بتقدیم أبی بکر من جهة الصحابة و علی من جهة القرابة. قال: و کان مشایخنا یقول: أبو بکر خیر، و علی افضل. قال المصنف: هذا تہافت فی القول۔

مفہوم: امام خطابی نے حکایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقدیم صحابی ہونے کی جہت سے ہے اور حضرت علی المرتضیٰ کی قرابت داری کی جہت سے ہے۔ اور کہا کہ بعض مجہول مشائخ نے یہ بھی کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خیر ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ افضل

میں مصنف نے کہا کہ یہ بہت گرا ہوا اور برا قول ہے۔ (فتح المغیث جلد ۳ ص ۱۰۶)

۶۔ قبلہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ ملا بر خوردار ملتانی کی کتاب غوث الاعظم سے پیش کرنا بھی مفید نہیں۔ کیونکہ اگر اس حوالہ میں افضلیت میں مختلف جہتوں کا بیان ہے تو قبلہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی آخری کتاب تصفیہ مابین سنی و شیعہ میں اس نظریہ کو بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب نے تو خلافت مطلقہ کے لیے افضلیت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ افضلیت میں جہتوں کی بحث کرنا صرف اور صرف لوگوں کو الجھانا ہے۔ وگرنہ اجماع صرف اور صرف شیخین کی افضلیت پر ہی ہے۔ اور ان کی افضلیت مطلقہ پر ہی امت کا تعامل ہے۔

۷۔ مزید یہ کہ شیخ ممدوح کی پیش کردہ روایت کی سند معجم الکبیر رقم: 13391 پر موجود ہے۔ اس کے ایک راوی یوسف بن خالد السمتی کو حافظ پیشی رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کر کے اس کو کذاب کہا ہے۔ (مجمع الزوائد رقم 8915 باب الخلفاء الاربعہ)

۸۔ غایۃ التبجیل ص 322 پر اس کی متابعت فضائل صحابہ رقم: 63 سے پیش کی گئی ہے مگر اس کتاب کے محقق ڈاکٹر وحی اللہ بن محمد عباس نے حاشیہ میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔ عبد اللہ بن عمر العمری پر علماء کرام کی آراء ملاحظہ کریں۔

عبد اللہ بن عمر العمری اور محدثین کرام

i۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ضعیف عابد۔ (تقریب التہذیب رقم: 3489)

ii۔ یعقوب بن شیبہ نے کہا: صدوق ثقہ، فی الحدیث اضطراب۔

(غلام تہذیب الکمال ص 207)

iii۔ امام بیہقی نے کہا: ضعیف۔ (ضعفاء عقلی)

iv۔ امام بخاری نے کہا: کان یحیی بن سعید یضعفه۔

(تاریخ الکبیر 145/5 - ضعفاء صغیر رقم: 65)

v۔ امام ابو حاتم نے کہا: ینکثب حدیث لا یحتج بہ۔ (المزح والتمذیل 110/5)

vi۔ امام نسائی نے کہا: لیس بالقوی۔ (الضعفاء رقم: 62)

vii۔ امام صالح جزیرہ نے کہا: لیس مختلط الحدیث۔ (تہذیب التہذیب 327/5)

viii۔ ابن سعد نے کہا: کثیر الحدیث یتضعف۔ (تہذیب 327/5)

ix۔ امام بخاری نے کہا: ذاہب الحدیث لا أروی شیئاً۔ (تہذیب 328/5)

x۔ امام احمد حاکم نے کہا: لیس بأقوی عندہم۔ (تہذیب 328/5)

xi۔ ابو زرہ نے کہا: کان یزید فی الاسانید و یخالف و کان رجلاً صالحاً۔

(تہذیب 327/5)

xii۔ ابن المدینی نے کہا: ضعیف۔ (میزان الاعتدال 465/2)

xiii۔ ابن حبان نے کہا:

حتى غفل عن حفظ الأخبار وجودة الحفظ لأثار فوق منا کبر فی

روایۃ حتی فحش خطوہ فاستحق الترتک۔ (المزہومین 14/2)

کچھ محدثین کرام نے اس کی توثیق بھی کی ہے مگر اصول کے مطابق یہ راوی ضعیف ہے اور خاص طور پر یہ کہ اس کی روایات میں منکر باتیں آجاتی ہیں۔ لہذا ایسی ضعیف سند کی روایات سے آپ ہی استدلال کریں جبکہ اس کے مقابلے میں صحیح بلکہ اصح ترین روایات موجود ہیں۔ اور صحیح کے مقابلہ میں شاذ اور ضعیف حدیث سے استدلال کرنا مردود ہے۔

نکتہ: اہم بات یہ ہے کہ سعید ممدوح خود جس نظریے کو قائم کرنے کے لیے دلائل جمع کرتا ہے۔ آخر میں خود ہی اس نظریے کو مشکوک اور بے بنیاد بھی بنا ڈالتا ہے۔

اسی لئے اس تمام اقوال کے بعد غایۃ التبجیل ص 322 پر خود لکھتا ہے:

لیکن اس مسلک (یعنی تفضیل خلافت میں ہے) کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو استعمال کیا اور نہ ذکر کیا اور نہ ہی شدید مقاصت کے باوجود کسی خلیفہ کے انتخاب کے وقت اسے بطور دلیل پیش کیا بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں عبید اللہ بن جراح کو خلیفہ نامزد کرتا پھر میرا رب مجھ سے پوچھتا: تمہیں کس چیز نے اس پر آمادہ کیا؟ تو میں عرض کرتا: یا رب میں نے تیرے نبی ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔

اور ان روایات کو نقل کرنے کے بعد خود ہی سکوت کر بیٹھا۔ جس سے واضح ہو گیا کہ اس

حدیث کو خلافت میں پیش کرنا جہالت ہے اور ان تاویلات بالظہ سے خود محمود سعید ممدوح کے موقف کو کوئی فائدہ و تقویت نہیں ملی۔ لہذا معلوم ہوا کہ ایسی تمام روایات اور تاویلات سے محمود سعید ممدوح صرف عوام الناس کو مسند افضلیت میں الجھانے کی کوشش میں لاتا ہے اور ایسی تاویلات عوام الناس کو بہکانے کی خاطر لانا ایک مردود عمل ہے۔

اہم نوٹ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس حدیث پر تفصیلیہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا۔ اس اعتراض کے محدثین کرام نے متعدد جوابات دیے ہیں مگر تفصیلیوں کے امام شیخ محمود سعید ممدوح نے اپنی کتاب غایہ التبحر میں پر محدثین کرام کی ان تاویلوں کو ماننے سے انکار کیا اور ان پر طعن کیا۔

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ شیخ محمود سعید اگر چند کتابوں پر نظر ڈال لیتا تو اس کو متعدد ایسی روایات مل جاتیں جس میں مولا علی رضی اللہ عنہ کے نام کی واضح تصریح موجود ہے۔

عن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی ﷺ إذا قیل من خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ قیل أبو بکر و عمر و عثمان و علی۔

ترجمہ: یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کہا کرتے اس امت میں سب سے خیر و بہتر نبی ﷺ کے ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (تاریخ دمشق جلد ۳۹ ص ۱۶۳)

ایک اور طریق کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی قول ہے کہ
عن ابن عمر قال کنا و فینا رسول ﷺ نفضل أبو بکر و عمر و عثمان و علیا۔

ترجمہ: یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تفضیل دیتے تھے ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کو۔ (تاریخ دمشق جلد ۳۰ ص ۳۲۶)

ان مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دیگر طرق میں شیخین کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام موجود ہے اور اس طرح اس پر اعتراضات لائے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی افضلیت شیخین کی روایت متواتر ہے۔ راقم کے علم میں اسکی ۱۰۰ سے زائد سندیں ہیں۔

تفصیل میں قول علی رضی اللہ عنہ پر کلام کا تحقیقی جائزہ

مسند افضلیت پر ایک روایت مولا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا: اے ابو جحیفہ کیا میں تمہیں اس امت کے نبی ﷺ کے بعد اس امت کے افضل شخص کے متعلق نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں فرماتے ہیں: حالانکہ میں کسی کو ان سے افضل نہیں سمجھتا تھا، فرمایا: اس امت میں اس کے نبی ﷺ کے بعد افضل شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر ہیں اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص ہے اور اس کا نام نہ لیا۔ (مسند احمد ۱/۱۰۶)

شیخ محمود سعید ممدوح نے اس حدیث پر چند ایک علمی اور عقلی استدلال کے ذریعے جواب دیئے اور اس میں تاویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر پچھلے تمام اعتراضات کی طرح وہ ان اعتراضات میں خود پھنس کر رہ گیا ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص ۳۲۵ پر سعید ممدوح لکھتا ہے اس اثر (قول صحابی رضی اللہ عنہ) پر بحث کے دو مقام ہیں۔

(مقام اول: سبب)

ایک جماعت نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی برائی میں تجاوز کیا پھر ایسا تاثر دیا کہ ان کے کلام کا یہ مفہوم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مؤید ہے۔ حالانکہ یہ ان پر بہتان اور قبیح جرم ہے۔ لہذا مناسب تھا کہ آغاز ہی میں اس کا سد باب کر دیا جاتا اور چونکہ یہ جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محب اور انہیں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر تفضیل دیتی تھی اس لئے اس کی عقیدت کی زد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تینوں پر پڑتی تھی (وہ یوں کہ شیخین کریمین کی تو انہوں نے براہ راست برائی کی تھی اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اس برائی کا سبب ٹھہرتے تھے) لہذا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے ایک واضح موقف لیتے ہوئے خود پر شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو ترجیح دی اور انہیں مقدم رکھا اور حد سے تجاوز کرنے والوں پر شیخین پر بہتان باندھنے والوں کو وارننگ دی کہ اگر انہوں نے انہیں شیخین پر تفضیل دی تو وہ انہیں وہ سزا دیں گے جو بہتان تراش کو دی جاتی ہے اور چھوٹی سے بڑی سزائی وارننگ اور دھمکی دینا سد باب کے طور پر تنبیہ کے ادنیٰ سے اعلیٰ درجے کی طرف میلان ہوتا ہے اور اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ واجب بات اس

سے کم پر پوری نہ ہوتی ہو تو وہی سخت طریقہ واجب ہوتا ہے اور مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تحفظ واجب ہے اس لئے کہ اگر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین میں سے نہ سمجھا جائے تو اس کی عام اشاعت کرتے تو مفاضلہ و مقابلہ کی ایسی نامناسب راہ کھل جاتی جو شیخین کریمین کی برائی کی طرف لے جاتی۔ لہذا شیخین کے بارے میں تبادلہ خیال میں حد سے بڑھنے والوں کو روکنا واجب تھا اور یہ واجب اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک انہیں جائز سے نہ روکا جاتا اور وہ افضلیت مرتضوی کا تذکرہ ہے اور شاید یہ فیصلہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے اقصیٰ الصحابہ ہونے کی طرف لطیف اشارہ کر رہا ہے۔

جواب: سعید ممدوح کا روایات کے طرق پر نظر بہت کم ہے یا پھر جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے۔ اصل میں تحقیق تو یہ ہونی چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہ کون سے لوگ تھے جو شیخین کریمین میں سے نہ سمجھے جاتے اور پروردگار نے انہیں بھی کرتے کہ شاید مولا علی رضی اللہ عنہ کا بھی عقیدہ شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہی ہے۔ راوی کا یہ کہنا کہ "ان کی یہ جرات فقہ اس لئے ہے کہ ان کا گمان ہے کہ ان کی یہ جرات آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے موافق ہے"۔ یہ ان کا اپنا فہم اور ادراک ہے سعید ممدوح نے اس تلاش اور کوشش کو ترک کر دیا تاکہ اصلیت واضح نہ ہو سکے۔ مگر حقیقت چھپانے سے نہیں بچ سکتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

منہم عبد اللہ بن سبا وکان عبد اللہ اول من اظهر ذلك

(سان المیزان رقم: ۴۲۵۳)

معلوم ہوا کہ ان افراد میں عبد اللہ بن سبا موجود تھا۔ اور وہ پہلا شخص تھا جس نے شیخین کا مرتبہ گرانے کی کوشش کی اور انکی تحقیق کی۔ لہذا محمود سعید ممدوح کو ایسی جماعت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محب قرار دینا بات کو سوزنے کے مترادف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوا کہ یہ قول عبد اللہ بن سبا کا تھا اور یہ واضح ہو گیا کہ یہ افراد نام نہاد محبان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت تھی جو دراصل یہودیوں اور انصاریوں کا ایک ٹولہ تھا اور جس نے اسلام کی بنیادیں ہلا کر رکھ ڈالیں تھیں۔ یہی لوگ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا سمجھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن کرتے تھے اور یہی فرقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اقصیٰ کو تمام صحابہ کرام سے افضل سمجھتا تھا۔ اسی لئے مولا علی رضی اللہ عنہ نے متعدد مقامات پر شیخین کریمین کی افضلیت کا اعتراف کیا اور ان کی شان عظیم بیان کی۔ اب سوال اور قابل تحقیق بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا کی جماعت کو شیخین کریمین سے افضل کہنے کی وجہ سے حد المفتری

لگائی یا کہ انہیں شیخین کریمین کو برا سمجھنے پر مد لگائی اس میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

۱- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں شیخین کریمین کو برا یا لعن طعن کرنے کی وجہ سے حد المفتری نہیں لگائی کیونکہ اس روایت میں الفاظ "حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر ان کے اس حق سے ہٹ کر کر رہے تھے جس کے وہ اسلام میں مستحق تھے" واضح کر رہے ہیں کہ وہ اس موقع پر تنقیص نہیں بلکہ ان کا اصل مرتبہ جو تھا اس سے کم بیان کر رہے تھے اور ان کا یہ درجہ افضل الصحابہ تھا۔ مزید یہ کہ اگر وہ صحابہ کرام کی برائی کرتے تو راوی اسی وقت شیخین کی فضیلت اور فضائل بیان کرتا جو کہ کسی پر عیاں نہیں تھے مگر راوی حضرت سید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا۔

۲- سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شیخین کریمین کے اتنے فضائل مروی اور آثار مشہور ہیں کہ کسی کو یہ شک و شبہ تک نہ تھا کہ مولا علی رضی اللہ عنہ بھی شیخین کی تنقیص کر سکتے ہیں۔ لہذا یہ موقف بھی غلط ہے۔

۳- سیدنا علی رضی اللہ عنہ اگر شیخین کی تنقیص کی وجہ سے حد المفتری لگاتے تو پھر اپنے اس فیصلے میں شیخین کی تنقیص کرنے والے کا نام ضرور لیتے کیونکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قاضی حد لگانے سے پہلے اس کی وجہ ضرور بیان کرتا ہے۔ مولا علی رضی اللہ عنہ تو فصیح انسان تھے۔ انہیں اس طرح کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مزید یہ کہ حد المفتری کی سزا سننا اس کی دوسری وجہ بیان کرنا عہدہ قضا کے بھی خلاف ہے۔

۴- کیا سعید ممدوح کو مولا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کا علم نہیں کہ وہ حد المفتری لگا رہے ہیں وہ اس کی اصل وجہ بنانے سے گریز کریں۔

۵- مزید یہ کہ ایک عجیب سی بات لگتی ہے اگر واقعاً مولا علی رضی اللہ عنہ کی محب جماعت ہوتی تو پھر اسے مولا علی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرنا ضروری تھا مگر ایسی سزا دینے سے واضح ہو گیا کہ وہ جماعت محب علی رضی اللہ عنہ کی نہیں تھی۔

۶- حیرانگی کی بات ہے کہ سعید ممدوح نے ص 326 پر لکھا ہے کہ "اور مقام صحابہ کرام کا تحفظ واجب ہے" جناب عالی اگر مولا علی رضی اللہ عنہ کو مقام صحابہ کرام کا تحفظ کرنا تھا تو وہ اس سزا کی علت اور وجہ بھی مقام صحابہ کرام کو بتاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا قاضی ہو اور سزا دیتے وقت وجہ دوسری بیان کریں یہ ناممکن سی بات ہے۔

۷- سعید ممدوح ویسے تو حب علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ کرتا ہے مگر مولا علی رضی اللہ عنہ کے مکمل فیصلے کو ماننے

میں تاویل کا راستہ اپناتا ہے۔ ویسے بھی سعید ممدوح کی باطل تاویلات اس کے اپنے موقف پر بھی پورا نہیں اترتیں۔

نکتہ: چند تفصیلی حضرات نے دوران گفتگو یہ نقطہ اٹھایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر حد المفتری کا اعلان کیا جو صحابہ کرام کو برا بھلا کہتے اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے (یعنی تحقیق صحابہ کے ساتھ مولا علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے) ان پر یہ فتویٰ نہیں لگتا جو صحابہ کرام کی عزت کریں اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو تفصیل دیں۔ مگر عرض یہ ہے کہ یہ تاویل تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان تو اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ حد المفتری کی سزا کی وجہ فضیلت ہے نہ کہ تحقیق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

8- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تفصیل شیخین کا بیان متعدد مقامات اور متعدد لوگوں کے سامنے تھا۔ بہت ساری روایات میں مولا علی رضی اللہ عنہ مطلقاً شیخین کریمین کی فضیلت کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور اپنے منبر پر اس کا اعلان کرتے ہیں۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ سعید ممدوح کی تاویلات باطل اور مردود ہیں۔

اعتراض: سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص 326 پر مقام ثانی کے عنوان سے لکھتا ہے۔

کسی کی قطعی فضیلت اور اس قطعیت کی شہرت صحابہ کرام اور تابعین میں سے امام علی رضی اللہ عنہ کے کبار ساتھیوں کے نزدیک مقرر معلوم نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا جن میں ان کے فرزند حضرت محمد ابن حنفیہ بھی شامل ہیں۔ اگر یہ بات صحابہ و تابعین کے نزدیک روشن، قطعی، واضح اور اجماعی ہوئی در انحالیکہ ان میں علماء و فقہاء بھی تھے اور وہ اس مسئلہ میں متاخرین کی طرح محاسمت کا شکار بھی ہوتے تو وہ اس سوال کے محتاج نہ ہوتے اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ از خود اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس فرماتے۔

جواب: سعید ممدوح کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

1- ایک جماعت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کرنا (بابت فضیلت) اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ لوگ ان کو جانتے نہیں تھے۔ بعض اوقات انسان کسی سے سوال دوسرے کو جواب دینے کی خاطر پوچھتا ہے۔ کبار تابعین جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے انہیں یہ معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سبائی اور افضی لوگ بھی محب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے

دلوں میں تنہیں کریمین کا صحیح مقام واضح نہیں یا وہ ان پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ اگر ان جید صحابہ کرام کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فضیلت کا سوال کرنے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان کے نزدیک یہ مسئلہ معروف نہ تھا تو جناب عالی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کریمین کے خصائص بیان کرنے سے کیا آپ یہ مطلب نکالیں گے کہ ان صحابہ و تابعین کے دور میں صحابہ کرام کی فضیلت مشہور و معروف نہ تھی اس لئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرنا پڑا۔ جناب عالی آپ کا یہ مدعا اور دعویٰ حقیقت سے دور اور غلط ہے۔

2- اگر صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فضیلت کا سوال کر رہے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس سوال کے ذریعے سبائیوں کو مولا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی ارشاد سنانے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ سبائی فرقہ کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چاہنے والے تھے۔ لہذا صحابہ و تابعین نے سوال کے ذریعے یہ واضح کر دیا کہ اے سبائی فرقہ! اگر تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ماننے والے ہو تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا ارشاد بھی انہی کی زبانی سن لو اور یہی مقصد ابن حنفیہ کا بھی تھا۔

3- بریل تنزل یہ مان بھی لیا جائے کہ ایک جماعت یا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو مسئلہ فضیلت شیخین کی شہرت معلوم نہ تھی تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ان کے نہ جاننے سے نفی ہو جائے۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔ صحابہ میں سے کوئی ایک میرے علم میں ایسا نہیں جس سے خاص چیزوں کا علم نہ گیا ہو۔ وہ چیزیں دوسرے اشخاص سے فرداً فرداً منقول ہوتی ہیں جنہیں دوسرے حضرات نے محفوظ کر لیا ہوتا ہے اور ان سے بعد والے گھروں سے اس کا زیادہ امکان ہے۔ تمام چیزوں کا احاطہ اور گھیراؤ کسی شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔

(الاستدلال 1/188-11/36)

4- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ کو بیان کرنا اس لئے نہ تھا کہ صحابہ کرام اور تابعین کو معلوم نہ تھا بلکہ ان کا بیان کرنا ان لوگوں کے لیے تھا جو کہ روپ بدل کر جب علی کا نعرہ لگا رہے تھے۔ جناب والا جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام خصوصاً شیخین کریمین کے خصائص بتائیں تو اس سے کیا یہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک یہ مسئلہ روشن، قطعی اور واضح نہ تھا۔ اللہ ایسی باطل تاویلات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اعتراض: سعید ممدوح ص 327 غایۃ التبجیل پر لکھتا ہے:

”یہ اثر اس بات کی تصریح ہے کہ بعض وہ صحابہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں تھے، وہ انہیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے تھے۔ لہذا اس سے اور اس جیسے دوسرے آثار سے اجماع کے دعوے مخدوش ہو گئے۔“

جواب: ۱- جناب والا وہ کون سے صحابہ کرام ہیں جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مطلقاً افضل ہونے کے قائل ہیں۔ کوئی صحیح سند سے فضیلت کلی یا مطلقاً ثابت کریں۔

۲- چند صحابہ کرام کے فضیلت کے اقوال جن سے آپ استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے بارے میں یہ واضح کریں کہ وہ شیخین کی زندگی کے اقوال ہیں یا ان کی حیات کے بعد کے ہیں۔

۳- جن صحابہ کرام سے جزوی فضیلت کے اقوال مروی ہیں ان میں اکثر اقوال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کے دوران وارد شدہ ہیں جو کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بیان کئے جو کہ برحق اور سچ ہیں مگر ان اقوال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شیخین کریمین کے مقابلے میں ہیں۔

۴- اگر کوئی قول بر سبیل تنزل ایسا مل جائے کہ جس میں یہ موجود ہو کہ وہ باقی صحابہ کرام سے افضل ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ باقی صحابہ کرام سے مراد کیا ہے؟ باقی صحابہ کرام سے مراد ان کی زندگی میں موجود صحابہ کرام یا تمام کے تمام صحابہ کرام؟ اس کا جواب دینا تو ضروری ہے ورنہ آپ اس مسئلہ میں الجھے ہی رہیں گے۔

۵- عرض یہ ہے کہ اجماع سے پہلے کا اختلاف اور اجماع کے بعد کا اختلاف بھی اجماع کو نہیں توڑ سکتا اور ایسے تمام اعتراضات فضول ہیں۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 327 پر لکھا ہے۔

صحابہ کرام خصوصاً کبار صحابہ رضی اللہ عنہم خوف، ڈر، تقویٰ اور بہت دالے تھے اور جس کا یہ حال ہو وہ بلا ضرورت اپنی فضیلت یا فضیلت بیان نہیں کیا کرتا۔

جواب: ہم آپ کی اس بات سے متفق ہیں مگر اس سے نتیجہ یہ نکالنا کہ اپنی فضیلت یا فضیلت بیان نہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا بھی افضل یا صاحب فضیلت نہ ہو بالکل غلط اور مردود

ہے۔ جہاں ضرورت نہ ہو اس جگہ بیان نہیں کیا جاتا مگر جہاں ضرورت ہو اور وہاں بیان نہ کیا جائے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ ذرا تاریخ اور حدیث کا مطالعہ کریں ہر مقام پر دوسروں کے مقابلے میں مختلف صحابہ کرام نے اپنے فضائل اور اہمیت کھلی کر بیان کئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کو فضیلت دینا ایک اہم سوال ہے؟ جناب صرف شیخین کریمین کے الفاظ ہی کیوں؟ یہ دونوں شخصیات ہی کیوں؟ دیگر جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تو موجود تھے۔ جناب عالی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خصوصاً ان دو شخصیات کی تفصیل بیان کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ جسے آپ بالکل تاویلات کے ذریعے ہضم کر جائیں۔ جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ترتیب سے نام لینا اور ان سے خصوصاً نبی کریم رضی اللہ عنہ کے بعد افضل شخص کا پوچھنا پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد افضل ترین شخص کا پوچھنا اس بات کی تصریح ہے کہ ان کا یہ قول کس نفسی یا عاجزی کے طور پر نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا اور پھر یہ کہ کیسے کس نفسی ہے کہ خود اس کے منکر کو حد مفتری یعنی 80 کڑوں کی سزا بھی سنائیں۔ عجب تضاد کی وادی میں گھوم رہا ہے محمود سعید ممدوح۔

اگر بالفرض مان لیں کہ اس قول کے لیے وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ہوگا۔ مگر جب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس پر جواب دیا تو پھر حکیم بن جبیر، امام باقر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں گیا؟ کیونکہ شیعہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں تو پھر حکیم بن جبیر اتنی حیرت کا اظہار کیوں کر رہا ہے۔

اس سند میں ایک راوی حکیم بن جبیر شیعہ پر محدثین کرام جرح ملاحظہ کریں۔

حکیم بن جبیر الکوفی اور محدثین کرام کی جرح

۱- علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: متروک، ضعفہ جمہور۔ (مجمع الزوائد، رقم: 8149، 14677)

۲- امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ضعیف الحدیث۔ (مضطرب الغل ومعرفة الرجال: 798)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر کہا ہے:

ضعیف الحدیث، مضطرب، و هو رافضی۔ (ضعفاء للعلی، رقم: ۳۸۹)

۳- امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا: کوفی یتروک۔ (سوالات البرقانی، رقم: 100)

۴- امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ولہ احادیث منکرۃ۔ (شرح علل الترمذی 1/205)

- ۵- امام جوزجانی نے کہا: کذاب۔ (احوال الرجال رقم: 21)
- ۶- امام شعبہ رحمہ اللہ نے کہا: لا استحل ان راوی (الضعفاء والمتروکین رقم: 974)
- ۷- امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا: ضعیف۔ (الضعفاء رقم: 129)
- ۸- علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: متروک۔ (الاکثاف رقم: 1197)
- ۹- ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا:

کان غالباً فی التشیع کثیر الوهم فیما یروی۔

ترجمہ: غالباً شیعہ تھا، اپنی مرویات میں بہ کثرت وہم کا شکار ہوتا۔ (المجموع رقم: 246/1)

10- حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: فیہ رفض۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: 1685)

11- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ضعیف رحمی بالتشیع۔ (تقریب الجہد رقم: 1468)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: متروک۔ (مختصر زاد مسند البزار ج ۲ ص ۶۱۱)

حافظ ابن حجر نے ایک اہم مقام پر کہا:

قلت: بل هو شبه الموضوع عبد الله بن بکیر (الغنوی) و

شیخه (حکیم بن جبیر) ضعفان۔ (احسان البحر ج ۱ ص ۳۳۱)

12- امام جوزجانی رحمہ اللہ نے کہا: کذاب۔ (میزان الاعتدال رقم: 2215)

13- ابن شاکب رحمہ اللہ نے کہا:

لیس بشی لا یکتب الحدیث، کان یتکلم فی عثمان

(تاریخ اسماء الضعفاء والکذابين رقم: 151)

ترجمہ: یعنی یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔

14- امام ابو عبد اللہ النبی پوری نے کہا: الغلوۃ فی التشیع۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم: 1310)

15- امام محلی رحمہ اللہ نے کہا:

ضعیف الحدیث غال فی التشیع۔

ترجمہ: یعنی ضعیف اور تشیع میں غلو کرنے والا تھا۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم: 1310)

16- ابوالعرب رحمہ اللہ نے کہا: ضعیف۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم: 1310)

17- ابن الجارود نے کہا: ضعیف۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم: 1310)

18- امام ابوالحاکم الکبیر نے کہا: فی الحدیث شیعنی یسیرو والغالب فی الکوفین التشیع۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم: 1310)

19- امام ساجی نے کہا: غیر ثبت فی الحدیث فیہ ضعف۔ (اکمال علی تہذیب الکمال رقم: 1310)

20- امام تہققی رحمہ اللہ نے کہا: لیس بالقوی۔ (معرفۃ السنن والاکابر رقم: ۱۳۳۲)

21- حافظ قیسرانی رحمہ اللہ نے کہا: لا بشیعنی۔ (تذکرۃ الحفاظ رقم: ۸۳۲)

22- امام مناوی رحمہ اللہ نے کہا: حکیم بن جبیر ضعیف۔ (فیض القدر رقم: ۲۶۷۶)

23- ابن ترکمانی حنفی رحمہ اللہ نے کہا: فی سندہ حکیم بن جبیر، قال أحمد ضعیف،

منکر الحدیث۔ (المواہب اللغویہ ج ۱ ص ۳۳۶)

24- امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا: لیس بشیعنی۔ (تاریخ الدوری رقم: ۱۳۶۳)

25- امام حاکم نے کہا: یغلوۃ فی التشیع، تو کو ۵۔ (مستدرک الحاکم رقم الحدیث: ۲۰۵۹)

26- امام بزار رحمہ اللہ نے کہا: حکیم بن جبیر ضعیف۔ (مختصر زاد مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۳۱)

27- امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا:

ضعیف الحدیث، منکر الحدیث له رأی غیر محمود، نسأل الله

السلامة۔ (البرج والتعذیل ج ۳ ص ۲۰۲)

ترجمہ: ضعیف اور منکر الحدیث ہے، اس کی رائے اچھی نہیں تھی۔ (شیعہ تھا) اللہ تعالیٰ سے ہم

سلامتی کے خواستگار ہیں۔

28- امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے ایک مقام پر کہا: ضعیف غال فی التشیع، ضعیف اور تشیع

میں غلو کرنے والا ہے۔ (علل الحدیث رقم: ۱۵۵۳)

29- ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے کہا:

فانه قليل الحدیث وله أحادیث منكرة۔ (شرح علل تہذیب ج ۱ ص ۲۰۵)

30- امام ابن الہادی رحمہ اللہ نے کہا: مجروح۔ (تتبع الحقیق رقم الحدیث: ۱۱۱۳)

31- امام طاہر المقدسی رحمہ اللہ نے کہا: متروک الحدیث۔ (ذخیرۃ الحفاظ رقم: ۱۹۶۸)

32- حافظ عراقی الکفائی نے کہا: حکیم بن جبیر ضعفوۃ، متہم بالرفض۔

(تنزیہ الشریعہ رقم: ۱۰۵ ج ۱ ص ۲۰۵)

33- حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کہا: متروک الحدیث۔ (المصنف ج ۳ ص ۱۰۲)

34- امام زرقانی رحمہ اللہ نے کہا: ضعیف۔ (شرح الزرقانی ج ۲ ص ۵۲۸)

35- علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا: حکیم بن جبیر و هو ضعیف۔

(عمدة القاری ج ۲۹ ص ۵۲، باب موروث قبل ان یؤذرب الناس)

36- امام شعبہ رحمہ اللہ سے امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ آپ حکیم بن جبیر سے روایت کیوں نہیں لیتے؟ انھوں نے کہا: میں آگ سے ڈرتا ہوں، مجھے ان سے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈر آتا ہے۔

(التاریخ الاوسط للبخاری: ج ۳ ص ۳۱۲، فقرہ: ۱۳۹۱، البحر والتعذیل ج ۳ ص ۲۰۱)

امام ابو زرہ الرازی نے کہا: محله الصدق ان شاء اللہ۔ (البحر والتعذیل ج ۳ ص ۲۰۲)

37- مگر بعد ازاں امام الرازی حکیم بن جبیر کو ضعیف قرار دیا۔ (الضعفاء ج ۲ ص ۶۱۲)

38- امام ابن مہدی حکیم بن جبیر سے روایت نہیں لیتے تھے۔ (تاریخ الاوسط ج ۳ ص ۶۳۵)

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ حکیم بن جبیر ضعیف، مضطرب، متروک، شیعہ اور رافضی راوی ہے جس کی روایت کسی بھی اصول کے تحت قابل قبول نہیں ہوتی۔ اور شیخ محمود سعید ممدوح ایسے راویوں کی روایت سے اپنا مطلب نکالنے چلے ہیں۔ اس روش کے تحت بعض اسماء الرجال سے نا بلند لوگ لوگوں کی محفلوں میں اسی روایت کو پیش کر کے اپنا مطلب نکالنے کے سعی لا حاصل کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن بکیر الغنوی اور محمد ثنین کرام کی جرح

اس سند میں دوسرا راوی عبد اللہ بن بکیر الغنوی ہے۔ اس کے بارے میں محدثین کی آراء ملاحظہ کریں۔

۱- ابو حاتم رحمہ اللہ نے کہا: عتیق الشیعة۔ (میزان الاعتدال رقم: 4233)

۲- امام ساجی رحمہ اللہ نے کہا: من اهل الصدق وليس بقوی۔ (میزان الاعتدال رقم: 4233)

۳- ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا: منہا کبر۔ (مختصر اکامل ابن عدی رقم: ۱۰۸۵)

۴- امام بزار رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کوفی یتشیع۔ (کشف الاستار من الزوائد للبراء رقم: ۱۷۳۸)

۵- علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: منکر الحدیث۔ (دیوان الضعفاء رقم: ۲۱۳۳)

۶- علامہ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وهو ضعیف۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۹۵۲۹)

۷- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عبد اللہ بن بکیر و شیخہ ضعیفان۔

(احاث المهر ج ۱ ص ۳۳۹)

عبد اللہ بن بکیر کو یحییٰ بن معین نے لا باس بہ اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں درج کیا ہے مگر جمہور محدثین کے نزدیک عبد اللہ بن بکیر الغنوی ضعیف اور شیعہ راوی ہے۔

اس حدیث کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ حکیم بن جبیر اور عبد اللہ بن بکیر الغنوی شیعہ اور ضعیف راوی ہیں۔

اعتراض: محمود سعید ممدوح غایۃ التبجیل ص ۳۳۳ [مترجم] پر لکھتا ہے۔

حکیم بن جبیر ضعیف راوی ہے لیکن علماء کرام تفسیر میں ضعیف راوی کی روایت قبول کرنے پر متفق ہیں تو پھر آثار کی شرح کا کیا حکم ہوگا؟ بلکہ وہ آثار کی روایت میں بھی تجاوز کرتے ہیں۔ یہ تمام بحث التعریف کے مقدمے میں تفصیلاً مذکور ہے اور جو چیز اس اثر کی صحت پر دلالت کرتی ہے وہ اس کا مرفوع حدیث کے معنی میں ہونا ہے۔ بے شک حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے بعد لوگوں میں افضل تھے تو واجب ہے کہ اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰ بھی نبی کریم ﷺ کے بعد دلالت المطابقت کی رو سے سب لوگوں سے افضل ہوں۔

جواب: شیخ محمود کا مذکورہ بالا بیان کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ حکیم بن جبیر خالی ضعیف نہیں بلکہ متروک، کذاب اور شیعہ راوی ہے۔ غرض یہ ہے کہ اگر کسی حدیث یا روایت میں کوئی ثقہ راوی ہو مگر شیعہ ہو اور روایت اپنے عقیدے کے مطابق بیان کرے تو وہ قابل قبول نہیں بلکہ رد اور مردود ہو جائے گی اس روایت میں تو ضعیف ہونے کے علاوہ حکیم بن جبیر متروک، خالی تشیع اور رافضی ہے۔ لہذا ایسے شخص کی روایت کی تشریح جو کہ شیعوں کے عقیدے (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں) کو تقویت دیتی ہے جو کہ ہر حال میں مردود اور قابل رد ہے۔ لہذا ایسے رافضی اور متروک راویوں کی روایت آپ کو ہی مبارک ہو۔ اور یہ کہ متروک راوی کی روایت تو تشریح میں بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

مزید یہ کہ امام زین العابدین کا اپنا عقیدہ تفضیل شیخین صحیح ہے۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات ان کے عقیدہ تفضیل شیخین کے بارے میں ملاحظہ کریں۔

۱- امام ابن اسمان کتاب الموافقة میں فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین جناب سید الشہداء خاتم آل عبا سبط رسول الثقلین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت علی کرم اللہ

وجہ الکریم سے روایت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے بعد کسی ایسے شخص پر سورج نہ طلوع ہو اور نہ غروب جو کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو۔

(تفسیر عروزی تفسیر سورۃ النیل جلد ۳ صفحہ ۳۰۳)

۲۔ قال (یحیی بن سعید الانصاری): من أدرکت من أصحاب النبی ﷺ و التابعین لم یختلفوا فی أبی بکر و عمر و فضلہما، إنما کان الاختلاف فی علی و عثمان۔ (شرح اصول الاعتقاد، رقم: ۲۶۰۹)

ترجمہ: یعنی میں (یحیی بن سعید الانصاری) نے جن صحابہ کرام کو پایا وہ اختلاف نہیں کرتے تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں اور اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں اختلاف تھا۔

یحیی بن سعید الانصاری کے شیوخ میں امام زین العابدین، علی بن الحسین البہاشی رحمہ اللہ کا نام سرفہرست ہے۔ (تہذیب الکمال، رقم: ۶۸۳۶)

لہذا صحیح روایات کے مقابلہ میں مجروح روایت کا سہارا لے کر اپنا مطلب نکالنا مردود عمل ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سعید ممدوح کی تمام تاویلات اور اعتراضات باطل اور غلط ہیں۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 328 پر ہے:

اپنی ذات سے افضلیت کی نفی میں سیدنا علی منفرد نہیں۔ دوسرے حضرات ان پر سبقت کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کے عظیم اجتماع میں اپنی ذات سے افضلیت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: میں تمہارا کام بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔

جواب: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کہ ”میں تم سے بہتر نہیں ہوں“ سے استدلال کر کے افضلیت کے منافی سمجھنا غلط ہے ہم پہلے اس بات کو ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ایک معترض کے جواب میں اپنی فضیلتیں اور اس منصب کے اہل ہونے کے دلائل دیئے ہیں۔ تفصیل پچھلے صفحات میں ملاحظہ کریں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کریمین کی فضیلت کا اقرار اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ کرام سے بہتر نہ ہونے کا قول کسی بھی طرح ایک جہت اور ایک وجہ نہیں رکھتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خصوصاً نبی کریم ﷺ سے افضل ہونے کا سوال کرنا ایک شرعی سوال تھا۔ دوسرا تقابل میں سوال کرنے

اور مطلقاً خود کے بارے میں رائے رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعدد مقامات پر افضلیت شیخین پر مجتہدین کی افضلیت کا درس دیا۔ اب درس اور سوالات کے جواب کو کس نفسی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے عہدہ کے لیے اپنی ذات کی نفی کی۔ کیونکہ عہدہ قبول کرنے میں ہمیشہ سے سلف صالحین سے جھجکتے ہی رہے ہیں۔ خود سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بارے میں جو ارشاد فرمایا کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ مگر جہاں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اہلیت پر اعتراض اٹھا وہاں انہوں نے بڑے ہی پر زور طریقے سے اپنے فضائل بیان کئے۔ لہذا سعید ممدوح کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین سے افضل کہنے کو کس نفسی پر محمول کرنا غلط ہے۔

مزید یہ کہ حدیث کا متن اور شواہد یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین کریمین کی افضلیت حقیقت کے اظہار کے لیے بیان کی۔ اگر ایسا ہی تھا پھر وہ تمام صحابہ کو اپنے آپ سے افضل کہتے جیسے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو اپنے سے خیر بہتر کہا۔ لہذا ثابت ہوا کہ سعید ممدوح کے احتمالات کی کوئی علمی و تحقیقی حیثیت نہیں ہے۔

اعتراض: غایۃ التبجیل ص 331 پر لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد ”تواضع و عاجزی تھا“ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو بلاذری نے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ جب شام تشریف لے گئے تو کثیر عروہ نے ان کے سامنے یہ اشعار عرض کئے:

”اے ہدایت یافتہ کے مہدی فرزند آپ نے ہمیں ہدایت دی، نبی کریم ﷺ کے بعد آپ سب سے بہتر ہستی کے فرزند ہیں۔ آپ حق کے امام ہیں، ہمیں شک نہیں، اے ابن علی تشریف لاسیے، علی کی مثل نہیں۔“ (الانساب الاشراف)

حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے کثیر عروہ کے قول کو برقرار رکھا، اگر وہ سمجھتے کہ ان کے والد کا قول اپنے ظاہر پر ہے تو وہ کثیر عروہ کے قول کو برقرار نہ رکھتے۔

جواب: آپ کے پیش کردہ حوالہ انساب الاشراف 1406/3 میں یہ قول بلا سند ہے۔ جب تک کوئی قول سند سے منقول نہ ہو اسے حجت بنانا اور اس پر کلام کرنا مردود عمل ہے۔ لہذا ایسے اقوال آپ کو ہی منظور ہوں۔ بغیر سند کے اقوال پر تبصرہ صرف سند ثابت کرنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔

لہذا بغیر سندوں کے اقوال نقل کرنا جہال کا طریقہ ہے۔ مزید یہ کہ اس کلام میں شیخین کریمین بدعتی سے مستثنیٰ ہیں۔

اثر مرتضوی پر امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی تقریر کا تحقیقی جائزہ

غایۃ التبجیل ص 332 پر سعید ممدوح لکھتا ہے۔

ہم اثر مرتضوی (مد المفتری) پر اپنی بحث کا اختتام سیدنا تابعین اور امام اہل بیت کرام امام علی زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بیان پر کر رہے ہیں تاکہ اس کا اختتام مشک پر ہو۔ جب میں مذکورہ الصدر بحث لکھ چکا تو اس کے بعد میں امام علی بن حسین اور ان کے فرزند امام باقر رضی اللہ عنہما کے کلام پر مطلع ہوا جو کہ اہل انصاف کے نزدیک خالص حجت اور گزشتہ بحث کی تائید کرنے والا ہے۔ حکیم بن جبیر از شعبی از ابو جحیفہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

”ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ شروع کر دیا تو ہم نے پوچھا ان میں سے افضل کون تھا؟ فرمایا: اس امت کے نبی ﷺ کے بعد اس امت کا افضل شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر عمر ہے۔ اگر میں چاہوں تو ایک اور شخص کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں ہم نے سمجھا وہ شخص آپ خود ہیں۔ حکیم فرماتے ہیں: میں نے علی بن حسین رضی اللہ عنہما (زین العابدین رضی اللہ عنہ) سے یہ بات کہی تو انہوں نے اپنا ہاتھ میری ران پر مارا اور فرمایا: سعید بن مسیب موجود ہیں انہوں نے سعد بن مالک رضی اللہ عنہ (ابو وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا: انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا تمہاری منزلت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک۔ ہجر اس کے کہ میرے بعد نبی نہیں ہوگا تو کونسا شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام؟ حکیم فرماتے ہیں پس وہ مجھ پر غالب آگئے مجھے کچھ نہ سوجھا کہ میں کیا کہوں، پھر میں ابو جعفر (امام محمد الباقر بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما) کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں یہ بات عرض کی تو انہوں نے فرمایا تم سچ کہتے ہو یہ حدیث ہے لیکن ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے آپ پر فضیلت دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں مکرم اور افضل وہی ہوتا ہے۔

(معجم الشیوخ لابن الاعرابی رقم: 487)

پھر سعید ممدوح لکھتا ہے حکیم بن جبیر شیعی ہیں اور ان میں کلام ہے لیکن علماء کرام تفسیر میں ضعیف راوی کی روایت قبول کرنے پر متفق ہیں تو پھر آثار کی شرح کا کیا حکم ہوگا؟ بلکہ وہ آثار کی روایت میں تجاوز کرتے ہیں۔ پھر شیخ سعید ممدوح اپنی کتاب کے 334 پر لکھتا ہے۔ بے شک حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ کے بعد لوگوں میں افضل تھے تو واجب ہے کہ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم ﷺ کے بعد دلالت المطابقت کی رو سے سب لوگوں سے افضل ہوں۔

جواب: عرض یہ ہے کہ سعید ممدوح کی پیش کردہ روایت اور اس کی تشریح گھڑی ہوئی لگتی ہے۔ اول تو خود امام زین العابدین سے افضلیت شیخین کا عقیدہ ثابت ہے۔

دوم اس کا راوی حکیم بن جبیر شیعہ راوی ہے جب شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ سمجھتے ہیں تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول (شیخین کی افضلیت کے متعلق) کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرنے کا کیا مقصد؟ کیا یہ ایسا عقیدہ تھا کہ جو کسی دوسرے شیعہ کو معلوم نہ ہو؟ حالانکہ شیخ ممدوح کا تو دعویٰ یہ ہے کہ تمام شیعہ کا عقیدہ تفضیل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جناب والا! اس روایت کا متن ہی اس کے جھوٹ اور من گھڑت ہونے پر دلیل ہے۔

حکیم بن جبیر نے اس قول کی نہ تو شرح بیان کی ہے اور نہ ہی اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ شیخ ممدوح کا اس کی تشریح اور شرح کو حکیم بن جبیر کی طرف منسوب کرنا علمی خیانت ہے۔ کیونکہ اس روایت میں تشریح نہیں بلکہ متن میں زیادتی ہے۔ اور اصول حدیث میں یہ بات واضح موجود ہے کہ ثقہ کی زیادتی اپنے سے زیادہ ثقہ سے قابل قبول نہیں ہوتی جبکہ یہاں تو حکیم بن جبیر ضعیف، متردک اور رافضی راوی ہے۔ اس کی زیادتی ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

اگر بالفرض حکیم بن جبیر نے اس قول کی تشریح یا شرح بھی بیان کی ہوتی تو پھر بھی حکیم بن جبیر کی یہ تشریح یا شرح اصول الحدیث کی رو سے مردود اور باطل ہوتی۔ کیونکہ حکیم بن جبیر تو ضعیف ہونے کے علاوہ متردک اور رافضی بھی ہے۔

اور اس روایت کا دوسرا راوی عبد اللہ بن بکیر الغنوی بھی غالی شیعہ راوی ہے۔ اور علماء کرام نے اس اصول کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ بدعتی (رافضی، شیعہ وغیرہ) کی وہ روایت جو اس کے مذہب کے مخالف ہو اس کو رد کر دیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

المختار أنه ان كان داعياً الى بدعته و مروجاً له ردوا ان لم يكن
كذلك قبل الا أن يروى شيئاً يقوى به بدعته فهو مردود
قطعاً. (مقدمہ در مضبوطات حدیث مع مشکوٰۃ) مترجم اس ۷۶۔ ۷۷

ترجمہ: یعنی بدعتی کے بارے میں مذہب مختار یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کا داعی اور اس کا رائج
کرنے والا ہو تو مردود ہے ورنہ مقبول۔ بشرطیکہ وہ ایسی چیز روایت نہ کرتا ہو جس
سے اس کی بدعت کو تقویت پہنچتی ہو کیونکہ اس صورت میں تو وہ قطعاً مردود ہے۔

